

نعتیں رنگ

www.facebook.com/Naat.Research.Centre

www.sabih-rehmani.com/books

۱۹۲۰
۶/۴/۱۹
ABDUL AZIZ KHAN
D.C.A. 10 Aaddis
R.O., Karachi

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

تمہارے لیے بہترین دوست اور

ساتھی وہ ہے جسے دیکھو تو تمہیں

خدا یاد آئے۔ جس کی گفتگو سے

تمہارے علم میں اضافہ ہو اور

جس کا عمل تمہیں آخرت کی

یاد دہانی کرائے۔

(الرغیب والترہیب۔ روایت ابن عباسؓ)

منجانب

صوفی سید محمد جمال (کراچی)

تقدیم ادب کا کتابی سلسلہ

نعت رنگ

شمارہ ۸

ستمبر ۱۹۹۹ء

اس شمارے کی قیمت

پاکستان ۱۰۰ روپے

بیرون ملک

(بذریعہ ایئر میل)

سعودی عرب : 25 روپے

یو اے ای : 30 روپے

امریکا : 8 ڈالر

برطانیہ : 5 پاؤنڈ

مرتب

صبح رحمانی

منتظم اعلیٰ

صاحب زادہ انور جمال بدخشان

شعبہ اشتہارات

عاطف معین قاسمی، عدیل قاسمی

مجلس مشاورت

رشید وارثی، عزیز احسن
نور احمد میرٹھی، سید معراج جاوید

بیرون ملک نمائندے

واصل عثمانی : سعودی عرب

رییس وارثی : امریکا

سید علی مرتضیٰ رضوی : برطانیہ

ہندوستان میں

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیب (کل گاؤں)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

ساجد صدیقی لکھنؤ (لکھنؤ)

ندیم صدیقی (ممبئی)

سروق پر

مہدی حضرائی (کراچی)

کے فن خطاطی کا

خوبصورت نمونہ

ناشر

اقلمیر نعت

CONTACT :

E-25, Phase-V, T&T Flats,
Shadman-II, North Karachi, Pakistan.
Tel : (92-21) 6901212
Fax : (92-21) 4941723
Email : fazlee@cyber.net.pk

مرتب و ناشر صبح رحمانی نے فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ سے چھپوا کر مرکزی دفتر اقلیم نعت
۲۵-ای، ٹی اینڈ ٹی فلیٹس، فیز ۵، شادمان ٹاؤن نمبر ۲، شمالی کراچی ۷۵۸۵۰ سے شائع کیا۔

With
Best
Compliment

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

from:

MATCO RICE PROCESSING (PVT) LTD.

10, FAREED CHAMBERS, ABDULLAH HAROON ROAD,
SADDAR KARACHI-74400 PAKISTAN
PHONES : 5670474 - 5661987 FAX : 5685321 TELEX : 21787 MATCO PK

المغل ایسوسی ایٹس

شاپ نمبر 40 شالیمار شاپنگ سینٹر، کے ڈی اے اسکیم، کراچی

گلستان جوہر، گلشن اقبال، گلشن جمال، سینٹرل گورنمنٹ

(KDA) کے ڈی اے آفیسر سوسائٹی میں دکانوں،

فلیٹوں اور بنگلوں کی خرید و فروخت اور

کرائے کے لیے رجوع کریں

پرپرائز: محمد خالد مغل

AL-MUGHAL ASSOCIATES

REAL ESTATE SALE & PURCHASE

SHOP NO.40, SHALIMAR SHOPPING CENTRE

K.D.A SCHEME KARACHI.

PH : 8117812-8117813-8110946

جامعاتی سطح پر پہلی "نعت چیئر" قائم کرنے والی
محی الدین اسلامی یونیورسٹی (نیریاں شریف آزاد کشمیر)
کے چانسلر

حضرت الحاج پیر محمد علاء الدین صدیقی مدظلہ،

اوبر وائس چانسلر

محترم ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی مدظلہ،

کے نام

دھنک

۱۰ حم
۱۱۰ ادارہ

مقالات و مضامین

- ۱۲ شعر کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رائے
۳۰ حجرہ نبویہ پر نعتیہ اشعار
۵۲ اردو حمد و نعت فارسی روایت کے تناظر میں
۵۶ قصیدہ بردہ کے منظوم اردو تراجم
۶۸ مصرع رضا اور کشتی صاحب
۷۹ نعت میں طنز کی شمولیت
۸۸ اردو نعت اور عقیدہ ختم نبوت
۹۳ گلزار نعت، ایک نایاب نعتیہ گلدستہ
- ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
ڈاکٹر خورشید رضوی
ڈاکٹر عاصی کرناالی
ڈاکٹر سید یحییٰ شیطا
ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی
منصور ملتانی
رفاعت علی شاہد

فکر و فن

- ۹۸ شیخ سعدی کی نعتیہ تب و تاب
۱۰۸ امیر مینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ
۱۱۷ حسرت موہانی اور ان کی نعت گوئی
۱۲۸ علیم صبا نویدی کا فن نعت گوئی
- پروفیسر محمد اقبال جاوید
ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں
پروفیسر شفقت رضوی
ڈاکٹر سید سجاد حسین

کی نعت و نعتیہ اشعار
پہلے پڑھیں
نعت علامہ اقبال

EUROMODE (PVT) LTD.

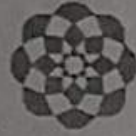
L/32/A, BLOCK 22, FB AREA, KARACHI.
TEL : 6364459-6364076 FAX : (92-21) 6340150

مطالعات نعت

- ۲۲۳ اردو میں میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تحقیق، تنقید، تاریخ) ایک جائزہ پروفیسر شفقت رضوی
 ۲۳۰ ”اردو نعت اور جدید اسالیب“ پر ایک نظر ہمیں مرزا
 ۲۳۶ حاصل مطالعہ حنیف اسعدی/منصور ملتانی

خطوط

- پروفیسر جگن ناتھ آزاد (بھارت)، مولانا کولک نورانی اوکاڑوی (کراچی)
 ڈاکٹر عبدالتیم عزیز (بھارت)، سلطان جمیل نسیم (کراچی) رشید اختر خاں (بھارت) ۲۵۳



www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

علاقائی زبانوں میں نعت

- ۱۳۶ سندھی مولود میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی کا ذکر حافظ حبیب الرحمن سیال بخش
 ۱۳۱ نعت نبی بلوچی و براہوی میں غوث بخش صابر
 ۱۳۸ سریشن بھٹ کی ایک مراٹھی نعت کا تجزیہ ڈاکٹر سید یحییٰ شیط

خصوصی مطالعہ

- ۱۵۸ دبستان جوش ملیحانی میں نعت کالی داس گپتا راضا

تذکرہ نگاری

- ۱۶۱ شعرائے جلال پور جٹاں اور نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاکر کنڈان

مدحت

- جگن ناتھ آزاد (بھارت) تابش دہلوی (کراچی) حفیظ تائب (لاہور)
 مظفر وارثی (لاہور)، عاصی کرناٹی (ملتان)، محسن احسان (پشاور)
 جمال پانی پتی (کراچی)، احمد جاوید (لاہور)، اسلم انصاری (ملتان)
 مظفر حنفی (بھارت)، عنوان چشتی (بھارت)، حافظ محمد ظہور الحق (اسلام آباد)
 سلیم کوثر (کراچی)، انور مینائی (بھارت)، قمر سنبھلی (بھارت)
 ایاز صدیقی (ملتان)، تنسیم فاروقی (بھارت)، ندیم صدیقی (بھارت)
 محمد اظہار الحق (اسلام آباد)، رشید وارثی (کراچی)، شوکت عابد (کراچی)
 تمثیل جاوید (کراچی)، محمد سبکگین صبا (کراچی)، باریق پرتو رومی (بھارت)
 افضل الفت (کراچی)، ریاض احمد قادری (فیصل آباد) ۱۸۵

شخصیت

- ۲۱۶ حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی اور فروغ نعت سید یاسمین زیدی

وہ رتب ہے

وہ، علم جس کا محیط کل ہے۔
اُسی کی قدرت کہ بس ارادہ کرے
تو ہے ہر شے وجود پالے
اُسی کی آیات ذرے ذرے میں
اپنا جلوہ دکھا رہی ہیں
ہواؤں سے مل کر اُس کے نغمے
سبھی فضائیں سنا رہی ہیں

میں اُس کی قدرت کے کارخانے میں
چشم حیراں کے ساتھ آیا
تو دم بخود تھا
میں سوچتا تھا
زمین کی وسعت
اور آسمان کی بلندیوں میں
یہ کس کا چہرہ دمک رہا ہے
وہ شمع آساندھیری راتوں کے درمیاں
یوں چمک رہا ہے

میں سوچتا تھا مگر میں اُس ذات کے
تعارف سے بے خبر تھا
میں بے خبر تھا مگر مراکل وجود
اُس کی طرف رواں تھا

میں قرن ہا قرن اُس کو ڈھونڈھا کیا
مگر اُس کو دیکھ پایا، نہ جان پایا
نہ میں نے اُس کی صفات جانیں
نہ ذات جانی

پھر اُس کے پیغمبروں نے آ کر
مری نظر کو ہبھارتوں کی نوید دی
اور دل کو بخششیں بصیرتیں بھی
ملی بصیرت تو میری حیرت پہ
اک نئی آگہی کا درکل گیا جہاں میں

ازل سے پہلے کی سب کہانی
ابد کے مابعد کے ترانے
سنے تو دل کو یقیں کی دولت عطا ہوئی
اور --- روح نے روشنی بھی پائی

وہ جس کی آیات ہیں جہاں میں
اُسی نے روز الست مجھ سے
”بلی“ کا اقرار لے لیا تھا
مگر میں اس خاکداں میں آ کر
بھٹک گیا تھا

وہ رتب ہے!!!
خود اُس نے مجھ کو
پہلے بتا دیا تھا
☆☆☆

ابتدایہ

الحمد للہ نعت رنگ نے اپنے اشاعتی سفر کا ایک اہم حصہ طے کر لیا ہے۔ اردو میں علمی، ادبی اور دینی جرائد و رسائل کی اشاعت کے مسائل سے کون واقف نہیں اور اگر رسالہ کسی خاص موضوع سے متعلق ہو تو دشواریاں اور بھی بڑھ جاتی ہیں کیونکہ اس رسالے سے قارئین کا تعلق وفاداری سے زیادہ وضع داری اور ضرورتاً سے زیادہ اخلاقاً ہی رہ جاتا ہے۔ ”نعت رنگ“ بھی ایک موضوعی رسالہ ہے لیکن اس کا موضوع ایسا نہیں جس سے دلچسپی روا روی میں لی جائے یہ اپنے قارئین سے پورے وقار و سنجیدگی کی رسد اور فکر و عمل کی کمک چاہتا ہے جو اسے حاصل ہے اور اس کا دائرہ روز بہ روز وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔

نعت رنگ کا یہ آٹھواں شمارہ بھی نعت کی تخلیق، تنقید، تحقیق اور تدوین کے مختلف علمی و ادبی پہلوؤں کو ہمارے سامنے لا رہا ہے جس سے نعت پر ادبی گفتگو کے مزید دروا ہو سکیں گے کہ یہی ہمارا نصب العین ہے۔

گزشتہ دنوں جو چند اہم نعت نگار ہم سے جدا ہوئے اُن میں اقبال صفی پوری، شمیم بے پوری، خالد بزمی، الحاج قمر الدین احمد انجم، الحاج محمد علی ظہوری قصوری، الحاج محمد اختر سدید و غیرہ شامل ہیں، ادارہ اقلیم نعت ان نعت نگاروں کی مغفرت کے لیے دعا گو ہے۔

☆☆☆

شعر کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی رائے

شعر کیا ہے؟ علماء ادب نے اس بارے میں متعدد خیالات کا اظہار کیا ہے۔ وزن اور قافیہ شعر کی صورتی صفات ہیں اور بعض نے ان کے التزام کو بھی شعر کا جیادی عنصر شمار کیا ہے۔ (۱) ابن رشیق التمیمی نے مقومات شعر کو چار عناصر پر مشتمل قرار دیا ہے کہ وزن و قافیہ کے علاوہ الفاظ اور معانی بھی نکتوں شعر میں اہم کردار ادا کرتے ہیں بلکہ وہ تو انہیں شعر کا جسم و روح کہتا ہے (۲)۔ الفاظ ذریعہ ہیں معانی تک پہنچنے کا اور اگر الفاظ یہ فریضہ باحسن طریق انجام نہ دیں تو شعر ابلاغ کے جیادی وصف سے محروم ہو کر ناقابل التفات ٹکڑے اور اگر معانی مرغوب و محبوب نہ ہوں تو الفاظ کی تراش خراش سعی لا حاصل ہوتی ہے۔ الفاظ و معانی میں جسم و روح کا تعلق ان کی قدر و قیمت کا تعین کرتا ہے۔ جسم کی سچ و سچ قابل لحاظ ہے مگر یہ سب کچھ روح کے رابطے کے حوالے سے ہے۔ یہ رابطہ نہ ہو تو جسم مردہ ہے اور مردہ کو کس قدر بھی عمل مومیائی سے گزارا جائے باعث نشاط نہیں لائق عبرت ہی ہے۔ شعر میں معانی کی عظمت کا اعتراف اس کی شعور سے لغوی نسبت کے حوالے سے بھی کیا گیا ہے کہ شعر کو شعور کا انداز سمجھا گیا ہے۔ ابن رشیق کہتا ہے "و انما سقى الشاعر شاعرا لانه يشعر بما لا يشعر له غيره" (۳)۔ امام راغب الاصفہانی (م ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں "وسقى الشاعر شاعراً لفطنته و دقة معرفته" (۴)۔ (شاعر کو اس کی ذہنی بائیدگی اور دقت معرفت کی وجہ سے شاعر کہا گیا) شعریوں تو وزن و قافیہ کے ضابطوں سے ترتیب دیا ہوا ایک قطعہ کا ام ہے مگر دراصل یہ شاعر کے اندرونی جذبے اور داخلی شعور کی ایسی جچی آواز ہے کہ ہر سامع اسے اپنے دل کی پکار اور روح کی تڑپ خیال کرتا ہے۔ اس لئے یہ نہ صرف وزن و قافیہ کا منظر اور نہ صرف جذبول کا عکاس ہے بلکہ یہ سب جوانب کا جامع ہے اور تمام مقومات کا ایسا مجموعہ ہے جس میں یہ سب ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک وحدت اور ایک اکائی بن گئے ہیں۔ عرب کا صاحب معلقہ شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کہتا ہے۔

وان احسن بيت أنت قائله بيت يقال اذا أنشدته صدقا (۵)
(عمدہ ترشمر وہ ہے کہ توجہ دو شعر کے تو تیرے پڑھنے پر یہی پکار آئے کہ سچ کہا)

عربوں کے ہاں شعر کی منزلت اس قدر تھی کہ شاعر ہی ان کے قومی بھروسے کا تھوڑا سا تھوڑا تھا۔ وہ قبائلی کارناموں کا محافظ اور ان کی غیرت کا امین تھا اس لئے اس کے شعر ہمیں سے زیادہ اثر آفرین تھے ڈاکٹر کھٹن کا کہنا ہے کہ:

"Their unwritten words flew across the desert faster than arrows and came home to the hearts and gossoms of all who heard them." (6)

شاعری کی بے پناہ عظمت اور ہمہ جہتی اثرات کا حوالہ ڈاکٹر لی بان نے ان الفاظ میں دیا۔

"ان یعنی عرب شعراء کی قوت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ قریش نے الاعمش شاعر کو سوانت محض

اس لئے دیئے کہ آنحضرت (ﷺ) کی مدح میں جو اشعار اس نے لکھے تھے ان کی اشاعت نہ کرے۔" (۷)

اسلام دین فطرت ہے وہ انسانی جذبول کی تہذیب کا تو قائل ہے نفی کا نہیں۔ شعر کی حیثیت

مسلم تھی اس سے کلیتہً اجتناب نہ ممکن تھا نہ مناسب اس لئے اسلام نے شعر کی معاشرتی گرفت اور شاعری

ذہنی صلاحیت کو تسلیم کیا اور اس ادبی و فکری منظر کو پذیرائی بخشی لیکن اس قوت کو منہ زور ہونے اور معاشرتی

اضطرابات کا محرک بننے کی اجازت نہ دی قرآن مجید نے شعر کے حوالے سے جو اسلامی رویت کی وضاحت کی

اس سے بعض اذحان میں شعر سے نفرت بھی بیدار ہوئی اور وہ اسے شغل لا طائل سمجھ کر تردید کرنے لگے

جبکہ بعض نے حدود و ضوابط سے انکار کرتے ہوئے شعر کو لا محالہ احسن اور بجز منظر سمجھا۔ نبی رحمت صلی اللہ

علیہ وسلم نے امت کو اس پریشان نظری کا شکار نہ ہونے دیا اور واضح ارشادات سے درست طریق عمل کی

نشان دہی فرمادی۔ وہ طریق اعتدال کیا ہے اس کو جاننے کے لئے قرآن وحدیث کے ان احکام کو پیش نظر رکھنا

ہو گا جو کبھی موافق کیفیت کا اشارہ دیتے ہیں تو کبھی مخالف کیفیت کا۔ بجز ہو گا کہ تمام موافق اور مخالف

روایات کا حتی الامکان احصاء کر لیا جائے تاکہ قطعی جائزہ سے درست صورتحال سامنے آئے۔ آئیے پہلے

موافق روایات پر توجہ دیتے ہیں۔

موافق روایات

(۱) ان من الشعر حکمة (۸) (بے شک شعر میں حکمت ہے)

۲۔ ان من الشعر حکماً (۹) (بے شک شعر میں حکمتیں ہیں)

۳۔ ان من البیان سحراً و ان من الشعر حکماً (۱۰)

(بے شک بیان میں جادو ہے اور بے شک شعر میں حکمتیں ہیں)

(ب) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ دربار رسالت میں شعر کا ذکر ہوا تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "هو کلام فحسنة حسن و قبيحة قبيح" (۱۱)

۲۔ عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال : انما الشعر كلام مؤلف فما وافق الحق منه فهو حسن وما لم يوافق الحق منه فلا خير فيه — وقد قال عليه الصلاة والسلام انما الشعر كلام فمن الكلام خبيث و طيب (۱۲)

(ج) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ انہوں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول یا حسان اجب عن رسول اللہ اللہم آیدہ بروح القدس قال ابو ہریرة نعم (۱۳)

۲۔ قال النبي صلى الله عليه وسلم يوم قريظة لحسان بن ثابت اهجع المشركين فان جبريل معك (۱۴)

۳۔ عن عائشة رضي الله عنها ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال اهجو قريشا فانه اشد عليهما من رشق بالنبل (۱۵)

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کا شعر پڑھنا جبکہ بعض روایت میں حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا عمرہ القضاء کے موقع پر شعر پڑھنا مذکور ہے۔ (اگرچہ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر قرین واقعہ نہیں کہ ان کا موجود ہونا درست نہیں کہ وہ اس سے قبل ہی جنگ موتہ میں شہید ہو چکے تھے۔) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رد کا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حرم پاک میں شعر پڑھنا مناسب نہیں مگر فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم خل عنه يا عمر فهو اسرع فيهم من نفع النبل (۱۶) (کہ اے عمر! رہنے دو یہ ان کے لئے تیر کے گھاؤ سے زیادہ تیز ہیں۔)

۳۔ امية بن الصلت کے متعدد اشعار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم (سو کے قریب) نے سنے اور حسین فرمائی۔ (۱۷)

۵۔ دوران سفر حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو بلایا اشعار سنے اور سنتے رہے آخر یہ فرمایا:

لهذا اشد عليهم من وقع النبل (۱۸)

۱۔ حضرت ضرار بن الازد حاضر ہوئے تو فرمایا پڑھو تو انہوں نے چار شعر کہے۔ (۱۹)

(د) ۱۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے جب مشرکین کی جھوٹے لئے اجازت چاہی تو فرمایا میری قرامت داری کا کیا ہوگا اس پر حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا لأسلنك كما نسل الشعرة من العجين (۲۰) (میں آپ کو ان سے یوں نکال لوں گا جیسے گندھے ہوئے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے۔)

۲۔ ایک روایت میں الجین (گندھا ہوا آٹا) کے بجائے الخمیر (خمیر والا آٹا) ہے۔ (۲۱)

(ه) ۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت

حسان رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھوایا کرتے تھے اور آپ اس پر کھڑے ہو کر دعائیں و رسالت کا فریضہ ادا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان اللہ یؤید حسان بروح القدس ما یفاخر ا و ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۲۲)

۲۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو مسجد میں شعر پڑھنے سے منع کیا تو انہوں نے جواب دیا "کننت انشد فیه و فیه من هو خیر منک" (کہ میں اس مسجد میں اس وقت بھی پڑھتا تھا جبکہ اس میں آپ سے بہتر وجود ہو کر آتا تھا) پھر آپ نے حضرت ابو ہریرہ سے تائید بھی چاہی۔ انہوں نے تائید فرمائی۔ (۲۳)

۳۔ حضرت عروہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو برا کہا (واقعہ اُفک کے حوالے سے) اس پر اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا "لا تنسبہ فانہ کلان ینافح عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" (۲۴)

۳۔ صاحب معلقہ جاملی شاعر عشرہ کا شعر سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھنے کو پسند کیا فرمایا "ما وصف لی اعرابی قط فاحببت ان اراه الا عنتره" (۲۵)

۵۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اشعر کلمة تکلمت بها العرب کلمة لیبد - الأکل شیئ ما خلا اللہ باطل (۲۶)

(د) دربار رسالت سے مدح خواں شعراء کو نوازا بھی گیا تھا

۱۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنا شعر یہ قصیدہ پیش کیا اور جب یہ شعر پڑھا۔

هجوت محمداً فاجبت عنه وعند الله في ذاك الجزاء

تو فرمایا : جزاؤك على الله الجنة يا حسان

اور جب یہ شعر پڑھا۔

فان ابی و والده و عرضی لعرض محمد منكم و قاء

تو فرمایا ' وقال الله يا حسان حر النار (۲۷)

۲۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ نے جب اپنا لامیہ قصیدہ بآنت سعاد پیش کیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر اپنی چادر اوڑھادی جسے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھاری قیمت ادا کر کے خرید لیا۔ جس کو خلفاء عیدین کے موقعوں پر پہنتے رہے۔ (۲۸) اس کی قیمت الممدہ میں تیس ہزار درہم اور جس نے تیس ہزار درہم بتائی ہے (۲۹)

۳۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "یا رسول اللہ انی ارید ان امتدحك فقال له النبي صلى الله عليه وسلم قل لا یفضض الله فاک" (۳۰) (فرمایا اللہ تعالیٰ تیرے منہ سے

توڑے یعنی دانت نہ کریں۔)

۴۔ النابغة الجعدی کے اشعار پر بھی یہی دعویٰ "لا یفرض الله فاك" کہا جاتا ہے کہ وہ بہت خوبصورت دانتوں والے تھے جب کوئی دانت گرتا تو دوسرا نکل آتا۔ (۳۱)

۵۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا اللہم ارحمه حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم واجب ہو۔ (۳۲)

۶۔ ابو جریول زہیر بن حرور رضی اللہ عنہ کے اشعار پر آپ نے، ہووازن (حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کا قبیلہ) کا تمام مال واپس کر دیا۔ (۳۳)

(ز) ۱۔ مسجد نبوی کی تعمیر کے موقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رجزیہ اشعار پڑھتے تو آپ یہ شعر پڑھ کر جواب دیتے۔

اللہم لا خیر الا خیر الاخرة فاغفر الانصار والمهاجرة (۳۴)

ترجمہ: خیر سے بہتر کوئی اور اس کے کلمات میں اختلاف بھی روایات میں موجود

۲۔ ماہ بن ابراہیم رضی اللہ عنہ کے اشعار نے تو فرمایا یرحمہ اللہ (۳۵)

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کسی کے شعر کی مثال بھی دیا کرتے ہیں تو فرمایا ہیں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے شعر کو پڑھتے۔ و یا تیک بالاخبار من لم تزود (۳۶)

۳۔ جنگ حنین میں جب پاؤں اکٹھے تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خود سوار ہو کر نکلے حضرت ابوسفیان بن ہارث رضی اللہ عنہ نے ان کا ہاتھ رکھی اور آپ رجز پڑھتے ہوئے بڑھتے جاتے تھے۔ پڑھ رہے تھے۔

أنا النبی لا کذب أنا ابن عبدالمطلب (۳۷)

یہ بھی ذرا یاد لیا کہ مسجد قبا کی تعمیر کے موقع پر آپ نے شعر پڑھا اگرچہ علماء نے تصریح کی کہ "لم یبلغنا فی الاحادیث ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمثل بیت شعر تام غیر تام هذه الانبات" شعر یہ ہیں۔

هذا الحمال لا حمال خبیر هذا ابر ربنا واطهر

پھر پڑھا۔

اللہم ان الاجر اجر الاخرة فارحم الانصار والمهاجرة (۳۸)

(ح) ۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے "الشعر میزان القوم" یعنی شعر کسی قوم کی شان و کھنڈ کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ (۳۹)

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ شعر کی تعلیم کا حکم دانا

یدل علی معالی الاخلاق و صواب الرأی و معرفة الانساب" (۴۰)

۳۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بہت کثرت سے شعر روایت کرتی تھیں۔ حضرت لیلیہ کے ۷۰۰ شعر روایت کیا کرتیں۔ (۴۱)

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی "علموا اولادکم الشعر تعذب السننہم" (۴۲)

۵۔ حضرت قاطرہ رضی اللہ عنہا شعر کہتی تھیں بہت شعر روایت ہوئے ہیں۔ (۴۳)

۶۔ کہا جاتا ہے کہ، عبدالمطلب میں سے کوئی مرد یا عورت ایسی نہ تھی جو شعر نہ کہتی ہو سوائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ (۴۵)

۷۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جب تفسیر و حدیث کے درس سے فارغ ہوتے تو خوشگوار گفتگو کا ارشاد فرماتے تاکہ آتماہٹ پیدا نہ ہو۔ (۴۶)

۸۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو انصار کا کوئی ایسا گھر نہ تھا جو شعر نہ کہتا ہو۔ پوچھا گیا "وانت ابا حمزة قال وانا" (۴۷)

۹۔ حضرت ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے شعر پڑھا تو کسی ہم مجلس نے کہا آپ بھی شعر پڑھتے ہیں۔ (گویا یہ اچھا کام نہیں) فرمایا ارے ناکارہ "هل الشعر الا کلام لا یخالف سائر الکلام الا فی القوافی

فحسنه حسن و قبیحه قبیح" (۴۸)

۱۰۔ حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ سے کہا گیا کہ عراق میں کچھ لوگ شعر کو ناپسند کرتے ہیں فرمایا عجی راہ پر چلے ہیں۔ (۴۹)

روایات کا جائزہ

یہ روایت شعر کی عظمت و حیثیت کے آٹھ مختلف حوالوں پر مشتمل ہیں۔ ان کے مندرجات کا جائزہ ان سے مترشح ہونے والے مفہوم تک رسائی کا ذریعہ ہوں گے مثلاً

جزء "الف" میں شعر کی عمومی حالت کو واضح کیا گیا کہ شعر فی حقہ کن لوصاف کا حامل ہوتا ہے۔

ان من الشعر حکمة یا حکماً کے الفاظ اپنے نسبتاً تر معانی میں بھی شعر میں حکمت کی موجودگی کے امکان کا اظہار ہیں۔ من تبییض کے لئے ہو تو بعض شعروں کا حکمت سے پر ہونا ثابت ہو اور اگر یہ تبیین کے لئے ہے تو ہر شعر کا پر از حکمت ہونے پر دلیل ہوا۔ کم سے کم تر توجیہ کی ہو سکتی ہے کہ ہر شعر نہ کسی بعض شعر

یقیناً حکمت خیر ہوتے ہیں اس مفہوم کے مطابق شعر کی وسیع تر کائنات میں بعض اشعار کا قابل اخذ اور لائق التفات ہونا واضح ہوا۔ اگر وہ حدیث بھی پیش نظر رہے جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں الکلمة الحکمة ضالة المومن حیث ما وحدها فهو احق بها (۵۰) یعنی کلمہ حکمت تو مومن کی متاع گم گشتہ ہے جہاں سے بھی اسے ملے وہ اس کا بہتر حق دار ہے۔ ان احادیث سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ کلمہ حکمت مومن کی متاع گم شدہ ہے اور بعض شعر کلمہ حکمت ہوتے ہیں۔ اس لئے بعض شعر بھی مومن کی متاع گم گشتہ ہیں۔ ان سے شعر کا ایک حصہ مومن کا مطلوب ٹھہرا۔ عربوں کے ہاں شعر سحر آفریں ہوتا، عظیم وہ شاعر ہے جو لفظوں کا جادو جگائے اور حرفوں سے سحر بھر دے اس لئے ان کی شاعری ساحری تھی حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شعر کی اس کیفیت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ صاحب مرآۃ الشعر کا کہنا ہے:

”یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ شعر اسی حد تک شعر ہے کہ شعور کا رنگ و اثر غالب رہے۔ اپنی اصل و حقیقت سے دور نہ ہو، یہی راز حدیث نبویؐ میں آیا ہے۔ ان من البیان لحسرا و ان من الشعر لحکمة یعنی بیان اصل میں حکمت و موعظت ہے لیکن کبھی کبھی حدود شعر میں داخل ہو جاتا ہے اور سحر بن جاتا ہے اور کبھی کوئی شعر حدود خطامت میں آجاتا ہے اور سحر سے حکمت بن جاتا ہے کیونکہ خطامت کا ہمتائے کمال یہ ہے کہ حکمت ہو اور تاثیر میں جادو بن جائے، سننے والا سنے اور مسکور ہو جائے اور انتہائے کمال شعر کا یہ ہوتا ہے کہ شعر اگرچہ فی حد ذاته شعور و جذبات کا نتیجہ اور جادو ہے لیکن اس سحر و ساحری کے باوجود دانش و حکمت کے ذرہ بلند تک پہنچے۔ اہل نظر جانتے ہیں کہ یہ کلام انسانی کے درجہ کمال کا وہ بلند ترین نقطہ ہے جو ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا اور جن کو نصیب ہوتا ہے ہر وقت نہیں ہوتا اسی لئے بعض ازمیان اور بعض از اشعار کے بارے میں ارشاد ہوا جو کچھ ارشاد ہوا“ (۵۱)

ان روایت سے شعر کہنے یا سننے کی تحریک ہوتی ہے کہ یہ کلام کا ہمتا ہے اور تاثیر کی بے پناہ قوت رکھتا ہے۔ جزد ”ب“ کی روایات میں شعر کو کلام کا ایک ایسا رخ قرار دیا گیا جو اپنے مفہیم کی مناسبت سے حسین بھی ہو سکتا ہے اور قبیح بھی۔ کلام ہونے کی حد تک کسی حکم کا مصداق نہیں۔ شعر اظہار کا تند و تیز ذریعہ ہے۔ اسلام نے اسے بہتر مقاصد کے لئے مباح بلکہ بعض اوقات ضروری قرار دیا، حسن کلام محبوب ٹھہرا، کلام حق نما ہو کہ کلام کا حسن و قبح سانچوں سے زیادہ مضامین کی نسبت سے متعین ہوتا ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمہ (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں ”الکلام المفہوم غیر حرام و الصوت الطیب الموزون غیر حرام فاذا لم یحرم الاحاد فمن این یحرم المجموع“ (۵۲) (کلام مفہوم حرام نہیں اچھی اور موزون آواز حرام نہیں جب یہ فردا فردا حرام نہیں تو مجموعہ کی حرمت کہاں سے آئی گی۔)

جزد ”ج“ اور جزد ”د“ میں شامل روایات سے شعر کی دفاعی حیثیت اور ضرورت کا احساس ہوتا ہے۔ حق و باطل کی آویزش میں ہر جائز اور ضروری حربہ استعمال کرنا ہوتا ہے تاکہ حق آشکار ہو اور باطل سرنگوں رہے۔ قتال بھی ایک ناگزیر ضرورت ہے اور جہاد باللسان بھی ہر ایک کا اپنا مقام ہے لیکن بعض اوقات الفاظ کی کاٹ شمشیر سے کئی گنا شدید ہوتی ہے۔ لفظوں کے تیر زہر آلود لوہے کے تیروں اور بھالوں سے زیادہ کاری ہوتے ہیں۔ اھجہم ان کی جھونکھو یا اُجب من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جواب دو، کے احکام دفاعی شاعری کو ایک فریضہ بنا رہے ہیں مگر اس رد عمل میں توازن کو ملحوظ رکھا گیا کہ تجاوز عن الحد نہ ہونے پائے۔ امیہ بن الصلت کے حکمت آمیز شعروں کو سامت فرما کر اور حینہ یعنی مزید کہو کا ارشاد فرما کر ایک طریق کار متعین کر دیا کہ حکیمانہ اشعار اور ناصحانہ ابیات کی خواہش پر کھنا سنت پیغمبر علیہ السلام ہے۔ شعر گوئی محمودی تھی اس لئے کبھی شاعر کی خواہش پر جیسے حضرت ضرار بن الاذور کی خواہش پر سامت قبول کر لی تو کبھی خود تھا صاف فرما کر شعر گوئی کی تریب دی جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو ارشاد فرمایا۔

جزد ”ه“ میں شعر کی دربار رسالت میں پذیرائی کا بیان ہے۔ شعر خوانی فعل عبث ہوتا تو دربار رسالت میں راہ کیسے پاتا اور مسجد میں اس کی اجازت کیوں دی جاتی۔ منبع رشد و ہدایت مسجد میں کسی فعل کا انجام پانا اور وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں فعل کی حلت کا ثبوت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مسجد نبویؐ میں شعر خوانی، شعر کو حلت اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی شعر کو تقدس عطا کرتے ہیں۔ پھر یہی نہیں بلکہ سامت شعر کا یہ اہتمام کہ منبر چھلایا جاتا پڑھنے والے کو روح القدس کی تائید حاصل ہونے کی نوید سنائی جاتی، حضرت حسان رضی اللہ عنہ بھارتوں سے نوازے جاتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جواب میں ان کا پورا اعتماد لوجہ اپنے عمل کی صداقت پر اصرار، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تائید، شعر خوانی کے خلاف تمام شکوک و شبہات کو دور کرتے ہیں۔ جاہلی شاعر عترة کو دیکھنے کی خواہش کا اظہار معنون شعر کی عظمت کا اعتراف ہی تو ہے۔ حضرت ابیدر رضی اللہ عنہ کے مصرعہ پر پسندیدگی، شعر کے بارے میں نبوی روایت کی شہادت ہے۔

جزد ”و“ کی روایات اس ہمدردانہ رویہ کی خبر دیتی ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شعراء کے ساتھ اپنایا تھا، ترغیب کے ساتھ ہر محل تحسین۔ شعر کی اثر آفرینی کا حوالہ ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو جنت کی بھارت، دوزخ سے محفوظ رہنے کی نوید اس طرز عمل کے شواہد ہیں۔ حضرت کعب بن زہیر کا قصیدہ جاں بخشی کا ذریعہ بھی بنا اور قبولیت کا معیار بھی ٹھہرا۔ نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

”صارت هذه القصيدة احسن الوسائل الى الشفاعة و اوثق الذرائع الى الاغماض عن وفازت بحسن القبول من جنابه و

حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت النبیؐ الجعدی رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کہ لا یفضض اللہ فاک کا یہ اثر کہ ان کے دانت موتیوں کی طرح تا عمر درخشاں رہے۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے لئے رحم کی دعا اور ابو جردل رضی اللہ عنہ کے استمداد یہ لہجے پر عام معافی۔ دربار رسالت میں شعر گوئی کے رواج کی خبر دیتے ہیں۔

جزء ”ز“ کی روایات ان پسندیدہ اشعار کی خبر دیتی ہیں جنہیں دربار رسالت میں بار آمد ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ یہ باریابی شعر کی قبولیت اور ان میں متضمن خیالات کے بارے میں اسلامی مزاج کی نشاندہی کرتے ہیں۔ حضرت لیدر رضی اللہ عنہ کے شعر پر اصدق کلعة کا تبصرہ مضامین شعر کی حدود اور قدر و قیمت کا معیار ہے۔ جنگ میں رجز، تعمیر مسجد کے محنت طلب مرحلہ پر شعر کی حلاوت، شعر کے مواقع کی نشاندہی ہے کہ ذوق شعر بھی برقرار رہا۔ دعا کا مقصد بھی حاصل ہوا اور اطمینان و سکون کی کیفیت بھی طاری رہی۔ ان النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب کے نعرہ حق نے شکست کو فتح میں بدلایا نبان نبوت سے ادا ہونے والے بلا ذن اور ہم قافیہ کلمات نوید جانفزائت ہوئے اور شعر کا حسن ہو یہ اہوا۔

آخری جزء ”ج“ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آراء پر مشتمل ایک مختصر فہرست ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اسوہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع میں ان مدگزیہ اصحاب کے ہاں شعر کی قدر و قیمت کیا ہے۔ شعر کو میزان القوم قرار دینا شعر کا وہ شرف ہے کہ نثر اپنی تمام تر نعمتوں کے باوجود حاصل نہ کر سکی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ترغیب شعر کے لئے فرمان، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تعلیم شعر پر زور اور کثرت سے روایت، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شعر کہنا، خاندان بنی عبدالمطلب اور انصار مدینہ کے افراد کا شعر سے شغف، لیکن سیرین کا شعر کی عظمت پر گواہی دینا اور حضرت سعید بن المسیب کا ترک شعر کو بھی رویہ قرار دینا۔ شعر کی مقبولیت، ضرورت اور عظمت کے تین شواہد ہیں۔

یہ روایت شعر کے بارے میں اسلامی تعلیمات کے رویے کو واضح کرتی ہے۔ شعر کے جیادی اوصاف کا اعتراف، شعر میں حکمت آمیزی کی شہادت، عمدہ اشعار پر تحسین و ترغیب، خواہش شعر کا لحاظ، دفاعی ضرورت کے لئے شعر کی اہمیت، حسین موضوعات کے حامل اشعار پر پسندیدگی کا اظہار اور انعام اکرام کا اعلان، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اشتیاق اور آئندہ نسلوں کو شعر کی ترغیب و تحریک، یہ سب روایات شعر کی عظمت کے شواہد ہیں کیونکہ:

”شعر تو وہ کام ہے جو لفظی و معنوی حسن و جمال کی تصویر ہو ایسی تصویر جو کمال شعور سے ناشی ہو اور سننے والوں میں شعور و احساس پیدا کرے۔ خود جذبات میں ڈوبا ہوا اور وہ جذبات سے اپیل کرے۔“ (۵۳)

غیر موافق روایات

اسلامی تعلیمات میں سے شعر کی تردید کے لئے بعض آیات و روایات سے استشاد کیا جاتا ہے اور یہ تاثر قائم کرنے کے لئے کوشش کی جاتی ہے کہ قرآن مجید و احادیث نبویہ سے ایسے دلائل تلاش کیے جائیں جو شعر کی ہر نوعیت اور ہر مضمون کو معتبور قرار دیں تاکہ شعر کوئی اور شعر خوانی کو غیر اسلامی حرکت ثابت کیا جائے۔ ایسی روایات کا احصاء تو ممکن نہیں مگر ان میں سے وہ جن پر استدلال کی ممدت کھڑی کی جاتی ہے ان کا ذکر مناسب ہوگا۔ امداء ان آیات سے کی جاتی ہے جو شعر کی نفی کے لئے پلور و دلیل عموماً ذکر کی جاتی ہیں۔

(الف) قرآن مجید

۱۔ وَالشَّعْرَ أَوْ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَا أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ إِلَّا الَّذِينَ أَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَذَكَرُوا اللَّهَ كَثِيرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ (۵۵)

(اور شعراء ان کی اتباع کرتے ہیں بے راہ و دیکھا کہ وہ ہر وادی میں سرمارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو کرتے نہیں۔ سوائے ان کے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کیا اور وہ قیاب ہوئے بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا اور عقرب چالیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا کہ وہ کس کروٹا لٹتے جائیں گے۔)

۲۔ وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشَّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ ط إِنَّهُ هُوَ الْا ذَكَرُ وَقُرْآنٌ مُبِينٌ (۵۶)

(اور ہم نے آپ کو شعر نہیں سکھایا اور نہ یہ آپ کے لئے مناسب تھا یہ تو ذکر اور قرآن مبین ہے۔)

۳۔ وَمَا يَقُولُ شَاعِرًا قَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ۔ (۵۷)

اور پھر تنزیل من رب العالمین۔ (۵۸)

(اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں تم بہت کم یقین کرتے ہو)

اور پھر فرمایا (یہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔)

(ب) احادیث

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

”لأن يمتلي جوف الرجل قبيحاً حتى يريه خبير له من ان يمتلي شعراً“ (۵۹)

۲۔ یہ حدیث معمولی اختلاف سے صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما

سے بھی روایت ہوئی ہے۔ (۶۰)

۳۔ سنن ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہر دو صحابہ سے مروی ہے۔ (۶۱)

۴۔ جامع الترمذی میں بھی روایت صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔ (۶۲)

۵۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ

نے فرمایا ان یمتلی جوف احدکم قیحا خیر لہ من ان یمتلی شعراً (۶۳)

۶۔ جامع الترمذی میں یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (۶۴)

۷۔ مگر سنن ابی داؤد میں یہ حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ (۶۵)

۸۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان

یمتلی احدکم قیحا حتی یرہ خیر لہ من ان یمتلی شعراً ہجیت بہ (۶۶)

۹۔ یہی روایت حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے۔ (۶۷)

۱۰۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان یمتلی جوف

احدکم قیحا و دما خیر لہ من ان یمتلی شعراً قالت عائشہ رضی اللہ عنہا لم یحفظ

الحديث لما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یمتلی جوف احدکم قیحا و دما

خیر لہ من ان یمتلی شعراً ہجیت بہ (۶۸)

۱۱۔ حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

ساتھ چل رہے تھے کہ عروج کے مقام پر ایک شاعر کا سامنا ہوا جو شعر پڑھ رہا تھا اس پر حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا ”خذذا الشیطان او امسکوا الشیطان لان یمتلی جوف رجل قیحا خیر

لہ من ان یمتلی شعراً“ (۶۹)

آیات قرآنیہ کے بارے میں چند توضیحی گزارشات

قرآن مجید کی وہ آیات جن پر انکار شعر کی ساری عمارت استوار کی جاتی ہے شعر کی مذمت میں

وارد نہیں ہوئیں بلکہ اس کی تہذیب اور اس قوت اظہار کی روشن روش کے اظہار کے لئے ہیں۔ ذوق شعری

انسان کی قوت گویائی کا حسین تر پر تو ہے اور اسلام دین فطرت ہونے کے ناطے اس سے صرف نظر نہیں

کر تا اس لئے اسلامی تعلیمات نے کہیں بھی شعر کو حیثیت شعر قابل نفرت نہیں گردانا ہاں اس پیکر جمیل کے

لئے حسین مضامین کے انتخاب پر زور ضرور دیا ہے۔ قرآن مجید کے احکام میں یہی نقطہ ملحوظ رہنا چاہئے۔

۱۔ ”والشعراء یتبعہم الغاؤون“ بظاہر شعراء کے لئے ایک تہذیب ہے۔ اس تہذیب کی نوعیت اور حدود کیا

ہیں یہ جاننے کے لئے چند مشہور تقابیر کا حوالہ ایضاً مطلب کے لئے کفایت کرے گا۔

(الف) امام فخر الدین الرازی (م ۶۰۶ھ) آیات مذکورہ کی شرح میں فرماتے ہیں

”فقد ظهر بهذا الذي يتناه ان حال محمد صلى الله عليه وسلم ما كان

يشبه حال الشعراء. ثم ان الله تعالى لما وصف الشعراء بهذه الاوصاف

الذميمة بيانا لهذا الفرق استثنى عنهم الموصومين بامور اربعة

(احدها) الايمان و هو قوله تعالى اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (وثانيها) العمل

الصالح وهو قوله: و عملوا الصّٰلِحٰتِ (وثالثها) ان يكون شعرهم في

التوحيد والنبوة ودعوة الحق الى الحق و هو قوله: و ذكروا الله كثيرا

(ورابعها) ان لا يذكروا هجو احد الاعلى سبيل الانتصار ممن يهجو

هم و هو قوله: وانتصروا من بعد ما ظلموا“ (۷۰)

(ب) قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں:

”قال اكثر المفسرين اراد به شعراء الكفار الذين يهجون رسول الله صلى الله

عليه وسلم“ پھر ان شعراء کے نام لکھے اور کہا ”فتكلموا بالكذب والباطل و قالوا نحن نقول

مثل ما يقول محمد“ (۷۱) پھر چند احادیث سے استشہاد کیا اور آخر یہ کہا: ثبت من هذه

الاحاديث ان الشعر لا باس به ما اجتنب الكذب واشباهه من المحرمات ”مزید فرمایا“ الشعر

طاعة ان كان فيه ذكر الله او علما من علوم الدين او نصحا و عظما للمسلمين“ (۷۲)

قاضی صاحب کا نقطہ نظر ہے کہ ان آیات سے کافر شاعر مراد ہیں جو اپنے اشعار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کی تلاوت کی گئی آیات کے مشابہ سمجھتے تھے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ اگر شعر میں کذب و اختراء اور

دیگر محرمات نہیں تو وہ مباح ہے بلکہ اگر شعر میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے، علوم دین کی وضاحت ہے یا مسلمانوں

کے لئے نصیحت و خیر خواہی ہے تو وہ شعر سر لیا اطاعت شعاری ہے۔

(ج) علامہ البیضاوی (م ۷۹۱ھ) اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَّهَيِّمُونَ کی وضاحت میں رقمطراز ہیں

”لأن اكثر مقدماتهم خيالات لاحقيقة لها واغلب كلماتهم النسيب بالحرم والغزل

والابتهار و تمزيق الاعراض و القدح فى الانساب والوعد الكاذب والافتخار الباطل و

مدح من لا يستحقه والاطراء فيه“ (۷۳) باطل خیالات صاحب حرمت خواتین سے تشبہ ’غزل‘

ابتدال ’عزتوں پر حملہ‘ انساب میں الزام ’جھوٹے وعدے‘ بے جا افتخار اور ایسے کی مدح جو مدح کا حق دار نہیں

اور اس میں مبالغہ آرائی یہ وہ خیالات فاسدہ ہیں جن کی بناء پر انہیں ہر وادی کا آوارہ خرام کہا گیا ہے۔

تشریحات مذکورہ سے واضح ہوا کہ آیات کا ہدف شعر نہیں مضمون شعر ہے۔ اسلام حسن ظاہر

کو ناپسند نہیں کرتا مگر وہ داخلی حسن کا زیادہ متلاشی ہے کہ مقصود جو ہر ذات ہے جس پر خارج کا بول مرتب

ہوا ہے اگر شعر فی فہم قابل مذمت ہو تا تو **إِلَّا الَّذِينَ** کے بعد کی آیات نہ آئیں۔ **إِلَّا** کے استثناء نے مضامین شعر کی نسبت سے شعر کو محمود اور غیر محمود میں تقسیم کر دیا ہے۔ اس لئے عمدہ خیالات اور بہتر تراکیب کا حامل شعر مرغوب ٹھہرا اور ایسے ہی شعر دربار رسالت میں باریاب ہوئے۔ علامہ ابن رشیق نے فیعلہ کن رائے دیتے ہوئے لکھا کہ ان آیات سے شعر کے خلاف حجت پکڑنا مناسب اور باطل تاویل ہے کہ **لَا الْمَقْصُودِينَ بِهَذَا النَّصِّ شِعْرَاءَ الْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ تَنَالُوا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَجَاءِ وَمَسُوءَ بِالِأَذَى فَمَا مِنْ سِوَاهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فَغَيْرِ دَاخِلٍ فِي شَيْءٍ مِنْ ذَلِكَ لِاتِّسَاعِ كَيْفِ اسْتِثْنَائِهِمْ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ (۷۳)** کہ ان آیات سے مشرکین شعراء مراد ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوٹ لکھتے اور دکھ دیتے مگر جو ان کے علاوہ مومن شعراء ہیں وہ اس تہدید میں شامل نہیں کہ دیکھئے کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کا استثناء کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی اس استثناء کا ذکر کیا ہے۔ (۷۵)

روایت ہے کہ جب ان آیات کی پہلی تین آیات نازل ہوئیں تو حضرت حسان اور حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما اشکبار ہوئے دربار رسالت میں حاضر ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے **إِلَّا الَّذِينَ** کی استثنائی آیت پڑھی (۷۶) تو انہیں تسلی ہوئی۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے جب ان آیات کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: **ان المؤمن يجاهد بسيفه ولسانه (۷۷)** الغرض ان ارشادات ربانی سے ان خیالات کی نفی کی گئی جن سے بدی فروغ پاتی ہے، کردار مجرد ہوتا ہے اور صالح جذبات کو نہیں لگتی ہے۔ دور از کار دعویٰ ہے سرپا دکھایا، غیر حقیقی روایات اور بد نما استعارات و تشبیہات اسلام کی پاکیزہ تعلیمات سے کوئی نسبت نہیں رکھتے اور جب ان کو شعر کے لبادے میں مزین کر دیا جائے تو فساد نظری اور زلیغ قلبی کے اندیشے بڑھ جاتے ہیں اس لئے ان سے اجتناب پر زور دیا گیا لیکن حسین خیالات، پورے جذبات اور صالح نظریات کو شعر کا پیرہن عطا کر دیا جائے تو ان کا حسن و دبلا ہو جاتا ہے اور معاشرے پر نیکی کے اثرات فزوں تر ہو جاتے ہیں۔

۲۔ ”وما علمناه الشعر وما ينبغي له“

اس آیت ربانی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شعر کی تعلیم کی نفی ہوئی اور یہ بھی واضح ہوا کہ شعر کتنا آپ کی ذات و صفات سے مناسبت نہیں رکھتا۔ آپ کی ذات گرامی کی شعر سے برأت سے بعض اوقات یہ مراد لی جاتی ہے کہ شعر قابل نفرت چیز ہے اس لئے تو ذات رسالت کو اس سے منزہ رکھا گیا۔ آیت کے کلمات کی ترتیب اور سیاق کام پیش نظر رکھئے تو شعر کے بارے میں اس تحدی کا کوئی مقام نہیں بتا۔ مفسرین کرام نے اپنے اپنے ذوق اور معلومات کے مطابق اس کی تفسیر کی ہے۔ چند ایک تفسیر کی

تفسیری وضاحتیں تفہیم مقصود کے لئے مفید ہوں گی۔

نزدل قرآن مجید کے دور میں عرب اپنی زبان کی ساخت پر داخست میں اس قدر محنت کر چکے تھے کہ انہیں اپنی زبان پر ناز سا ہو چلا تھا۔ زبان آوری اور فصاحت لسانی کا وہ اپنے آپ کو حق دار سمجھتے تھے۔ باقی دنیا ان کی نظر میں ڈولیدہ بیانی کا شکار تھی۔ ایسے میں قرآن مجید کی معجز نما عبارت نے انہیں متوجہ کیا، فصاحت، بلاغت پر غرور کی حد تک بھر دے کرنے والے قرآن حکیم کے مبلغ اسلوب کے سامنے بے زبان ٹھٹھ رہے تھے۔ وہ حیران تھے کہ اس کتاب مقدس کی تاثیر شعری قوت سے بہت بڑھ کر ہے۔ ان کے ہاں تو کام کی قوت کا انتہائی درجہ شعر ہی تھا، قرآن مجید ان کے مردّہ شعری سانچوں میں فٹ نہ ٹھٹھتا تھا مگر اپنی اثر آفرینی میں شعر کو کہیں پیچھے چھوڑ گیا تھا، ایسے بد حواسی کے عالم میں وہ قرآن مجید کی پُر تاثیر عبارت کو شعر کے سوا کہ بھی کیا سکتے تھے انسان اپنے دائرہ معلومات کے اندر ہی سوچتا ہے، عربوں کے ہاں کسی کلام کا نقطہ عروج شعر تھا اس لئے وہ قرآن مجید کو شعر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہہ کر اپنے طور پر ان کو مناسب مقام دے رہے تھے مگر خالق کلام اور علمیم و خیر پروردگار کا تعلیم یافتہ نبی ان کے اندازوں سے بہت بڑھ کر تھا، شاعر کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور شعر کہہ کر قرآن مجید کا مرتبہ گھٹانا تھا (اگرچہ وہ شاید ارادوی طور پر ایسا نہ کر رہے تھے) پھر جاہلی دور کے اثرات شعر کو دراشت میں ملے تھے۔ عرب ان اثرات کے حوالے سے ہی شعر کا مرتبہ متعین کرتے تھے ایسے میں قرآن مجید کو شعر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنا ان خصوصیات اور حدود کا پابند کرنا تھا جو شعر کے وجود کا حصہ بن چکے تھے اس لئے ضرورت تھی کہ ایسی سوچ کی نفی کر دی جائے تاکہ ماحول کے بد اثرات آنے والوں کو بھی انہیں کے حوالے سے سوچنے پر مجبور نہ کر دیں۔ اس سیاق میں قرآنی ارشاد کی تفسیر میں کئے گئے الفاظ کا جائزہ حقیقت حال کی وضاحت کا سبب بنے گا۔

علامہ الرازی نے اس بحث میں یہ نکتہ اٹھایا کہ آخر شعری ہی نفی کیوں کی گئی حالانکہ مشرکین تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر اور کاہن (نعوذ باللہ) بھی تو کہتے تھے اور یہ صریحاً جسارت تھی، بے ادبی تھی مگر کیوں نہ فرمایا ”ما علمناه السحر“ امام موصوف کے نزدیک قرآن ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ تھا اس لئے ایسے معجزے کو روایات کے غبار میں گرد آلود کر دینا دین اسلام کی دائمی حیثیت پر ضرب لگانا تھا۔ ہجرات کے وقتی اثرات ظاہر بین نظروں کو ساحر نظر آئے تو فریب نظر ضرور ہے مگر یہ دائمی فساد کا باعث نہ تھا اس لئے تو اس کی تردید میں وہ شدت نہ تھی جو شعر کی نفی میں استعمال ہوئی کہ یہ دائمی اور لبدی خطرے کا الارم تھا، فرماتے ہیں:

”اما الشعر فكانوا ينسبونه اليه عندما كان يتقلا لقرآن عليهم
لكنه صلى الله عليه وسلم ما كان يتحدى الا بالقرآن كما قال

تعالیٰ: وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورة من مثله الی غیر ذلك ولم یقل ان کنتم من شک من رسالتی فانطقوا بالجدوع واشبعوا الخلق العظیم او اخبروا الغیوب فلما کان تحد حه صلی اللہ علیہ وسلم بالکلام وکانوا ینسبونہ الی الشعر عند الکلام خص الشعر بنفی التعلیم“ (۷۸)

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چیلنج ہی یہ تھا کہ اگر تم اس نازل ہونے والی کتاب پر شک کرتے ہو تو اس کی مثل ایک سورت لاؤ۔ یہ تو نہ کہا تھا کہ اگر تم کو میری رسالت پر شک ہے تو درخت کے تنوں کو گویائی دو بہت زیادہ مخلوق کو کھانا کھلا کر سیر کرو یا غیب کی خبریں بتاؤ۔ اس لئے کہ چیلنج کلام کا تھا اور وہ اس کلام کو شعر کہتے تھے اس لئے اس کی تعلیم کی نفی کی گئی۔)

بعض مفسرین نے اس نفی تعلیم شعر سے یہ استنباط کیا کہ شعر جاہلی دور میں خواہشات نفسانی اور خیالات باطلہ کا موثر ترین ذریعہ تھا اور شعر بدی کے فروغ میں اہم کردار انجام دے رہا تھا اس لئے ذات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ وصف مناسب نہ تھا چنانچہ فصیح العرب ہوتے ہوئے بھی آپ شعر گو نہ تھے۔ علامہ البیضاوی کا ارشاد ہے ”وما یصح له الشعر ولا یتاتی له ان اراد قرضه“ (۷۹) (کہ آپ کے لئے شعر مناسب نہ تھا اور اگر آپ ارادہ شعر بھی کرتے تو نہ بتا) اس نفی کے نتیجہ میں یہ جہان پیدا ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دو قنوف قنوج شعر نما جملے ادا ہوتے رہے ان کی حیثیت کیا ہے؟ اس کے جواب دو طرح دیئے گئے۔ ایک یہ کہ ایسا ہونا امر اتفاقی تھا اور اتفاقیہ طور پر ادا ہونے والے جملے جن میں شعر گوئی کا کوئی قصد نہ ہو شعر نہیں کہلاتے اور نہ ایسا قائل شاعر کہلاتا ہے۔ اہل زبان اور وہ بھی فصیح اللسان کی عمومی گفتگو میں وزن در آئے تو تعجب کی بات نہیں، قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں: فانفاقی من غیر تکلف و تصنیع وقعت بغیر قصد منہ الی ذلك و مثله لا یعد شاعراً (۸۰) ایسے خیال کا اظہار علامہ کشاف نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ (۸۱)

دوسرے یہ کہ بعض علماء عروض و ادب نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہونے والے موزوں جملوں کو عروضی ضابطوں کے سارے صرف شعر سے نکال دیا ہے تاکہ ایسی عبارات شعر کی حد میں داخل ہی نہ ہوں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر شاعر ہونے کا اتمام نہ لگایا جاسکے چنانچہ آپ سے ادا ہونے والے جملوں مثلاً انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب یا هل انت الا اصبح دمیث۔ وفی سبیل اللہ مالقیث کے بارے میں کہا گیا کہ آپ نے کذب المطلب میں ہر دو باء کو حرکت دی۔ دمیث کی تاء کو بلا اشباع کسرہ دیا اور لقیث کی تاء کو ساکن کیا اس طرح یہ شعر کے ضابطوں سے خارج رہے۔ اگرچہ علامہ ابن جریر العسقلانی (م ۸۵۲ھ) نے اس خیال سے اتفاق نہیں کیا فرماتے کہ اس

نظیر کے باوجود ”فانه یصیر من ضرب آخر من الشعر وهو من ضروب الحیر المقلب بالکامل فی الغائی زحاف جائز“ (۸۲) اس سے یہ صحت انہری کہ کیا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم شعر ادا فرمانے کی صلاحیت سے سزین تھے؟ امام الزمخشری کا خیال ہے ”لم یقات ولم یتسهل“ (۸۳) (کہ سہولت حاصل نہ تھی۔) دلیل کے طور پر انہوں نے امام عروض خلیل بن احمد کا قول بھی نقل کیا ہے۔ ”خلیل بن احمد (م ۷۰-۷۵ھ) کے حوالے سے یہ بھی کہا گیا کہ ”انا النبی لا کذب۔ انا ابن عبدالمطلب“ عربی عروض میں بحر رجز کا شعر بتا ہے حالانکہ رجز کہنے والا رجز ہے شاعر نہیں۔ (۸۴)

یہ سوال بھی توجہ کا مستحق رہا کہ کیا زبان رسالت سے موزوں مصرعے کا ادا ہونا ممکن تھا یا نہیں۔ اس سلسلے میں دو آراء موجود ہیں۔ نفی شعر پر شدت کے قائل اصحاب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ایک موزوں مصرعہ کی بھی تردید کرتے ہیں اور جتنا کہتے ہیں کہ شعر کسی صورت میں آپ سے ادا نہ ہوا۔ اس ضمن میں ابن سعد نے طبقات میں دو واقعات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت حسن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شعر ادا فرماتے ”کفی بالاسلام والشیب للمرء ناھیا“ اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ انما قال الشاعر: کفی الشیب والاسلام المرء ناھیا“ مگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفی الاسلام والشیب للمرء ناھیا ہی کہا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے ”اشھد انک رسول اللہ ما علمک الشعر وما ینبغی له“ (۸۵) دوسری روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے العباس بن مرداس کا شعر پڑھا ”اصبح نہبی و نہب العبید بین الاقرع و عبینة“ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا شاعر نے یوں نہیں کہا۔ فرمایا کیسے کہا تو حضرت ابو بکر صدیق نے پڑھا ”اصبح نہبی و نہب العبید بین عبینة و الاقرع“ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”سواء ما یضربک برات بالاقرع او عبینة۔ فقال ابو بکر رضی اللہ عنہ بابی انت ما انت بشاعر ولا راویة ولا ینبغی لک“ (۸۶)

ان روایات سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ آپ ﷺ نے جو شعر پڑھے تھے اس لئے شعر بھی درست نہ پڑھتے تھے حالانکہ شاعر نہ ہونے سے یہ کبھی ثابت نہیں ہو تا کہ جو شاعر نہ ہو وہ شعر بھی درست نہ پڑھے۔ شعر درست نہ پڑھنا ایک عیب ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے منزہ تھے اس لئے کہ شعر پڑھنے کی صلاحیت کی نفی صحیح العرب ہونے کی بھی نفی ہو گی۔ شعر کے کلمات میں رد و بدل شعر پڑھنے کی صلاحیت کی نفی پر ہی نہیں ناپسندیدگی کلام پر بھی دلیل ہو سکتی ہے۔ کفی الشیب والاسلام للمرء ناھیا میں الشیب اور الاسلام کی ترتیب بدل کر آپ نے اول کو اولت عطا کی ہے کہ منصب رسالت اور داعی اسلام ہونے کا یہی تقاضا تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے الفاظ بھی شاعر ہونے یا راوی شعر ہونے کی نفی پر محمول ہیں۔ صلاحیت شعر خوانی کی تردید نہیں۔ اس کی دلیل وہ روایات ہیں جن میں آپ کا پورے شعر یا کم از

کم ایک مصرعہ کا ادا فرمانا ثابت ہے اور یہ کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ شعر کے مصرعہ کو ادا فرمایا بلکہ اس پر تبصرہ بھی فرمایا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے اشعار سماعت فرمانا اور بر محل دعائیہ جملوں سے نوازنا حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے اشعار کو اسرع فیہم من نضج النبل کی قوت کا حامل قرار دینا۔ امیر بن الصلت کے اشعار کا تقاضا کرنا معتبرہ کے شعر پر شاعر کو ملنے کی خواہش کا اظہار کرنا۔ حضرت لبید رضی اللہ عنہ کے مصرعہ کو اشعر کلمة تکلمت بہا العرب کہہ کر سرفراز فرمانا۔ یہ دلیل ہے کہ

آپ عربوں کے کلام سے آشنا تھے اس لئے تو بہتر قرار دینے کا اعلان کر رہے ہیں۔ حضرت عباسؓ النابتہ الجعدی ابو جردل عامر بن الاکوع کے اشعار پر داد حسین شعر فہمی کے مظاہر ہیں۔ حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کے مدیہ شعر میں سے سیوف الہند کو سیوف اللہ سے بدلنا اور قصیدہ کی قدر و قیمت میں اضافہ فرمانا یہ تبدیلی ذوق ادبی اور شعر فہمی کی عمدہ ترین مثال ہے اور کلمات تبدیل کر بھی وزن شعر پر قرار رکھنا ذوق شعر کے پناہ صلاحیت کی دلیل نہیں تو کیا ہے۔ علامہ محمود الاوسی نے تفسیر روح المعانی میں اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور فصاحت کلام میں آپ کے مقام رفیع کا ذکر کیا ہے۔ فصاحت و بلاغت کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کی بناء پر ایسی قوت کا موجود ہونا قرین قیاس ہے مگر ایسا جو نہ ہو۔ اس کے اسباب پر بھی علامہ الاوسی نے تبصرہ کیا ہے فرماتے ہیں

”انما لم يعط طبيعة شعرية اعتنا لشبانه ورفعا لقدره — انما لم يعط القدرة على الشعر مع حفظه عن انشائه لان ذلك سلب القدرة عليه في الابعاد عما يخل بمنصبه الجليل“ (۸۷)

شعر گوئی سے اجتناب یہ دلیل نہیں کہ آپ کسی شعر کو درست ادا کرنے کی قدرت ہی نہ رکھتے تھے یا کسی شعر کا پڑھنا آپ کے منصب جلیل کی نفی تھا۔ علامہ الاوسی کا کہنا ہے کہ ”ليس في الامية ما يدل على ان النبي صلى الله عليه وسلم لا ينبغي له التكلم بشعر قاله بعض الشعراء. والتمثل به“ (۸۸) نواب صدیق حسن خان (م ۱۳۰۷ھ) کی رائے ہے کہ ”ان في قوله تعالٰی وما ينبغي له اشعاراً بان النبي صلى الله عليه وسلم كان قادراً على الشعر ولم يقله بنا، على انه ما كان ينبغي له فانه سبحانه نفى الابتغاء دون القدرة عليه“ (۸۹) ما ينبغي له میں تو قدرت شعر کا اشارہ موجود ہے اور نفی مناسب ہونے کی ہے قدرت کی تو نہیں کہ قادر ہو کر بھی شعر نہ کہہ۔ اسی قسم کی بات علامہ السطالی (م ۱۹۲۳ھ) نے بعض علماء کے حوالے سے کسی تہی کہ ”انه عليه الصلوة والسلام كان له قدرة على الشعر الا انه يحرم عليه ان يشعر“ (۹۰)

قرآن مجید کی متعلقہ آیات پر سیاق کلام کے حوالے سے غور کیا جائے تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے اس وصف کی نفی مترشح نہیں ہوتی بلکہ یہ گفتگو قرآن کی تزیلی حیثیت کے اثبات

کے لئے ہے۔ قرآن مجید کی پُر شکوہ عبارت اور پُر تاثیر انداز کلام نے عربوں کو درپردہ حیرت میں ڈال دیا تھا وہ اپنی حیثیت اور ذوق کی بناء پر اسے شعر کا سلب اس سے بلاہ کر اثر آفرین پاتے تھے اور اپنی دانست کے مطابق اسے شعر کہہ کر حامل قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہتے تھے اور یہ ان کی سوچ کی اختتامی اور انسان اپنی محدود سوچ سے باہر جا بھی کیسے سکتا ہے۔ الہامی کلام کو شعر کی صف میں کھڑا کر دینا ان کے خیال کی آخری حد بھی مگر کیا اس کام ربانی کو ان کی محدود فکر کے حوالے سے جانچا جائے اور جاہلی دور کے شعر کی مناسبت سے اس کی قدر و قیمت متعین کی جائے۔ یہ الہامی کتاب کے ساتھ انصاف تھا؟ قرآن مجید بار بار اس کی نفی کرتا ہے تاکہ اس کی آفاقیت پر زور نہ پڑے اور اسے محدود پیمانوں سے ناپ کر کسی عرب شاعر کے کلام کا مثل قرار دے کر اس کی تزیلی حیثیت مجروح نہ کی جائے۔ آیت کریمہ کا مقصود بھی یہی تھا کہ جب بعض عرب قرآن مجید کو شعر کہنے لگے تھے تو اس خیال کی تردید اس آیت سے کی گئی۔

علامہ الزمخشری ”ما علمناه الشعر وما ينبغي له“ کی شرح میں لکھتے ہیں۔

”ای ما علمناه بتعليم القرآن الشعر على معنى ان القرآن ليس بشعر“ (۹۱)

علامہ البیضاوی فرماتے ہیں ”قیل الضمير للقرآن وما يصح للقرآن ان يكون شعرا“ (۹۲) یعنی علمناہ میں ضمیر قرآن مجید کی طرف ہے کہ قرآن شعر نہیں۔ یہی بات قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر المصححی میں کی۔ (۹۳)

صاحب روح المعانی کے نزدیک ”اظهر القول بانہ ضمير له للقرآن المعلوم من

السياق“ (۹۳)

علامہ المراغی مزید وضاحت فرماتے ہیں ”فالمراد من نفى تعليمه الشعر نفى ان يكون

القرآن شعرا لان الله علمه القرآن واذالم يكن المعلم شاعرا لم يكن القرآن شعرا البتة وهذا رد قولهم ان القرآن شعر وان محمداً شاعر“ (۹۵)

امام الزمخشری علیہ الرحمہ سے روایت ہے ”انه قال معناه ما الذى علمناه شعرا وما

ينبغي له ان يبلغ معنا شعرا“ (۹۶) یعنی ہم نے آپ کو شعر سکھایا ہی نہیں تو جو وہ پہنچا رہے ہیں وہ شعر کیسے ہوا۔“

ان روایات و تشریحات سے صاف ظاہر ہے کہ نفی تعلیم شعر کی اس حیثیت سے ہے کہ قرآن

مجید کو شعر نہ سمجھا جائے۔ قرآن مجید شعر نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن تعلیم کیا ہے شعر نہیں۔ آپ کے مقام بلند کے لئے یہ مناسب بھی نہ تھا کہ آپ کو شعراء کی صف میں کھڑا کر دیا جاتا۔

انداز تردید آپ کی عظمت اور قرآن مجید کی تزیلی حیثیت پر وال ہے لیکن اس سے یہ مفہوم نہیں نکلا کہ شعر فی نفسہ معتوب ہے اور یہ بھی نہیں کہ شعر فہمی معیوب ہے اور یہ کہ لسان رسالت سے اس کی ادا ایسی ممنون

ہے، نفی کا مرکز یہ ہے کہ قرآن کی تعلیمات کو شاعرانہ خیال کا حوالہ دے کر صرف ذوقِ ادبی کی چیز نہ بنا دیا جائے۔ یقیناً قرآن مجید کی زبان اسلوب اور لہجہ پر تاثیر اور لکھش ہے۔ اس میں شعر سے کہیں زیادہ جذبہ کی قوت ہے مگر یہ اس کا ایک پہلو ہے اصل مقصد تعلیم ہدایت ہے جو ان الفاظ میں ودیعت ہے۔ قرآن مجید کا اصرار ہے کہ اسے شعر کی سطح پر رکھ کر صرف حظ اٹھانے کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ کیونکہ جس دور میں قرآن مجید اپنی لہری تعلیمات واضح کر رہا تھا اس دور میں شعراء کی پریشان خیالی عام تھی۔ علامہ المرآفی نے اسی خدشے کا حوالہ دیا ہے کہ شعراء کی خام خیالی اس واضح مربوط اور مستحکم تعلیم پر اثر انداز نہ ہو سکے اس لئے برملا تردید کی گئی کہ تلازمہ خیال راستہ نہ روکے۔

ان وضاحتوں سے مقصود یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شاعر نہ ہونا یہ دلیل نہ بن جائے کہ شعر مذموم فی الذات ہے۔ شعر کی عظمت و رفعت کا اندازہ اس کے مضامین سے لگایا جائے گا۔ درست اور صادق جذبات پر مشتمل اشعار اسلامی معاشرے میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جائیں گے۔ ماہو بقول شاعر قلیلا ما تؤمنون“ سے بھی مراد ہے کہ قرآن کسی شاعر کے خیالات کا عکس یا جذبات کا پر تو نہیں جن کی استقامت حقیقی اور لازمی نہیں، یہ تورب العالمین کا کلام ہے جس کے مقابلے میں مخلوق کا کلام خواہ کیسا ہی عمدہ اور اثر آفرین ہو، کیسے لایا جاسکتا ہے۔

احادیث کے بارے میں چند گزارشات

شعر اور روایت شعر کی تردید میں عموماً یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب کسی شاعر کو بے تحاشا پڑھتے دیکھا تو نفرت کا اظہار فرمایا، شیطان کہا اور لان یمتلی جو ف رجل قیحا خیر له من ان یمتلی شعراً“ (کہ آدمی کا پیٹ پیپ سے بھر جائے تو اس سے بہتر ہے کہ شعر سے بھرا ہو) ارشاد فرما کر شعر سے اجتناب کی ترغیب دی۔ یہ حدیث معمولی اختلاف لفظی کے ساتھ البخاری، مسلم، الترمذی، ابو داؤد، ابن ماجہ میں موجود ہے، بعض روایات میں قیحا کے بعد حتیٰ یربہ (کہ دوسرے ہو جائے) کا اضافہ بھی ہے۔ حدیث کے الفاظ اور شدت تردید کے انداز سے عیاں ہے کہ وہ کوئی غیر مسلم شاعر تھا۔ امام النووی لکھتے ہیں واما تسمية هذا الرجل الذي سمعه ينشد شيطاناً فلعله كان كافراً او كان الشعر هو الغالب عليه او كان شعره هذا من المذموم“ (۹۷) شیطان کہہ کر کسی گنہگار سے گنہگار انسان کو پکارنا سان نبوت سے متوقع نہیں۔ ستمگی کے اشارے نے واضح کر دیا کہ شعر ہی مقصود تھا اور یہی کائنات تھی اس میں خارج ہو جانے کا بھی مفہوم ہے وگرنہ فساد کا سبب بنے گا اور اس سے شعری مواد کے ناقص اور غیر محمود ہونے کی طرف اشارہ بھی ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی علیہ الرحمہ وضاحت فرماتے ہیں:

لكن وجه عندى ان یمتلی قلبه من الشعر حتى يغلب عليه فيشغله

عن القرآن و نكر الله فيكون الغالب عليه فاما اذا كلن القرآن

والعلم الغالبين عليه فليس جوف مملتا من الشعر (۹۸)

علامہ بدر الدین العینی (م ۸۵۵ھ) رقم طراز ہیں: "تؤخذ من معناه لان امتلا

الجوف بالشعر كناية عن كثرة الاشتغال به" (۹۹)

امام البخاری علیہ الرحمہ (م ۲۵۶ھ) نصاب کے نام سے ہی رائے کا اظہار کر دیا ہے:

"باب ما يكره ان يكون الغالب على الانسان الشعر حتى يصدده عن نكر الله

والعلم والقرآن" (۱۰۰)

امام النووی علیہ الرحمہ نے بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے کہ شعر سب حسنت کے لئے

سدا رہ نہ بن جائے کہ وہ قبضہ جمالے وگرنہ جمال تک عمومی شعری حالت ہے تو فعل یہ ہے:

"وقال العلماء، كافة هو مباح مالم يكن فيه فحش و نحو قالوا وهو كلام حسنة

حسن و قبيحة قبيح وهذا هو الصواب" پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ساعت کے حوالے

دیئے ہیں اور استثناء کیا ہے۔ (۱۰۱) لکن رشیق کہتے ہیں "یذمت شعر کے غلبے کی ہے کہ دین کے فرائض اور

ذکر اللہ سے طبیعت منقطع رہے وگرنہ شعر کے جواز پر کوئی قید نہیں۔" (۱۰۲)

ان اقتباسات سے واضح ہوا کہ تردید اس کیفیت کی ہے کہ شعر انسانی قلب و ذہن پر یوں مستولی

ہو جائے کہ اسے دین و دنیا کے دیگر ضروری معاملات سے بے خبر کر دے۔ دینی فرائض سے کوتاہی اور

معاملات ضروریہ سے اغماض ہونے لگے تو بیشتر مباح اعمال بھی قابل مذمت ٹھہرتے ہیں۔ صرف شعر پر

ہی کیا منحصر ہے۔ عرب ماحول میں اس قدر غلو قرین امکان تھا اس لئے اس کی سخت لہجے میں تردید کی گئی مگر

اس سے شعر کی نہیں غلو شعر کی نفی مقصود تھی، اسلام دین اعتدال ہے افراط و تفریط کا ہر عمل اسلامی

تعلیمات سے انحراف ہے اس لئے شعر ہی نہیں ہر فعل میں راہ اعتدال ہی مناسب اور قابل قبول ہے۔ بعض

روایات میں آخر پر ایک جملے کا اضافہ ہے جیسا کہ طبقات الشافعیہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما نے "هجیت بہ" کے الفاظ ذراویت ہوئے ہیں۔ اس سے بعض شارحین نے یہ

استخراج کیا کہ مذمت ایسے اشعار کی ہوئی جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوکی گئی۔ اس طرح یہ

احادیث خاص ماحول اور مخصوص حالات کی نشاندہی کرتی ہیں اور یہ کہ یہ تردید عمومی نوعیت کی نہیں ہے۔

اگرچہ یہ توضیح ہمارے موقف کی تائید کرتی ہے مگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اس سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے

وہ اپنے مفاد میں جتنی بر صداقت نہیں ہو تا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوکی مذمت کے لئے استثناء کی

قید غیر ضروری ہے۔ جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں کہا گیا کہ ایک شعر یا ایک مصرعہ بھی قابل

گرفت اور لائق مذمت ہے اس میں کیت کا کچھ اعتبار نہیں۔

علامہ آلوسی نے ایسے ہی خیالات کا اظہار کیا ہے کہ "فان الكثير والقليل مفايه فحش او هجو لسيد الخلق صلى الله عليه وسلم سواء" (۱۰۳) علامہ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں "لان ما هجى به النبي صلى الله عليه وسلم لو كان شطر بيت لكان كفرا" (۱۰۴) یہی رائے امام النووی (م ۶۷۶ھ) کی ہے فرماتے ہیں "وقد اجمع المسلمون على ان الكلمة الواحدة من هجاء النبي صلى الله عليه وسلم موجبة الكفر" (۱۰۵) ثابت ہوا کہ ہجیت بہ سے اس تردید شعر کو مخصوص کرنا ممکن نہیں اس لئے یہی توجیہ مناسب ہے کہ اس میں غلو شعر اور کثرت روایت شعر کی مذمت میان ہوئی ہے۔ شعر پوری زندگی کو محیط نہیں اس کا ایک حصہ ہونا چاہئے۔

بعض اوقات شعر کی تردید میں اس قدر مبالغہ سے کام لیا جاتا ہے کہ اسے غیر شرعی عمل قرار دیتے ہوئے اسے ایسا گناہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ جسے کم از کم مسجد میں نہ ہونا چاہئے۔ موافق روایات کے جزوہ کی بحث میں اس پر تفصیلی تبصرہ کیا جا چکا ایک بحث یہ بھی ہے کہ شعر خوانی سے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھی جائے یا نہ پڑھی جائے۔ یہ بحث دراصل اسی خیال کا حصہ ہے کہ شعر مستوجب ہے اور اس سے اجتناب ضروری ہے۔ ڈاکٹر زکی مبارک نے اس سلسلے میں علماء اذہر کے مختلف خیال ہونے کا تذکرہ کیا ہے کہ اس امر خطیر نہیں جس پر بسم اللہ کا حکم دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر موصوف اس کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں "وهذا كله اثر الحملة التي وجهت الى الشعر والشعراء" (۱۰۶) ابو جعفر الخاس (م ۳۳۲ھ) نے بھی اس اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ مگر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ "اكتب بسم الله الرحمن الرحيم امام الشعر" (۱۰۷) تمام مخالف روایات کی نفی کے لئے کافی ہے۔

ایک اور تردید یہ بحث وہ روایت ہے جس میں جاہلی شاعر امرء القیس کی نسبت قیادت دوزخ کی وعید ہے۔ مندا احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے "قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم امرء القيس صاحب لواء الشعراء الى النار" (۱۰۸) خطیب بغدادی (م ۳۶۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امرء القیس کے بارے میں ارشاد فرمایا "يجبى يوم القيامة مع لواء الشعر يوقدهم الى النار" (۱۰۹) کہ وہ قیامت کے روز شعراء کا علمبردار بن کر ان کی دوزخ کی طرف قیادت کرتا ہوا آئے گا۔ امرء القیس کے بارے میں اس ارشاد کو شعر کی مذمت کے لئے بلور دلیل پیش کیا جاتا ہے جبکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو شعر پڑھنے کی جنت کی بھارت مل چکی ہے۔ یہ نفرت (اس روایت پر بھی پورا اہتمام نہیں کیا جاسکتا) دراصل امرء القیس کے باطل نظریات اور فاسد خیالات کا نتیجہ ہے اس سے تو ہول ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ "کسی فنی وادبی تخلیق کی اہمیت اور قدر و قیمت اس کے فنی وادبی حسن ہی سے متعین نہیں ہوتی بلکہ اس کے مضامین اور معانی کی حیات دہی اور حیات فردوسی کی خاصیت سے متعین ہوتی ہے۔" (۱۱۰)

اس سلسلے میں علماء کے متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں بعض نے اسے زلف القول کہا تو بعض نے شعر پڑھنے پر وضو ٹوٹنے کا حکم لگایا جس پر علامہ ابن سیرین نے مملاترید کی کہ شعر پڑھنا حالہ نمازی امامت شروع کر دی۔ (۱۱۱) حضرت سعید بن المسیب علیہ الرحمہ سے شعر سے پہلے بسم اللہ تحریر کرنے کی کراہت کا ذکر بھی موجود ہے مگر انہیں سے یہ بھی روایت ہے کہ عراق کے کچھ لوگوں نے کراہت شعر کا اظہار کیا تو آپ نے فرمایا نسکوا نسکوا اجمعیناً (۱۱۲) کہ نجی طریق پر چلے۔

علامہ بدر الدین العینی نے عمدۃ القاری میں امام ابو جعفر الصمدی کا طویل اقتباس نقل کیا ہے جس میں مخالفین شعر اور مجوزین کی ایک معتبر فہرست دی ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ائمہ امت کی کثیر تعداد کا جواز شعر پر حتمی فیصلہ نقل کیا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ شعر مجھو بے ہودگی اور عزتوں کی پامالی کا باعث نہ ہو۔ (۱۱۳) اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اور ائمہ عظام کی کثرت جواز شعر کی قائل ہے اور جن علماء اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مذمت شعر کے سلسلے میں کچھ روایت ہوا ہے وہ بھی شعر کے عمومی رویے کے بارے میں نہیں۔ شعر کے مضامین کی نسبت سے ہے کہ بُرے خیالات جب شعر کا دامن اوڑھتے ہیں تو اپنے اثرات میں کئی گنا شدید ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے شعر جیسا تیز آگ کی بد کردار اور بد اعمال کے ہاتھ آجائے تو خطرہ بھی بیت ہوتا ہے کہ کہیں وہ اپنی اس صلاحیت سے معاشرے میں بدی کو پھیلنے کے مواقع فراہم نہ کر دے۔ کات داڑ شعر کو تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے زیادہ مملک قرار دیا ہے۔ شعر کوئی کی کثرت کو اس لئے بھی رد کیا گیا کہ شعر اپنے اسلوب میں نثر سے مختلف ہونے کی بناء پر قوت فکر کا متقاضی ہے۔ شعر فنی بھی ایک صلاحیت چاہتی ہے مگر عوام الناس میں یہ قوت نہیں ہوتی اس لئے مغالطے پیدا ہونے کا امکان بھی ہوتا ہے۔ پھر شعر تشبیہات و استعارات کے ذریعے سے حقائق بیان کرتا ہے جبکہ سامعین اور قارئین کی بہت بڑی تعداد ان کی تقسیم کی صلاحیت نہیں رکھتی، مجاز سے حقیقت تک کا سفر شعر کو مشکل بنا دیتا ہے اور عین ممکن ہوتا ہے کہ قاری شاعر کے ساتھ چلنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اور اپنے ناقص خیالات کو شاعر کے الفاظ میں تلاش کرنے لگے۔ ان مشکلات کی وجہ سے شعر کے استعمال میں احتیاط کا درس دیا گیا کہ بعض اشعار اچھے خیالات اور پاکیزہ نظریات پر مبنی ہونے کے باوجود اچھے اثرات مرتب نہیں کرتے اسی لئے امام غزالی علیہ الرحمہ نے واعظین کے لئے کثرت شعر کو نامناسب قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عوام جن کے اندر خواہشات کا ہنگام ہوا ہوتا ہے اور جن کے دلوں میں حسن و جمال کی نازک صورت گری بھی نہیں ہوتی وہ جب عشق و محبت کے اشعار سنتے ہیں تو ان کے اندر کارمفلہ پن اور جذبہ شہوت پیدا ہو جاتا ہے اس طرح فساد برپا ہوتا ہے۔ (۱۱۴) مگر امام موصوف خواص کی محفل میں شعر خوانی کی اجازت دیتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ شعر کے مضامین عمدہ ہوں، محل شعر مناسب ہو اور سامعین باصلاحیت ہوں تو شعر پڑھا اور سنا جاسکتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ شعرنی فہمہ اسلام کی نظر میں مردود نہیں بلکہ اسلام اسے ایک بہتر انداز تکلم اور عمدہ اسلوب کلام کے طور پر تسلیم کرتا ہے مگر جیسے اسلام ہر معاملے میں خذ ما صفا و دع ملکدر (جو بہتر ہے لے لو اور جو گندہ ہے اسے چھوڑ دو) کا داعی ہے، شعر میں بھی اسی معیار کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تاکہ اس موبت سے عمدہ نتائج نکلیں اور معاشرتی حسن کی افزائش ہو۔ ڈاکٹر شوخی ضیف نے سچ کہا تھا:

”فالقرآن لم یهاجم الشعر من حیث هو الشعر“ (۱۱۵)

(کہ قرآن مجید نے شعر پر حیثیت شعر کوئی حملہ نہیں کیا)

یہ بھی حقیقت ہے کہ مذمت شعر کی بعض روایات کی اسناد قابل اعتماد نہیں ہیں۔ امام ابن جریر الطبری (م ۳۱۰ھ) نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کہ ”الشعر مزامیر الشیطان“ اور حضرت مسروق کی روایت کہ ”انہ تمثل بادل بیعت شعر ثم سکت فقیل له فقال اخاف ان اجد فی صحیفتی شعراً“ (شعر کے بیت اول کا حوالہ دیا پھر خاموش ہو گئے، پوچھا گیا تو کہا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میرے صحیفہ میں شعر آئے) اور یہ کہ شیطان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ”قرآنک الشعر“ (شعر تیرا قرآن ہے) کو غیر اللہ قرار دیکھ کر ”بانہا اخبار و اہبہ“ (۱۱۶) (کہ یہ وہی باتیں ہیں)

یہ حقیقت ہے کہ صحابہ کرام علیہم الرضوان سے لیکر آج تک مسلم دنیا میں شعر ایک زندہ قوت ہے۔ شعراء کی طویل فہرست اس صنف ادب کی طرف متوجہ اور اس کی خدمت کے لئے کوشاں رہتی ہے۔ اس فہرست میں صحابہ کرام ائمہ عظام فقہاء ذی اہتمام، مفسرین و محدثین غرضیکہ عالم اسلام کی تمام برگزیدہ ہستیاں شامل ہیں۔ اور ان میں بیشتر علماء کے دیوان موجود ہیں۔ مگر ہر صاحب ایمان اور اہل علم و دانش اس میدان میں احتیاط سے قدم اٹھاتا رہا ہے کہ تردیدی روایات کا پھرہ بہر صورت موجود رہا ہے۔ زبان کے لئے احتیاط کا حکم تو نثر میں بھی ہے اور نظم میں بھی مگر نظم میں یہ خیال دلیر مانتا رہا کہ شاعر کو وہ کچھ کہنے کی بھی اجازت ہے جو نثر نگار کہنے کا مجاز نہیں۔ ضرورت شعر کی جب اسلوب سے مضامین شعر تک محدود ہوتی ہے تو شاعر حدود معاشرت اور پابندی شریعت سے قدم باہر نکالنے لگتا ہے۔ پھر یہ کہ لفظوں پر ماہر اندہ دسترس نہ ہو تو خیال کا لبادہ بد نما صورت لیتا ہے، غیر محتاط الفاظ، غیر سنجیدہ اظہار اور غیر متعین خیالات تبدی کو خوشامتا کر معاشرتی فساد کے محرک بنتے ہیں۔ خیال پر شرافت کا سایہ نہ ہو، اسلوب میں آداب کا کھیر نہ ہو اور کلمات پر اخذ و اختیار کے ضابطے نہ کے جائیں تو نتیجہ غیر محمود نکلتا ہے۔ تاریخ انسانی کا طویل دورانیہ شاہد ہے کہ اس صلاحیت کو جنس فرد متنبہ بنایا جا رہا، حرفوں کے کنگول ہر صاحب اختیار و دولت کے سامنے پیش کئے گئے، بد کرداری مزین ہوتی رہی۔ بد فطرتی شعر کی پناہ میں سماج کو مسموم کرتی رہی، شاعر ہونے کا فخر ہر تہذیبی روایت کا بہر بننا، جاہلی دور کا شاعر تو عزتوں سے کھیلتا تھا، تہذیبی منافقت کے دور میں عزت و ناموس بھی پامال ہو اور بے گناہی بھی لائق تہذیبی ٹھہری، باہل کے ہاتھ میں تلوار ہلاکت کا باعث ہوتی ہے اور شعر

تلوار سے زیادہ گھاؤ ڈالتا ہے۔ اس لئے اسلامی تعلیمات میں اسے پابند آداب بنایا گیا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ شعر کی تحسین فرما کر شعر کی حلت کا اعلان کیا تو بدترین اشعار پر گرفت فرما کر اس کی شہیت کو لگام دی اس لئے ایک متوازن راستہ دریافت ہوا۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ شعر کو جموت زینت دیتا ہے اور اسلام جموت کی اجازت نہیں دیتا۔ جاہلی شاعری کے روٹیوں کی نشاندہی کرتا ہے۔ شعر، دل کی آواز ہو، عصمت آدم کا محافظ ہو، فردغ حسانت کا زریعہ ہو اور معاشرتی بہبود کا محرک ہو تو موصحت ہے، سرفرازی ہے۔ اور اگر شعر خواہشات کا غلام، بد فطرتی کا عکاس اور سماجی اضطراب کا تویہ ہو تو لائق نفرت ہے۔ مسلمان امت کی خوش قسمتی ہے کہ نعت کی شکل میں شعر کی احساس کا نورانی پیکر اسے نصیب ہوا ہے کہ جہاں صلاحیت فن کا اہتمام بھی ہوتا ہے اور لائق مذمت روٹیوں سے اجتناب کی راہ بھی نکلتی ہے کہ شعر تو انداز اظہار ہے۔ ”حسنہ حسن و قبیحہ قبیح“

حواشی

- ۱- محیط الدائرہ ص: ۳
- ۲- العمدہ الجز، الاول ص: ۷۷، ۸۰
- ۳- حوالہ مذکورہ ص: ۷۳
- ۴- المفردات فی غریب القرآن مادہ شعر ص: ۲۶۲
- ۵- العقد الفرید لابن عبد ربہ جز، الثالث ص: ۳۱۳
- ۶- A Literary History of the Arabs. R.A. Nicholason ص: ۷۲
- ۷- ترجم عرب ڈاکٹر لیلیان اردو ترجمہ ص: ۳۹۳
- ۸- جامع الترمذی المجلد الثانی ص: ۱۲۶، سنن ابی داؤد المجلد الثانی ص: ۶۸۳، سنن ابن ماجہ المجلد الثانی ص: ۲۷۳، سنن ترمذی المجلد اول ص: ۹۸
- ۹- جامع الترمذی المجلد الثانی ص: ۱۲۶، عن ابن عباس، سنن ابن ماجہ المجلد الثانی ص: ۲۷۵
- ۱۰- سنن ابی داؤد المجلد الثانی ص: ۶۸۳، عن ابن عباس، طبقات الشافعیۃ الکبری الجز، الاول ص: ۱۱۶
- ۱۱- مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الاداب باب البیان والشعر الفصل الثالث ص: ۳۱۰-۳۱۱
- ۱۲- العبدہ الجز، الاول ص: ۹
- ۱۳- صحیح البخاری المجلد الاول باب الشعر فی المسجد ص: ۶۳-۶۵
- ۱۴- یہ روایت سلمہاب فضائل حسان میں ہے کہ عن البراء، بن عازب قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اہجہم او ہاجہم و جبریل معک اور صحیح البخاری المجلد الثانی ص: ۵۹۱
- ۱۵- صحیح مسلم المجلد الثانی باب فضائل حسان ص: ۳۰۰-۳۰۱
- ۱۶- جامع الترمذی المجلد الثانی ص: ۱۲۶، سنن نسائی المجلد الثانی باب انشاد الشعر فی الحرم ص: ۲۹

١٤	صحيح مسلم المجلد الثاني كتاب الشعر من ٩٣٩ - طبقات الشافعية الكبرى الجزء الاول من ١١٨
١٨	الموازنة بين الشعراء، زكي مبارك من ٢٥
١٩	اسد الغابة الجزء الثالث من ٣٩
٢٠	صحيح البخارى المجلد الاول كتاب المناقب من ٥٠٠
٢١	صحيح مسلم المجلد الثاني كتاب الفضائل من ٣٠٠
٢٢	جامع الترمذى المجلد الثاني باب ما جاء فى انشاد الشعر من ١٢٦ - سنن ابى داود المجلد الثانى باب ما جاء فى الشعر من ٦٨٣
٢٣	صحيح البخارى المجلد الاول من ٣٥٦ - سنن النسائى المجلد الاول باب الرخصة فى انشا الشعر من ١١٨
٢٤	صحيح البخارى المجلد الثاني من ٥٩٤ - المجلد الاول من ٥٠٠
٢٥	كتاب الاغانى المجلد الثامن من
٢٦	جامع الترمذى المجلد الثاني باب ما جاء فى انشاد الشعر من ١٢٦
٢٧	دعوى ابن حبان شرح البرقوقى من ٨
٢٨	طبقات الشافعية الكبرى الجزء الاول من ١٢١ - الاصابه الجزء الثالث من ٢٤٩
٢٩	العقد الجزء الاول من ٤
٣٠	الاستيعاب المجلد الاول من ١٦١ - المال والنحل الجزء الثالث من ٢٨٩ حاشية
٣١	الاستيعاب المجلد الاول من ٣١٠ - ٣١١ - روايت الاصابة الجزء الثالث من ٥٠٩ - ٥١٠
٣٢	اسد الغابة الجزء الخامس من ١٧٣ - ركنى دكر مصادر من موجوده - طبقات ابن سعد الجزء الثالث من ٥٢٤
٣٣	طبقات الشافعية الكبرى الجزء الاول من ١٢٨ - الاستيعاب المجلد الاول من ١٩٩ - تاريخ بغداد المجلد السابع من ١٠٦
٣٤	صحيح البخارى المجلد الاول كتاب الصلوة من ٦١
٣٥	طبقات ابن سعد الجزء الثاني من ٤١ - تاريخ بغداد المجلد الرابع من ٢٤١
٣٦	جامع الترمذى الجزء الاول من ١٢٦
٣٧	صحيح البخارى المجلد الاول كتاب الجهاد من ٣٢٤
٣٨	صحيح البخارى المجلد الاول باب حججة النبي صلى الله عليه وآله من ٥٥٥
٣٩	ارواء ائمه مصارف اسلامية جلد ١٥ من ٥٢٩ مقال فى شعر وشاعرى
٤٠	ائمه والجزء الاول من ١٠
٤١	ايضا من ١١
٤٢	العقد الفريد الجزء الاول من ٩٠
٤٣	ائمه والجزء الاول من ١٦
٤٥	ايضا من ١٥
٤٦	اجه العلوم من ٣٠٩

٤٧	عهد الفريه الجزء الثالث من ٣٨٨
٤٨	اجه العلوم من ٢٠٨
٤٩	الموازنة بين الشعراء، زكي مبارك من ٢٨
٥٠	سنن ابن ماجه الجزء الثاني باب العمرة من ٣١٤
٥١	مرآة الشعر: عبدالرحمن من ٦٥-٦٦
٥٢	اجه علوم الدين الجزء الثاني من ٢٤٠-٢٤١
٥٣	اجه العلوم من ٢٠٨
٥٣	مرآة الشعر من ٦٦
٥٥	الشراء ٢٢٣ - ٢٢٤
٥٦	ليس ٦٩
٥٧	الحاقة ٣١
٥٨	الحاقة ٣٣
٥٩	صحيح البخارى المجلد الثاني كتاب الاداب من ٩٠٩
٦٠	صحيح مسلم المجلد الثاني كتاب الشعر من ٢٣٠
٦١	سنن ابن ماجه المجلد الثاني باب ملكه من الشعر من ٢٤٥
٦٢	جامع الترمذى المجلد الثاني ابواب الاستيذان والاداب من ١٢٤
٦٣	صحيح البخارى المجلد الثاني كتاب الاداب من ٩٠٩
٦٣	جامع الترمذى المجلد الثاني ابواب الاستيذان والاداب من ١٢٤
٦٥	سنن ابى داود المجلد الثاني باب ما جاء فى الشعر من ٦٨٣
٦٦	طبقات الشافعية الكبرى الجزء الاول من ١٢٠
٦٧	حواله مذكوره
٦٨	حواله مذكوره من ١١٩
٦٩	صحيح مسلم المجلد الثاني كتاب الشعر من ٢٣٠
٧٠	مفاتيح الغيب (التفسير الكبير) الجزء السادس من ٣٩٦
٧١	التفسير المظهرى المجلد الرابع من ٨٩
٧٢	التفسير المظهرى المجلد السابع من ٩٢
٧٣	انوار التنزيل و اسرار التاويل (التفسير البيضاوى) الجزء الثاني من ١٣٣
٧٤	ائمه والجزء الاول من ١٢
٧٥	سنن ابى داود المجلد الثاني كتاب الادب باب ما جاء فى الشعر من ٦٨٣
٧٦	تفسير القرآن العظيم - لابن كثير الجزء الثالث من ٣٥٣
٧٧	مشكوة المصابيح كتاب الاداب باب البيان والشعر الفصل الثاني من ٣١٠
٧٨	مفاتيح الغيب (التفسير الكبير) الجزء السابع من ١١٠
٧٩	انوار التنزيل و اسرار التاويل (التفسير البيضاوى) الجزء الثاني من ١٣٣
٨٠	التفسير المظهرى الجزء الثاني من ٩

- ۱۱۵۔ تاریخ الادب العربی (۲) العصر الاسلامی ص ۳۳
۱۱۶۔ فتح الباری شرح صحیح البخاری الجزء العاشر ص ۳۱۰۔ ۳۱۱

شارق صاحب کا خاص وصف اپنے جذبات پر ان کا قابو ہے جو زبان پر ان کی قدرت کے ساتھ مل کر اچھی شاعری تخلیق کرتا ہے شارق صاحب نعت کے آداب کے ساتھ ساتھ نعت کے عناصر سے بھی خوب واقف ہیں۔

(ڈاکٹر سید ابوالخیر حسینی)

نزول (نعتیہ مجموعہ)

مصنف: شفیق الدین شارق

جلد شائع ہو رہا ہے

☆ ناشر ☆

اقلیم نعت: 25 ای، فیز 5، ٹی اینڈ ٹی فلیٹس، شادمان ٹاؤن نمبر 2، کراچی 75850

www.facebook.com/Naat.Research.Centre

www.sabih-rehmani.com/books

نعتیہ صحافت کے آفتی پر ایک اور معیاری جریدے کا طلوع

کتابی سلسلہ
سفیر نعت

مدیران: آفتاب کریچی، منصور ملتانی

☆ رابطہ ☆

اقلیم نعت، ذیلی دفتر، ۳۲۳، پی آئی بی کالونی، کراچی

- ۸۱۔ الکشاف للزمخشری الجزء الثاني ص ۵۹۳
۸۲۔ فتح الباری شرح البخاری الجزء العاشر ص ۳۱۱
۸۳۔ الکشاف الجزء الثاني ص ۵۹۳
۸۴۔ روح المعانی آلوسی الجزء الثالث والعشرون ص ۳۵
۸۵۔ طبقات ابن سعد الجزء الاول ص ۳۸۲-۳۸۳
۵۶۔ حوالہ مذکورہ
۸۷۔ روح المعانی الجزء الثالث والعشرون ص ۳۳-۳۴
۸۸۔ حوالہ مذکورہ ص ۳۵
۸۹۔ ابجد العلوم ص ۲۱۰
۹۰۔ المواهب اللدنیة بحوالہ روح المعانی الجزء الثالث والعشرون ص ۳۳
۹۱۔ الکشاف الجزء الثاني ص ۵۹۳
۹۲۔ انوار التنزیل و اسرار التاویل (التفسیر البیضاوی) الجزء الثاني ص ۲۲۶
۹۳۔ المظہری المجلد الثاني ص ۹۷
۹۴۔ روح المعانی الجزء الثالث والعشرون ص ۳۵
۹۵۔ المراغی الجزء الثالث والعشرون ص ۳۱
۹۶۔ العمدة الجزء الاول ص ۶
۹۷۔ صحیح مسلم المجلد الثاني کتاب الشعر ص ۲۳۰ حاشیہ شرح النووی
۹۸۔ فتح الباری شرح البخاری الجزء العاشر ص ۳۱۸
۹۹۔ عمدة القاری شرح صحیح البخاری الجزء الثاني والعشرون ص ۱۸۸
۱۰۰۔ صحیح البخاری المجلد الثاني کتاب الادب ص ۹۰۹
۱۰۱۔ صحیح مسلم المجلد الثاني کتاب الشعر حاشیہ شرح النووی ص ۲۳۰
۱۰۲۔ العمدة الجزء الاول ص ۱۲
۱۰۳۔ روح المعانی الجزء التاسع عشر ص ۱۳۶
۱۰۴۔ فتح الباری شرح البخاری الجزء العاشر ص ۳۱۸
۱۰۵۔ صحیح مسلم المجلد الثاني کتاب الشعر ص ۲۳۰ حاشیہ شرح النووی
۱۰۶۔ الموازنہ بین الشعراء ص ۲۹
۱۰۷۔ العمدة الجزء الثاني ص ۲۳
۱۰۸۔ طبقات الشافیه الكبرى الجزء الاول ص ۱۱۹
۱۰۹۔ تاریخ بغداد المجلد الثاني ص ۳۷۳
۱۱۰۔ ادب کالاسلامی نظریہ ڈاکٹر محمد شمس الدین صدیقی ص ۲۳-۲۴
۱۱۱۔ الموازنہ بین الشعراء ڈاکٹر زکی مبارک ص ۲۸
۱۱۲۔ حوالہ مذکورہ
۱۱۳۔ عمدة القاری شرح صحیح البخاری الجزء الثاني والعشرون ص ۱۸۹
۱۱۴۔ دیکھئے تفصیل۔ احیاء علوم الدین الجزء الاول ص ۳۲

باہر آتے ہوئے تعارف کا موقع ملا تو معلوم ہوا کہ میرے یہ محسن راولپنڈی کے نوجوان نعت خواں جناب غلام عباس چشتی تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

اب اطمینان سے باقی عبارت پر غور شروع ہوا۔ اگلا مصرع یوں تھا۔

والآل والصحبا اهل المجد قاطبة

”اور آل و اصحاب پر بھی جو سب کے سب صاحبانِ مجد ہیں۔“

دوسرے مصرع کے پہلے دو ایک لفظ چھوڑ کر باقی مصرع پر وہی ردغن پھر اہوا تھا۔ نصف سے زائد مصرع کے چھپ جانے سے ایک ایہام پیدا ہو گیا اور جو دو ایک لفظ ظاہر تھے وہ بھی بہت کوشش کے باوجود مجھ سے نہ اٹھائے گئے۔ اسی اثناء میں نظر نیچے کی جانب مقصودہ شریف کی جالی کے دروازے پر لگے ایک مختصر سے چھپے تالے پر پڑی۔ اس پر باریک حروف میں قصیدہ بردہ شریف کا یہ مصرع جھلک رہا تھا۔

هو الحبيب الذي ترجى شفاعته

”وہی (اللہ کے) حبیب ہیں جن کی شفاعت کی امید رکھی جاتی ہے۔“

معلوم نہیں دوسرا مصرع باقی نہیں رہ سکا تھا یا قفل کے دوسری جانب تھا جو نظر نہیں آتی تھی۔

بائیں جانب مواجہہ شریف کی طرف کی دیوار قبلہ بھی دکھائی دے رہی تھی جس پر غالباً ترکوں کے زمانے کی خطاطی کے شکار دیکھ کر نگاہ حیرت میں رہ جاتی ہے۔ حسن خط کے علاوہ ان حروف کے رنگ اس قدر اچلے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے خطاط کو اپنا قلم سکھائے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔ حالانکہ غالباً یہ مشہور خطاط عبداللہ بک زحیدی کے نتائج فن ہیں جن کو خاص طور پر استنبول سے بھیجا گیا تھا اور وہ مسجد نبوی میں تین برس اس خدمت میں مصروف رہے (۲)۔ یہ بات ۱۲۸۰ھ / ۱۸۶۳ء کے لگ بھگ کی ہے (۳)۔ گویا سوا سو برس سے زائد کا عرصہ گزر گیا مگر ان نقوش کی آب و تاب میں فرق نہیں آیا۔

فن کے ان کرشموں سے نگاہ پلٹی تو پھر سے اس مصرع کے ابتدائی حروف پر دماغ لڑایا جس کا اکثر حصہ سبز ردغن میں گم ہو چکا تھا۔ مگر اپنے تصور فہم کا اعتراف کرنا پڑا۔ یہ مصرع آخری تھا۔ اس سے آگے مقصودہ شریف کے حاشیے پر جو جگہ باقی رہ گئی ہے اس پر اسی خط میں حضرات عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی پر مشتمل یہ عبارت درج ہے۔

”اللهم ارض عن ابى بكر و عمر و عثمان و على و طلحة و زبير و سعد و

سعید و عبدالرحمن بن عوف و ابو عبیدة الجراح رضی اللہ عنہم اجمعین۔“

”الزبير“ کے جائے ”زبير“ ”ابى عبیدة“ کے مقام پر ”ابو عبیدة“ اور ”اللهم

ارض“ کے صیغے کے بعد ”رضی اللہ عنہم اجمعین“ کی تکرار عبارت طے کرنے والے کی عجزیت کا سراغ دیتی ہے۔

یہ سب کچھ نوٹ کر چکا تو ایک عجیب مسرت و طمانیت کا احساس ہوا۔ مواجہہ شریف پر اگر سلام عرض کر رہا تھا اور وہی کتابچہ جس میں یہ ڈیزہ دو گھنٹے کی محنت کا حاصل محفوظ تھا میرے ہاتھ میں تھا کہ ایک نوجوان مطوع صاحب تشریف لائے اور روزمرہ کی عربی میں کچھ یوں گویا ہوئے:

”یا شیخ مش هذا سلام“ (جناب یہ کوئی سلام نہ ہوا)

میں نے کتابچہ کھول کر ان کا اطمینان کرنے کی کوشش کی اور دکھایا کہ اس میں ”السلام علیک یا رسول اللہ“ اور اسی قسم کے الفاظ درج ہیں کوئی قابل اعتراض چیز نہیں ہے۔ ارشاد ہوا:

”انت تگوم تگرا تگرا مش هذا سلام“ (آپ کھڑے ہیں اور پڑھے چلے جا رہے ہیں پڑھے چلے جا رہے ہیں۔ یہ کوئی سلام نہ ہوا)

شاید ان کو دیر تک میرا کھڑے رہنا قابل اعتراض معلوم ہوا تھا یا معلوم نہیں کیا۔ اسی اثناء میں انہوں نے میرے ہاتھ سے کتابچہ چھین لیا۔ مجھے اضطراب ہوا کہ ساری محنت اکارت نہ ہو جائے۔ میں نے ”طیب شکرًا“ ”بہت اچھا مہربانی“ جیسے الفاظ کی تکرار سے ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے چلتے چلتے انہوں نے کتابچہ مجھے واپس کر دیا۔

اشعار کے اسلوب و مضامین سے اندازہ ہوتا تھا کہ قصیدہ بردہ کے بعد کے کسی متاخر دور کے ہیں۔ ایسی اہم اور نمایاں جگہ پر لکھوائے جانے سے ذہن میں ایک قیاس یہ بھی آتا تھا کہ خود سلاطین ترکیہ میں سے کسی کے نہ ہوں۔ بہر حال کسی اہم اور معروف شخصیت ہی کے ہوں گے چنانچہ توقع تھی کہ پاکستان پہنچ کر تحقیق سے ان کا سراغ مل جائے گا۔

واپس آکر سب سے پہلے ”المجموعۃ النبیانیة“ میں جستجو کی مگر یہ اشعار اس میں شامل نہ تھے۔ مرکزی لائبریری پنجاب یونیورسٹی کے چیف لائبریرین جناب جمیل احمد رضوی سے ذکر ہوا تو انہوں نے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب کا کتابچہ ”تجرہ نبوی“ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اندر نقش عربی کی چند نایاب نعتیں ”بہیا کیا جو مجلس رضا کراچی سے جون ۱۹۹۸ء میں شائع کیا گیا ہے۔ اگرچہ عربی متن کتابچے میں شامل نہ تھا تاہم اردو ترجمے سے اندازہ ہو گیا کہ صفحہ ۹-۱۱ پر جن اشعار کا اردو مفہوم ”تجرہ مبارک کے اندر درود یوار پر نقش کیا ہوا قصیدہ“ کے زیر عنوان درج ہے وہی میرے مطلوبہ اشعار ہیں۔ صفحہ ۶ پر یہ وضاحت موجود ملی کہ ڈاکٹر صاحب کا ماخذ ”شفاء الفؤاد بزیارة خیر العباد“ ہے چنانچہ اصل کی طرف رجوع کیا گیا۔ ۲۳۶ صفحات پر مشتمل ”شفاء الفؤاد بزیارة خیر العباد“ السید محمد بن السید علوی بن السید عباس المالکی الحسینی کی تالیف ہے جسے ۱۳۱۱ھ / ۱۹۹۱ء میں دولتہ الامارات العربیة المتحدہ (U.A.E) کی وزارت اسلامی امور و اوقاف کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ صفحہ ۲۰۳ پر اشعار کا مکمل عربی متن مل گیا جس میں وہ اشعار بھی شامل ہیں جو اب ردغن پھر جانے کے سبب پڑھے نہیں جاتے۔ آغاز میں

چند تعارفی سطور دی گئی ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ یہ قصیدہ ۱۹۱۱ء میں سلطان عبدالحمید خان بن سلطان احمد خاں نے کہا۔ ناظم کے اغلام اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نتیجہ کہنے کے وہ حجرہ نبویہ شریفہ پر نقش کئے جانے کا مستحق ٹھہرا۔ اسے ایک پرانی ترکی کتاب یعنی ایوب صبری باشا کی "مرآة الحرمين" سے برآمد کیا گیا ہے۔

اسماعیل باشا بغدادی کی مشہور تالیف "هدية العارفين" کے مطابق (۴) امیر اللواء ایوب صبری باشا الرومی الحسینی، بریہ رئیس الحاسبات (چیف آڈاکاؤٹس) کے عہدے پر فائز تھا۔ اس کی وفات ماہ صفر ۱۳۰۸ھ / ستمبر اکتوبر ۱۸۹۰ء میں ہوئی۔ اس کی تصانیف کے ذیل میں مندرجہ ذیل عنوان درج کئے گئے ہیں:

- ۱- احوال جزيرة العرب۔
- ۲- تاریخ الوهابية۔
- ۳- تكملة المناسك۔
- ۴- شرح حبات سعاد (ترکی)۔
- ۵- محمود السیر۔
- ۶- نجات المؤمنین۔
- ۷- مرآة الحرمين۔

یہ آخری تصنیف یہاں زیر بحث ہے۔ ہدیۃ العارفين کے علاوہ اسماعیل باشا نے "ایضاح المكنون" میں بھی اس کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب کا موضوع تاریخ مکہ و مدینہ ہے اور یہ ترکی زبان میں پانچ جلدوں میں شائع ہوئی (۵)۔ افسوس کہ متعدد کتب خانوں میں تلاش کے باوجود یہ کتاب دستیاب نہ ہوئی اور ثانوی حوالے کا اصل سے موازنہ کرنے کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ اس کی جستجو میں البتہ "مرآة الحرمين" ہی کے عنوان سے عربی میں جنرل ابراہیم رفعت باشا مصری کا جو کئی برس امیر حج رہے ایک صدی پیشتر کا سفر نامہ حج و زیارات ہاتھ آ گیا جس سے بعض مفید معلومات اس مضمون کے لئے بھی اخذ کی جا سکیں۔ یہ سفر نامہ دو جلدوں میں قاہرہ سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوا۔ وافر تفصیلات کے علاوہ اس میں اس دور کی بہت سی نادر تصاویر بھی شامل ہیں۔ زیر غور اشعار کا حوالہ اس کتاب میں پہلی جلد کے صفحہ ۷۵ پر ملتا ہے لیکن ابراہیم رفعت باشا نے فنی طور پر انہیں کڑی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ لکھتے ہیں:

"ومکتوب علی الحجرۃ فی جہاتہا المختلفة شعر رکیک ا" بی قلمی ا" ن یخط منه الا ہذین البیتین"

"نہرے پر مختلف اطراف میں کچھ پچھلے شعر لکھے ہوئے ہیں جن میں سے ان دو شعروں

کے علاوہ کچھ درج کرنا میرے قلم نے گوارا نہیں کیا، اس کے بعد دو سوال اور کیا مراماں شعر نقل کیا گیا ہے۔ جیسا کہ آگے آتا ہے زبان و بیان کے اعتبار سے ان اشعار کی بندش کہیں کہیں سست ضرور محسوس ہوتی ہے تاہم ابراہیم رفعت باشا کی رائے کچھ ضرورت سے زیادہ سخت نظر آتی ہے۔

خیر اس رائے سے قطع نظر "علی الحجرۃ" "حجرہ پر" کے الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ اشعار باہر کی جانب درج ہیں نہ کہ اندرونی درود یوار پر۔ شفاء القواد میں بھی "علی الحجرۃ النبویۃ الشریفۃ" ہی کے الفاظ آئے ہیں جبکہ عبداللہ الحداد کے قصیدے کے بارے میں۔ جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ "داخل الحجرۃ النبویۃ الشریفۃ" حجرہ نبویہ شریفہ کے اندر کی جانب کی وضاحت موجود ہے اور عنوان ہی "القصیدۃ الحدادیۃ الداخلیۃ للحجرۃ النبویۃ الشریفۃ" "حجرہ نبویہ شریفہ میں شاعرا کا اندرونی قصیدہ" قائم کیا گیا ہے جبکہ زیر بحث اشعار کا عنوان صرف "قصیدۃ الحجرۃ النبویۃ الشریفۃ" "حجرہ نبویہ شریفہ کا قصیدہ" ہے۔ علاوہ ازیں شفاء القواد میں جن اشعار کے بارے میں نشان دہی کی گئی ہے کہ وہ روغن سے منارئے گئے وہ میر وئی جانب کے مشاہدے کے مطابق ہے۔ چونکہ حجرہ پاک کے اندر داخل کی سعادت خاکسار کو حاصل نہیں ہوئی اس لئے قطعیت سے کچھ کہنا مناسب نہیں تاہم مندرجہ بالا قرائن کی روشنی میں امکان غالب یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اشعار میر وئی حاشیے پر ہی درج ہیں اور اس قیاس کی گنجائش بہت کم نظر آتی ہے کہ اندر اور باہر دونوں جگہ درج ہوں اور عین ایک ہی تفصیلات کے ساتھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شفاء القواد میں منقول عربی متن سے اندازہ ہوتا ہے کہ پہلے تین اشعار مواجہ شریف کی جانب ہوں گے جن کا سراغ خاکسار کو نہیں ملا (تفصیل آگے آتی ہے)۔ تاہم اس جانب دائیں ہاتھ کو جالی سے اوپر کی طرف ایک شعر درج ہے:

نبیّ عظیم خلقہ الخلق الذی له عظم الرحمن فی سید الکتب
 "نبی عظیم جن کا خلق وہ خلق ہے۔ کہ جس کی عظمت کا تذکرہ خدائے رحمان نے کتابوں کی سردار کتاب میں فرمایا۔"

یہ شعر گیارہویں صدی ہجری / سترھویں شمارویں صدی عیسوی کے ممتاز ادیب و شاعر جناب عبداللہ الحداد کا ہے جنہیں الحداد الیمنی الحداد الیمانی الحداد الیعلوی اور صرف الحداد کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا یہ مکمل قصیدہ اکتالیس اشعار پر مشتمل ہے اور ان کے دیوان "الدر المنظوم لذوی العقول والفہوم" میں جو المطبعة المیمیئۃ مصر سے رمضان ۱۳۱۵ھ (جنوری فروری ۱۸۹۸ء) میں شائع ہوا ہے، صفحہ ۶۶-۶۷ پر موجود ہے۔ مذکورہ بالا شعر قصیدے کا سولہواں شعر ہے اور اس میں آیت قرآنی "وانک لعلی خلق عظیم" (۳/۶۸) کی طرف اشارہ ہے قصیدے کا مکمل عربی متن "شفاء

الغواد“ میں بھی ”القصيدة الحدادية الداخلية للحجرة النبوية الشريفة“ کے عنوان سے نقل کیا گیا ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ تعارفی کلمات میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ قصیدہ حجرہ پاک کے اندر کی جانب نقش کیا گیا ہے جو شاعر کے اخلاص اور چنگلی عشق کا ثمرہ ہے نیز اس کا سولھواں شعر الگ سے مواجہ شریف پر نمایاں انداز میں درج کیا گیا۔

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے خاصی جتو کے باوجود ایوب صبری پاشا کی ترکی تصنیف ”مرآة الحرین“ تک رسائی نہ ہو سکی اور یہ تجتس ہی رہا کہ انہوں نے زیر بحث دالیہ اشعار کی نسبت سلطان عبدالحمید خان (اول) سے کرتے ہوئے کیا حوالہ مہیا کیا ہے۔ بہر حال یہ امر قرین قیاس ضرور ہے کہ یہ شعر سلطان مذکور کے ہوں کیونکہ مسجد نبوی کی دور بہ دور تعمیر کے تاریخی جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مقصودہ شریف پر یہ اشعار غالباً سلطان عثمانی محمود ثانی کے زمانے میں نقش کئے گئے جو موجودہ سبز گنبد کا بھی بانی ہے۔ یہ سلطان محمود سلطان عبدالحمید اول مذکور کا پوتا تھا اور اس کا دور حکومت ۱۲۲۳-۱۲۵۵ھ ۱۲۵۵-۱۲۵۵ھ جری مطابق ۱۸۰۸-۱۸۳۹ عیسوی ہے۔ موجودہ گنبد کی تعمیر ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء میں ہوئی (۶)۔ اور اس پر سبز رنگ سلطان محمود کی حکومت کے آخری سال یعنی ۱۲۵۵ھ / ۱۸۳۹ء کی یادگار ہے (۷)۔ چنانچہ اغلب ہے کہ مقصودہ شریف، جس کے اوپر سبز گنبد قائم ہے، کے موجودہ نقش و نگار بھی گنبد کی تعمیر یعنی ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۷ء ہی کے زمانے سے تعلق رکھتے ہوں اور سلطان محمود ثانی نے اس وقت اپنے والد مرحوم سلطان عبدالحمید اول کے یہ نعتیہ اشعار یہاں کندہ کرا دیئے ہوں۔

سلطان عبدالحمید اول بن سلطان احمد ثالث، ترکان عثمانی میں ستائیسواں سلطان تھا۔ وہ ۱۱۳۷ھ / ۱۷۲۵ء میں پیدا ہوا۔ پچاس برس کی عمر میں ۱۱۸۷ھ / ۱۷۷۳ء میں تخت نشین ہوا اور سولہ سال حکمرانی کر کے ۱۲۰۳ھ / ۱۷۸۹ء میں وفات پائی۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں اس کے جو احوال درج ہیں (۸) بیشتر اس کے دور حکومت کے سیاسی اتار چڑھاؤ سے متعلق ہیں۔ اس کے ذاتی اوصاف میں اس کی امن پسندی، جوش اخلاق کریمانہ اور انسانی ہمدردی کی طرف البتہ سرسری سا اشارہ ملتا ہے۔ اس کی شاعرانہ حیثیت کا سرے سے کوئی ذکر نہیں حالانکہ مآخذ کی ایک طویل فہرست درج کی گئی۔ معلوم نہیں اس پہلو کا ذکر ان تمام مآخذ میں موجود ہی نہیں یا دائرہ معارف میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ ذاتی طور پر بھی کسی ایسے ماخذ تک تادم تحریر رسائی نہیں ہو سکی جس میں سلطان کی شخصیت کے شعری وادبی پہلو کا سراغ مل سکتا۔ چنانچہ یہ تجتس ہنوز باقی ہے کہ اگر سلطان عربی میں قدرت کلام رکھتا تھا تو اشعار زیر بحث کے علاوہ عربی میں اس نے کیا کیا نظم کیا نیز خود ترکی زبان میں بھی شاعری کی یا نہیں۔

اب زیر غور اشعار کے مکمل عربی متن کی طرف آئیے جو ”شفاء الغواد“ میں ایوب صبری پاشا کی ”مرآة الحرین“ کے حوالے سے منقول ہے اور جس میں وہ سب اشعار اور مقامات شامل ہیں جو مٹ گئے یا اس

عاجز سے پڑھے نہ جاسکے۔ تاہم متن نقل کرنے سے پہلے چند توضیحات مناسب معلوم ہوتی ہیں۔ ”شفاء الغواد“ (صفحہ ۲۰۳) کی وضاحت کے مطابق قصیدے کے پہلے تین شعر بھی ان اشعار میں شامل ہیں جن کو رد فن پھیر کر منادیا گیا۔ موجودہ ترتیب اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تین شعر مواجہ شریف کی جانب رہے ہوں گے۔ لیکن خاکسار کو یاد نہیں آتا کہ اب اس جانب ان کے منے ہوئے ہونے کا نشان بھی نظر سے گزرا ہو۔ معلوم نہیں نگاہ یکسر ان سے چوک گئی یا اب اس طرف کچھ ایسی تبدیلی عمل میں آچکی ہے جس سے مقصودہ شریف کا پرانا حاشیہ چھپ گیا ہے۔

پانچویں شعر ”یا من تفجرت الا نهار نابعة“ کے دوسرے مصرع کا متن ”شفاء الغواد“ میں یوں ہے:

”من اصبعیہ فروی الجیش ذا العدد“

”ذا العدد“ کثیر التعداد کے معنوں میں ہے یعنی آپ کی انگلیوں سے چھوٹے والے پانی نے ایک کثیر التعداد لشکر کو سیراب کر دیا۔ یہ لفظ اس معجزے کے پس منظر میں بڑا بڑا حمل ہے البتہ اس کی جگہ اس عاجز کی براہ راست قرأت ”بالمدد“ تھی جس سے مراد وہ مزید پانی ہو گا جو اسی پانی میں مسلسل آکر ملتا رہے اور اس کی روانی کا سلسلہ کبھی کم نہ ہو۔ سورہ کھفت میں ارشاد باری ہے

”قل لو كان البحر مدادا للكلمات ربی لنفد البحر قبل ان تنفد كلمات ربی ولو جفنا بمثله مدا“ (۱۸/۱۰۹)

”کہہ دو کہ اگر سمندر میرے رب کی باتوں (کے لکھنے) کے لئے روشنائی (کے طور پر استعمال) ہو تو بالیقین سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کی باتیں ختم ہوں خواہ ہم لور ایسا ہی (سمندر) اس میں لا کر کیوں نہ ملا دیں۔“

”جزر“ کے مقابلے میں سمندر کے چڑھاؤں کے لئے ”مد“ کا جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ بھی اسی مادے سے ہے۔ چنانچہ پانی کے دفر کے مفہوم کے پیش نظر اس عاجز کی قرأت بھی بے محل معلوم نہیں ہوتی لہذا اسے آغاز کلام میں بحال برقرار رہنے دیا گیا ہے اگرچہ اس بات کا قوی امکان موجود ہے کہ اس عاجز سے پڑھنے میں کو تاہی ہوئی خصوصاً اس لئے کہ ”شفاء الغواد“ کے منقول متن کے مطابق تیسرے شعر میں جواب نظر نہیں آتا ”المدد“ کا قافیہ گزر چکا ہے اور آگے آخری شعر میں پھر آ رہا ہے۔

اس کے بعد جو پانچ شعر رد غن میں دب گئے ہیں ”شفاء الغواد“ میں ان کا بلکہ مجموعی اعتبار سے مکمل متن کا جائزہ لینے سے احساس ہوتا ہے کہ زبان و اسلوب کے اعتبار سے مدش واقعی جاچکا کچھ ست ہے جس پر لہر اجیم رفعت پاشا نے زیادہ ہی کڑا تبصرہ کر دیا ہے۔ ان اشعار میں استمداد تو تسل و غیرہ کا مضمون ہے جو دہلیہ کے نقطہ نظر سے سبب انقباض ہوا ہو گا۔ کچھ ایسی ہی صورت باقی منے ہوئے اشعار کی ہے۔

گیارہویں شعر کا آغاز "شفاء القواد" میں "رب الجمال تعالیٰ اللہ خالقه" سے ہوتا ہے۔ ابراہیم رفعت پاشا کے ہاں بھی اسی طرح منقول ہے اور مئے ہوئے اشعار کے سیاق میں اس کی گنجائش بھی زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ تاہم خاکسار نے چشم خود جو کچھ پڑھا تھا وہ "رب الجمال" کی جگہ "بذالجمال" تھا۔ وہ بھی چونکہ وزن و معنی کے اعتبار سے گنجائش رکھتا ہے اس لئے اپنی روداد میں اسے اسی طرح رہنے دیا گیا ہے۔ اس شعر کے بارے میں "شفاء القواد" (صفحہ ۲۰۴) میں یہ نوٹ دیا گیا ہے کہ اسے الگ سے حجرہ نبویہ کی جالی پر "دکۃ الاغوات" کے سامنے یعنی محراب تہجد کی جانب نقش کیا گیا ہے۔

"دکۃ الاغوات" سے مراد صفحہ شریف ہی ہے (۹)۔ "دکۃ" چوتھے کو کہتے ہیں اور "اغوات" ("فتح الغنم") "اقا" کی جمع ہے جو "آقا" کا مخفف ہے۔ یہاں "اغوات" سے مراد وہ خواجہ سرا ہیں جو ایک مدت تک مسجد نبوی کی درباری اور خدمت خصوصاً حجرہ پاک کی روشنی و صفائی کے لئے مامور رہے۔ اس سلسلہ کا آغاز نور الدین زنگی یا بقول بعض صلاح الدین ایوبی کے زمانے سے ہوا۔ (۱۰) سو برس پہلے تک یہ سلسلہ جاری تھا کیونکہ ابراہیم رفعت پاشا کی "مرآة المحرمین" میں ان خواجہ سراؤں کا نہ صرف ذکر کیا گیا ہے بلکہ بعض کی تصویریں بھی شامل ہیں (۱۱)۔ غالباً ان خواجہ سراؤں کا اجتماع صفحہ کی جانب رہتا تھا چنانچہ اسی جانب لے دروازہ سے وہ حجرہ شریف میں روشنی کرنے کے لئے داخل ہوتے تھے (۱۲)۔ اسی سبب سے صفحہ "دکۃ الاغوات" میں "خادوں کا چوترا" لکھانے لگا۔

گیارہواں شعر "شفاء القواد" میں "شفیع" کے مطابق اردو کے اشعار کے سامنے محراب تہجد کی جانب آکر جالی میں کندہ ہے تو فقیر کی توجہ اسی طرف نہیں گئی مگر خیال یہ ہے کہ شاید ایسا نہیں اور مراد اسی جانب کا وہی بالائی حاشیہ ہے جس پر باقی اشعار مقصورہ شریف کے گرد آگردد کندہ ہیں۔ مگر وہاں تو ہماری شہر میں بلکہ غالباً گلہ دو شعر بھی اسی رخ پر ہیں جن میں سے آخری دو غن سے منا ہوا ہے۔ عین ممکن ہے اس وقت کی عمارت میں وہی حصہ صفحہ کی جانب الگ سے نمایاں ہو جس پر گیارہواں شعر درج ہے۔

بارہویں شعر کے آخری تین حروف جو بہت غور کے باوجود اس وقت سمجھ میں نہ آسکے تھے "شفاء القواد" میں "ذری" درج ہے۔ چونکہ مقصورہ شریف پر ان اشعار کی خطاطی میں الف مقصورہ کو "سی" کے بجائے الف سے لکھا گیا ہے۔ مثلاً پانچویں شعر میں لفظ "ردا" جو بالعموم "روی" لکھا جاتا ہے اور چودھویں شعر میں "مدا" جس کی مانوس شکل "مدی" ہے، یہ لفظ "ذری" بھی وہاں "ذرا" درج ہے اور بھی آراؤں کی خط میں کچھ اس طرح کہ لفظ واضح نہیں الف درمیان میں آ گیا ہے۔ "ر" آغاز میں خاصی اونچی ہے اور "ذ" آخر میں۔ گویا "راذ" لکھا ہو۔ لفظ "ذری" "ذردہ" بمعنی "بلندی" یا "چوٹی" کی جمع ہے جبکہ اس مقام پر مصرع میں جمع کے سینے کی توقع نہیں ہوتی۔ ایک قیاس یہ ذہن میں آتا ہے کہ یہ اصل میں "ذری" بالفتح بھریہ واحد ہو اور اس سے مراد "جائے پناہ" ہو۔ جیسا کہ عربی میں کہتے ہیں "فلان" "ذری فلان"۔ "فلان"

فلان کی پناہ یا سائے میں ہے" یا پھر اس کا مفہوم "طبیعت" سمجھا جائے جیسا کہ نعت عرب میں آتا ہے کہ "ان فلانا لکرم الذری" یعنی "فلان طبع کریمانہ رکھتا ہے۔ واللہ اعلم۔"

اس شعر کے دوسرے مصرع میں آخری قرأت "خیر الامام" (تمام تملوق سے افضل) تھی جبکہ "شفاء القواد" میں "ذخرا لام" (سرمایہ خلق) درج ہے۔

آخری سے پہلے شعر کے آخری الفاظ "شفاء القواد" میں "لا حصر ولا عدد" ہیں۔ فقیر کا ذوق بھی یہی تھا مگر تاہم گریاد آتا ہے کہ غور دیکھنے پر بھی وہاں "بلا حصر بلا عدد" ہی سمجھ میں آیا تھا۔

آخری شعر کے مصرع ثانی کے ابتدائی حروف جو دو غن سے توجہ گئے تھے مگر پڑھنے میں نہ آتے تھے "شفاء القواد" سے معلوم ہوا کہ وہ "بحر السماع" (بحر سخاوت) تھے۔

ان معروضات کے بعد اب آخر میں ان اشعار کا کامل عربی متن جس طرح "شفاء القواد" میں ایوب صبری پاشا کی مرآة المحرمین سے منقول ہے۔ مع اردو ترجمانی کے درج کیا جاتا ہے۔ ان میں جو شعر دو غن سے منادے گئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے شعر نمبر ۱۰ تا ۱۳ اور آخری مصرع کا آخری حصہ۔ یہی تفصیل "شفاء القواد" (صفحہ ۲۰۴) میں مندرج ہے البتہ آخری مصرع کے آخری حصے کا ذکر وہاں نہیں کیا گیا۔

یا سیدی یا رسول اللہ خذ بیدی
فانت نور الهدی فی کل کائفة
وانت حقا غیاث الخلق اجمعهم
یا من یقوم مقام الحمد منفردا
یا من تفجرت الانهار نابعة
انی اذا سامنی ضیم یروعی
کن لی شفیعاً الی الرحمن من زلی
وانظر بعین الرضا لی دائماً ابداء
واعطف علی بعفو منک یشملنی
انی توسلت بالمختار اشرف من
رب الجمال تعالی اللہ خالقه
خیر الخلائق اعلی المرسلین ذری
به التجات لعل اللہ یغفر لی
فمدحه لم یزل دابی مدی عمری

مالی سواک ولا الوی علی احد
وانت سر الندی یا خیر معتمد
وانت ہادی الوری للہ ذی المدد
للو احد الفرد لم یولد و لم یلد
من اصبعیہ فروی الجیش ذال العدد
اقول یا سید السادات یا سدی
وامن علی بما لا کان فی خلدی
واستر بفضلک تقصیری مدی الامد
فاننی عنک یا مولای لم احد
رقی السموات سر الواحد الاحد
فمثله فی جمیع الخلق لم اجد
نخر الانام و ہادیہم الی الرشد
هذا الذی ہو فی ظنی و معتقدی
وحبہ عند رب العرش مستندی

عليه ازكى صلاة لم تنزل ابداء مع السلام بلا حصر ولا عدد
والال والصحب اهل المجد قاطبة بحر السماع واهل الجود والمدد
(۱) میرے آقا یا رسول اللہ میری دستگیری فرمائیے۔ آپ کے سوا میرا کوئی نہیں اور کسی کی طرف پلٹ کر
دیکھتا بھی نہیں۔

(۲) کہ آپ ہی ہر موجود میں (مضمحل) نور ہدایت ہیں اور اے بہترین نکیہ گاہ آپ ہی راز سخاوت ہیں۔
(۳) اور آپ ہی الواقعہ تمام کی تمام مخلوق کے لئے سرِ پامداد ہیں اور آپ ہی خدائے مددگار کی طرف
رہنمائے خلق ہیں۔

(۴) اے وہ کہ جو مقام حمد پر شان انفرادیت کے ساتھ استادہ ہو گا اس ذات واحد ویکتا کے سامنے جو کم یابد
کم یولد ہے۔

(۵) اے وہ کہ جس کی دو انگلیوں سے دریا پھوٹ ہے سوا اس نے کثیر التعداد لشکر کو سیراب کر دیا۔
(۶) میری کیفیت یہ ہے کہ جب کبھی کوئی ہولناک ظلم میرے درپے ہوتا ہے تو میں کہتا ہوں "اے سید
سادات! اے میرے سہارے!"

(۷) میری لغزش پر خدائے رحمان کے ہاں میری سفارش فرمائیے اور مجھے ایسی نعمتوں سے ممنون کیجئے جو
میرے خیال و گمان میں بھی نہ ہوں۔

(۸) اور مجھ پر ہمیشہ خوشنودی کی نگاہ رکھئے۔ اور ازراہ کرم بابت تک میری کوتاہیوں کی پردہ پوشی فرمائیے۔
(۹) اور مجھ پر ایسے غنوں سے شفقت فرمائیے جو مجھے ڈھانپ لے کہ اے میرے آقا میں آپ سے سرتابی کا
مرکب نہیں ہوا۔

(۱۰) میں نے (رسول ﷺ) مختار کو وسیلہ بنایا ہے۔ جو آسمانوں پر جانے والوں میں اشرف ترین ہستی ہیں۔
اور خدائے واحد ویکتا کا راز ہیں۔

(۱۱) صاحب جمال ہیں کہ جن کا پیدا فرمانے والا اللہ بزرگ و دتر ہے (۱۳) سوان کی مثال ہی میں نے کل
مخلوق میں نہیں پائی۔

(۱۲) تمام مخلوقات میں بہترین تمام رسولوں میں چوٹی کے بلند ترین سرمایہ خلق اور راہ ہدایت کی طرف
ان کے ہادی۔

(۱۳) میں نے انہیں کی پناہ لی ہے۔ شاید کہ اللہ مجھے معاف فرمائے۔ یہی میرا (حسن) ظن اور میرا عقیدہ
ہے۔

(۱۴) سوانی کی مدح زندگی بھر میرا طریق رہی ہے اور انہی کی محبت پروردگار عرش کے ہاں میرا سارا
ہے۔

(۱۵) آپ پر پاکیزہ ترین درود ہو جو تابد جاری رہے مع سلام کے بے شمار ولا تعداد۔

(۱۶) اور آل و اصحاب پر بھی جو سب کے سب صاحبانِ محمد ہیں دریا دلی کا سند رہیں مثل سخاوت و امداد ہیں۔

حواشی

(۱) لڑایم رفعت پاشا کی "مرآة الحرمین" ۱/۳۵۹ سے اس قیاس کو تقویت ملتی ہے۔ انہوں نے مسجد نبوی کے درود و دعا
بعض نقوش کی تفصیل بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھا ہے:

"وکل هذا مكتوب بالخط الجميل المحلى بعملة الذهب"
"اور یہ سب کچھ خوبصورت خط میں لکھا ہوا ہے جسے سونے کے پانی سے آراستہ کیا گیا ہے۔"

(۲) مرآة الحرمین ۱/۳۶۸

(۳) ایضاً ۱/۳۶۷

(۴) حدیۃ العارفین ۱/۲۲۹

(۵) ایضاح المکتوب ۲/۳۵۸

(۶) مرآة الحرمین ۱/۳۶۵

(۷) ایضاً

(۸) اردو دائرہ معارف اسلامیہ ۱۲/۸۳۷-۸۳۹

(۹) مرآة الحرمین ۱/۳۳۹ "و علی يساره الصفة او ذکة الاغوات" اس کے بائیں جانب صفحہ ۱۷۱ پر اخوات ہے۔

(۱۰) ایضاً ۱/۳۵۹ میں مختلف ادوار میں اخوات کی تعداد و قیمت وغیرہ کے بارے میں مفید تفصیلات ملتی ہیں۔

(۱۱) ایضاً ۱/۳۶۰

(۱۲) ایضاً ۱/۳۵۱

(۱۳) جملے کی ایک مختلف ترکیب فرض کرتے ہوئے اسی مصرع کا ترجمہ یوں بھی ممکن ہے:

"اللہ تعالیٰ جو پروردگار جمال ہے آپ کا خالق ہے۔"

کتابیات

☆ ابراہیم رفعت باشا اللوات: مرآة الحرمین مطبعة دار الکتب المصریة القاہرہ ۱۳۳۳ھ/۱۹۲۵ء
دو جلدیں۔

☆ اردو دائرہ معارف اسلامیہ: دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۳۰۰ھ/۱۹۸۰ء ۱۳۱۳ھ/۱۹۹۳ء چوبیس جلدیں

☆ اسماعیل باشا البغدادی: ایضاح المکتوب فی الذیل علی کشف الظنون عن اسامی الکتب والقنون۔

دار احیاء التراث العربی بیروت ت۔ ن عکس اشاعت استنبول ۱۹۳۵ء-۱۹۳۷ء دو جلدیں۔

☆ اسماعیل باشا البغدادی: ہدیة العارفین: اسما، المؤلفین و آثار المصنفین دار احیاء التراث العربی

بیروت ت۔ ن عکس اشاعت استنبول ۱۹۵۱ء-۱۹۵۵ء دو جلدیں۔

☆ عبد اللہ الحداد: الدر المنظوم لذوی العقول والفہوم المطبعة المیمنیة مصر ۱۳۱۵ھ

☆ عبد اللہ عباس ندوی: ذاکر حرمہ نبوی ﷺ کے اندر نقوش عربی کی چند نمایاں نقوش مجلس رضا کراچی ۱۹۹۸ء

☆ محمد بن السید علوی شفاء القواد بزیارة خیر العباد دولة الامارات العربیة المتحدة ۱۳۱۱ھ/۱۹۹۱ء

اردو حمد و نعت

فارسی روایت کے تناظر میں

ایک بالاتر ہستی کا تصور ہمیشہ انسان کے ساتھ رہا ہے۔ حیرت پذیری یا خوف زدگی کے سبب وہ کسی نہ کسی طاقت کے سامنے سر اٹھتے رہا ہے۔ تخریب کار عناصر قدرتِ اُرسائی سے بالاتر مظاہر قدرتِ بتانِ خشت و گل، دیوی دیوتا (اربابِ التوح) اس کی پرستش کا مرکز رہے۔ پھر جمالت سے علم اور بے شعوری سے تمیز و شعور کی جانب سفر کرتے ہوئے اور عرفان و عقل سے ارتقا پیدا ہونے کی صورت میں جو ماورائی اور ما فوق الفطرت ہستی اس کی کمندِ عقل میں آتی رہی وہ اس کی پرستش اور اس کے سامنے سر اٹھنے کی سے انحراف کرنا چاہا گیا۔ تاہم یہ تصور کہ ایک "ہستی" ایسی ضرور ہے جو اس کے وہم و گمان کی دسترس اور علم و خبر کی رسائی سے نہ صرف بالاتر ہے بلکہ وہ اس کی خالق اس کے ارادوں پر مختار اور حیات و کائنات کی تنظیم اور ان کی تقدیرات پر غالب ہے، ہمیشہ اس کے معتقدات میں رہتی رہی۔ اور اس نے یا تو اس مخفی ہستی کے مظاہر سے ربط عقیدت استوار رکھا اور کسی نہ کسی منظر کو اس تک رسائی کا وسیلہ جانا یا پھر اس منظر کو اس کے قدرت و اختیار میں شریک جانا۔ ہمت پرستی، بیہوشی، کثرت پرستی، مظاہر پرستی، آتش پرستی، تثلیث وغیرہ اس اعتقاد کی مختلف صورتیں ہیں۔ مختصر یہ کہ ہر اعتقاد کے پس منظر میں ایک "اللہ" کا تصور ضرور قائم رہا۔ جیسا کہ مشرکین عرب یہ مانتے تھے کہ ایک اللہ ہے جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور جو ارض و سما کا مالک ہے اور مت اس تک رسائی کا وسیلہ ہیں۔

عقیدے کا بیج جذیوں کی نرم زمین میں اگتا اور پھلتا پھولتا ہے۔ یہ جذبے اپنا اظہار چاہتے ہیں تاکہ پہنچا دیے یا پرستہ اپنے اصنام (مرکز پرستش) تک اپنی عقیدت اور چاہت کو بھر پور انداز میں منتقل کر دے اور اپنی حاجتوں کو اپنے حاجت روا کے زور و عاجزانہ پیش کر دے۔ نرم و نازک اور رقیق جذیوں کا اظہار بشری جائے شعر کی صورت میں زیادہ مؤثر انداز میں ہوتا ہے کیونکہ شعر میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ لطیف جذیوں کو بال و پر دھتلا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عموماً دنیا کی ہر زبان میں نثر سے پہلے شاعری وجود میں آتی ہے یعنی جذبے، نظر سے پہلے آنکھ کھولنے میں اور کیونکہ پرستش کا عقیدہ دور امتیاز و فطرۃ ہر انسان کے ساتھ چپکا رہا ہے اس لئے اس نے اپنے تمام جذیوں کے مقابلے میں زیادہ اپنے جذبے پرستش کو شعر کی صورت میں لباس اظہار

پنایا ہے۔ چنانچہ قدیم ادوار میں سرود، دعا، مذہبی گیت، مہین، شلوک وغیرہ اس کے اظہار کے مختلف بیج رہے ہیں۔

مختلف مذہب و عقائد عالم کے مقابلے میں دین اسلام ایک انتہائی عقیدے کے ساتھ سامنے آیا اور اس نے اللہ کی توحید خالص کا واضح عقیدہ پیش کیا جس کے سبب تمام کثیف اور شرک آور عقائد منسوخ ہو کر رہ گئے۔ تب انسانی (اسلامی) جذیوں نے اپنے اظہارِ عبودیت کے طور پر شاعری کے وسیلے حمد و مناجات کے زمرے بلند کئے اور اللہ کی روایت، خالقیت، قدرت اور دارین میں اس کی یکمائی، بے برائی اور اس کی حاکمیت و عالمیت کے نئے اپنے سازِ جاں پر لاپے۔

اس طرح حمد ایک نہایت توانا پیکر میں اور ایک منفرد و ممتاز صفتِ شاعری کے طور پر وجود میں آئی۔ عربی کی حمد اسلام کی شاعری اور فارسی شاعری کی فضائلیات حمد سے معمور ہے۔

اللہ نے اپنی رحمتِ کاملہ کی بناء پر انسان کی ہدایت کے لئے اپنے خاص بندے انبیاء مرسلین علیہم السلام بھیجے تاکہ وہ اپنے ارشاد و ہدایت سے اور اپنی سیرتِ طاہرہ اور حسن کردار سے کائناتِ انسانی کی رہنمائی فرمائیں اور بھیجے ہوئے کاروانِ انسانیت کو منزلِ ہدایت کی جانب بلائیں۔

اللہ نے صحتِ آسمانی اور معروف مذہبی کتب مقدسہ اور خصوصاً قرآن حکیم کو نازل فرمایا کہ انسان کے لئے صراطِ مستقیم اور منزلِ محمود متعین فرمائی اور انبیاء علیہم السلام کو داتاؤں مختلف اقوام و ملل اور مختلف ادوار و ازمینہ میں بھیج کر عالمین اور خصوصاً عالمِ انسانی کی خیر و صلاح اور فوز و قلاخ کے سامان بہم پہنچائے۔ انبیاء علیہم السلام عبید و معبود کے مابین رابطے کا وسیلہ ہیں۔ انہی نفوسِ قدسیہ کی مدد سے کمر او انسان ہدایت یاب ہوا۔ اس نے کفر، شرک اور باطل پرستی سے دامن چھڑا کر اللہ سے اپنا رشتہ اطاعت و عبودیت قائم کیا اور اپنی دنیا اور عقبی سنواری۔ اللہ کے بعد یہی محسنینِ انسانیت ہیں جن کا بار احسان ہر انسان پر ہے۔ یقیناً جذباتِ عقیدت کا دوسرا مرکز و محور یہی مرسلین ہیں اور یقیناً ہر دور میں ہر امت کے افراد نے ان کی عقیدتوں کے نازک جذیوں کا اظہار مدح و ثناء کے شاعری پیرایوں میں کیا ہوگا۔

حضرت محمد ﷺ سید الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین، وجہ تخلیق کائنات، منجز موجودات، رحمت اللعالمین اور ہادی حیات و کائنات ہیں۔ آپ خیر البشر ہیں اور آپ کی امت خیر الامم۔ آپ پر نازل ہونے والا کامِ الہی تمام ادوار کے لئے دستور کائنات اور منشور حیات ہے۔ آپ ہی پر الیوم اکملت لکم دینکم کی آیتِ حکم نازل ہوئی اور آپ ہی دین اسلام کے پیغمبرِ آخر الزماں کے طور پر تشریف لائے۔ اللہ ملائکہ، جن و انس، ہمہ مخلوقات، تمام ارض و سماء، دنیا اور مافیما آپ پر درود و سلام پڑھتی ہے اور آپ کی مدح و ثناء میں مشغول ہے۔ حضور پاک ﷺ کی شان میں ادا ہونے والے منظوم جذبے، نعت کہلاتے ہیں۔

عرب کی حمد اسلام کی شاعری زمرہ ہائے نعت و ثناء سے معمور ہے۔

اللہ کی توحید پر ایمان رکھنے والے اور حضور پاکؐ کے کلمہ گو دنیا کے ہر ملک میں موجود ہیں۔ یقیناً دنیا بھر کی بے شمار زبانوں میں حمد الہی اور نعت محمدیؐ کے ذخیرے کے ذخیرے جمع ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے اور رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

اردو زبان کی شاعری زیادہ تر عربی اور فارسی شاعری سے اثر پذیر ہوئی ہے۔ عربی شاعری کا براہ راست اثر مقدار کے اعتبار سے کم ہے جبکہ یہ اثر بالواسطہ طور پر فارسی شاعری کے حوالے سے ہوا ہے۔ اس کے مقابلے میں اردو شاعری فارسی شاعری سے براہ راست اور کثیر مقدار میں متاثر ہوئی ہے۔

عربوں نے بہت سے ممالک کو فتح کیا اور مفتوحہ ممالک کے علوم و فنون اور تہذیب و تمدن پر گہرا اثر انداز ہوئے بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہو گا کہ وہ مفتوحہ ملکوں کے ذہن و فکر کو اپنے اندر جذب اور ان کے علمی و ادبی ذخائر کو اپنے علوم و فنون میں محو کرتے چلے گئے۔ مخالف ایران کے جس کی تاریخ و تہذیب پر زیادہ پر شکوہ زیادہ پائیدار اور گیرائی اور گہرائی کی صفات سے آراستہ تھی۔ چنانچہ تہذیبی علمی اور ادبی تاریخ بتاتی ہے کہ ایران نے عرب کے علوم و فنون کے معتدبہ حصے کو اپنے اندر جذب کر لیا اور اپنے مزاج کے رنگ میں رنگ لیا۔ ایک تو ایران پہلے ہی فکری سرمایے کے اعتبار سے مالا مال تھا دوسرے ات عرب کی پیش بہاد دولت علم ہاتھ لگی تھی۔ اس لئے اس کے تہذیبی اور فکری خزانے نہایت وسیع ہو گئے۔ فارسی تراجم کی شکل میں عربی علوم و ادبیات کو منتقل کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے خود بھی اسلامی تقاضوں کے مطابق تخلیق، تنقید اور تحقیق کے ذخائر کے ذخیرے لگادیے۔

ایران کی حدود سلطنت کیونکہ بہت وسیع تھیں اور پھر وہ ذوق عمل سے سرشار اور فتح و ظفر مندی کے خواہاں تھے اسلئے وہاں کے باشندوں نے قبول اسلام کے بعد جن ممالک کو فتح کیا وہاں کے علوم و فنون، تہذیب و معاشرت اور طرز احساس پر وہ اثر انداز ہوتے چلے گئے۔

ان فاتحین اسلام نے برصغیر میں اپنی حکومت کی جزیں مضبوط کیں۔ ہزاروں باشندے نئے مفتوحہ علاقوں میں آباد ہو گئے۔ ان کی زبان فارسی تھی۔ ان کی بول چال، نوشتہ و خواندہ اور مفتوحہ ملک کے مقامی باشندوں سے ان کے روابط کا وسیلہ فارسی زبان ہی تھی اس لئے یہی زبان اپنی تمام خصوصیات و لوازمات کے ساتھ پھیلتی اور سب کو اپنے ہی رنگ میں رنگتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ایک طرف تو یہ نوواردین فارسی زبان میں لکھتے پڑھتے اور ادب تخلیق کرتے تھے۔ دوسری طرف ان کے اثر و نفوذ کے باعث مقامی باشندوں کی سوچ اور انداز کا ذریعہ بھی یہی زبان فارسی بنی۔

فارسی زبان اپنی شاعری روایت کا ایک طویل دور طے کر چکی تھی۔ قبل از اسلام بھی ایران کی اپنی شاعری روایت نہایت مضبوط دور رس اور ہمہ گیر تھی اور اسلام کے بعد یہ روایت زیادہ پر شکوہ اور زیادہ با عظمت انداز میں پیش رفت کرتی رہی۔ فارسی شاعری میں تقریباً ہر موضوع پر متنوع مضامین و افکار کے

تخلیقی ذخیرے موجود تھے اور مختلف عصری مفکریات کے مطابق انہوں نے اس روایت کو زیادہ زرخیز بنایا تھا اور جذبہ فکر کے قریب قریب ہر موضوع اور انسان کی فردیت اور اجتماع کے قریب قریب ہر پہلو پر بے شمار نادر اور دلکش اسالیب کی صورت میں تخلیقی عمل کے مظاہر فراہم ہو چکے تھے۔ انہی میں حمد و نعت کے پیش بہا جواہر تھے جو تخلیق کے خزانوں میں پڑے دمک رہے تھے۔

بے شمار تاریخی، تہذیبی، تمدنی، ثقافتی اور معاشرتی عوامل کے باعث اردو شاعری نے آغاز ہی سے فارسی کی شاعری روایت کو من و عن قبول کر لیا اور فارسی شاعری کے تمام فنی اور تخلیقی تجربوں میں اپنے آپ کو جذب کرتی چلی گئی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ عربی شاعری تو چند قلیل موضوعات و مضامین سے زیادہ اثر نہ ڈال سکی جبکہ ہم نے اردو شاعری کو فارسی کی روایت میں اتنا رنگا کہ دونوں شاعری روایتیں ہم رنگ ہم آہنگ ہو کر رہ گئیں بلکہ ایک جان و دو قالب کی بات زیادہ چست ہے۔ فارسی شاعری روایت سے اردو شاعری نے کیا کچھ نہیں لیا۔ اوزان و نحو تقریباً تمام شاعری اصناف اور ان کی (فارسی میں) مراد و معنی میں زبان و بیان (Style)۔ حقیقی و مجازی پیرایے، تشبیہات کا نظام، استعارات، اساطیر، تلمیحات، موضوعات، مضامین و افکار، بلکہ یوں کہنے کے طرز احساس اور نظام خیال میں اتنی زبردست مشابہت و مماثلت ہے کہ صرف زبانوں کا فرق ہے ورنہ معنوی وحدت اور باطنی یکسانی اختیار رہے کی ہے۔

باقی اصناف شاعری کی طرح حمد اور نعت بھی فارسی شاعری روایت سے پوری طرح متاثر ہے۔ ایران میں جس طرح حمد و نعت، بعض اصناف کے درمیان مکمل مل کر اپنی پوری وحدت کے ساتھ الگ بیعت میں (مثلاً غزل یا نظم کی فارم میں) وجود پذیر ہوئی۔ تصوف اور فلسفے کے مکاتب نے ایران کے فکری نظام اور جذباتی رویے کو جس جس شکل میں متاثر کیا، اردو حمد و نعت نے بھی اس کی تقلید کی سنت ادا کی۔ ہمیں تسلیم ہے کہ ہند کی سر زمین میں یہاں کے مخصوص کلچر اور مقامی رنگ نے بھی جزوی طور پر حمد و نعت کو متاثر کیا لیکن یہ کمزور سایا جزوقتی سا تاثر فارسی کی مسلسل و متواتر اور توانا شاعری روایت کے قوی اثرات کو معطل نہیں کر سکا۔ چنانچہ یہ ضروری ہے کہ اردو حمد و نعت کے تخلیقی ذخیرے کو (آغاز سے عصر رواں تک) فارسی شاعری روایت کے حوالے سے دیکھا اور پرکھا جائے۔ اگرچہ نعت پر یونیورسٹیوں کی سطح پر تحقیقی کام ہو چکا ہے اور حمد پر بھی تحقیق کا آغاز ہو چکا ہے لیکن دونوں اصناف میں یعنی حمد و نعت کے تحقیقی عمل میں یہ اہم اور وقیع رخ نظر نہیں ہے کہ فارسی کی توانا اور مسلسل شاعری روایت نے اردو حمد و نعت کے مزاج پر کیا کیا اثرات مرتب کئے ہیں اور اس روایت کی برکت سے حمد و نعت کے تخلیقی سرمایے میں کس قدر وقیع اور بے بہا نسل و جواہر کا اضافہ ہوا ہے۔ اور یہ سلسلہ تخلیق اپنی درکات و ثمرات کے ساتھ آج بھی جاری و ساری ہے۔

قصیدہ بردہ کے اردو منظوم تراجم

قصیدہ عربی لفظ ہے جس کے معنی گاڑھا مغز کے ہوتے ہیں۔ علم الشعر میں یہ ایک صنف شاعری ہے جو اپنی صغلی شناخت کے لئے موضوع اور ہیئت کے تابع ہوتی ہے۔ فارسی/اردو ادب میں غزل قصیدے ہی کے بطن سے پیدا ہوئی۔ لہذا ہیئت اور مزاج کے اعتبار سے بڑی حد تک غزل اور قصیدے میں مماثلت پائی جاتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ غزل میں شوخیانہ خیال آرائی کو ایک مقام حاصل ہے جبکہ قصیدے میں نادر و پُر شکوہ مضامین ہی کا التزام کیا جاتا ہے۔ علم الصرف میں لفظ ”قصیدہ“ کو قصد سے مشتق بنایا گیا ہے جس کے معنی ارادے کے ہیں کہ شاعر ممدوح کی مدح و توصیف بیانی اکثر بلا ارادہ نہیں کرتا۔ لیکن میری اپنی دانست میں قصیدے کی یہ اشتقاقی توجیہ غیر شاعرانہ ہے کیونکہ قصیدے کے مضامین پُر شکوہ ہوتے ہیں۔ اس کے الفاظ میں شوکت، معنی میں ندرت اور بندش میں چستی ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس کا ممدوح بزرگ و محترم ہوتا ہے۔ پس ایسی مہتم بالشان صنف کو ارادے اور قصد کے تابع کرنے سے اس میں ”آورد“ کا عیب پیدا ہو جاتا ہے، جو خالص ہونے پر طبع سازی کے مصداق ٹھہرے گا۔

فنی نقطہ نظر سے تشبیب گریز مدح اور اظہار مدعا یہ قصیدے کے عناصر اربع کہلاتے ہیں۔ ان کی اساس ہی پر قصیدے کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ ان میں پیدا ہونے والا جمول اور ستم قصیدے کے حسن و جلال کو بحد کر دیتا ہے۔ اس لئے عربی قصیدے میں ان عناصر کو بڑے فنکارانہ انداز میں اپنایا گیا ہے۔ فارسی اور اردو شعراء نے اس فن میں اپنے خلاق تخیل سے زیادہ عربی شعراء کی تقلید کو ترجیح دی ہے۔ ہاں! کہیں کہیں اردو قصائد میں مقامی اثرات کی جھلک صاف دکھائی دیتی ہے۔ جیسے حسن کاکوروی کا قصیدہ ”مدح خیر المرسلین“ کہ اس میں ہندوستانی فضا، مقامی تہذیب اور یہاں کی اساطیری روایات کی بچی کاری نہایت عمدگی سے کی گئی ہے اس کی

تشبیب ضمیاتی ہے۔

”گریز“ یہ تشبیب مدح کو جوڑنے والی کڑی ہوتی ہے۔ دو طلحہ مضامین کی گریز کی وجہ سے باہم مربوط ہو جاتے ہیں۔ گریز کا شعر بڑا کھٹکی اور شاعر کی فنی مہارت کا عمدہ نمونہ ہوتا ہے۔ علم الشعر میں اسے دو سرکش میلوں کو ایک جگہ میں جوڑنے کے معنی میں لیا گیا ہے۔ یہ اگرچہ ایک شعر ہوتا ہے لیکن قصیدے کے حسن کی جان ہوتا ہے۔

مدح قصیدے کا تیسرا عنصر ہے۔ شاعر اپنے ممدوح کی نامستری کے جوہر اس میں دکھاتا ہے۔ اور ممدوح خوش ہو کر شاعر کو انعام و اکرام سے نواز دیتا ہے۔ بعض اوقات مدح میں نہایت مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے کہ ممدوح کی اصل شخصیت اور اس کے اوصاف فوق البشریت سے بھی تجاوز ہو جاتے ہیں۔ یہ عمل ایک طرف فنی حیثیت سے صنائی کے ذمے میں آتا ہے تو دوسری طرف نفسیات کی رو سے غیر فطری بھی ہوتا ہے۔ چوتھے عنصر ”حسن طلب“ ہیں شاعر اپنے ممدوح سے صلہ کا طلب گار ہوتا ہے۔ وہ ممدوح سے اس کی شایان شان مالی منفعت اور عزت و اکرام کا سوال کرتا ہے اور دعا دیتا ہوا اپنے قصیدے کو ختم کرتا ہے۔

سلاطین و امراء کی مدح و ستائش کے حامل قصائد کی نسبت نعتیہ قصائد میں عقیدت کی فراوانی ہوتی ہے اور تقدس کا رنگ غالب رہتا ہے۔ شاعر حب رسول میں آپ کی مدحت سرائی اور آپ کی شان ارفع کے بیان میں وارفتگی شوق کے ایسے نادر نمونے اپنے قصیدوں میں پیش کرتا ہے کہ زبان پر یک لخت ”سبحان اللہ“ کے الفاظ متحرک ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ نعتیہ قصائد میں بھی بعض اوقات غلو کی وجہ سے حفظ مراتب کا خیال رکھا نہیں جاتا اور عبد و متبوع کے فرق کو مٹانے کی دانستہ کوششیں ہوتی ہیں لیکن عربی قصائد اس عیب سے یکسر پاک نظر آتے ہیں۔ وہاں رسالت اور ربوبیت میں حد فاصل قائم رکھنے کے لئے جتن کئے گئے ہیں خود حضور نے بعض قصائد میں اس حد کو قائم رکھنے کے لئے اصلاح فرمائی ہے۔

عربی کے نعتیہ قصائد میں قصیدہ بابت سعاد کے بعد ابو صری (م ۳۹۶ھ / ۱۲۹۷ء) کے قصیدہ اللکواکب الدریتہ فی مدح خیر البریۃ کا مقام بلند ہے۔ اس قصیدے کو شہرت ”قصیدہ بردہ“ کے نام سے ملی۔ جہاں اس کی ادبیت کو تسلیم کیا گیا وہاں تعویذ، گندے میں اس کے اشعار استعمال کر کے اس کی فضیلت کو بھی منوا لیا گیا ہے۔ اردو زبان میں اس کے بہت سارے نثری و منظوم تراجم ہوئے ہیں۔

اپنی بساط بھر کوششوں سے مجھے درج ذیل منظوم اردو تراجم دستیاب ہوئے ہیں۔
۱۔ تاریخی ترتیب کے مطابق اردو میں تاحال پہلا منظوم ترجمہ اشرف کا ہے۔ اشرف کا نام گرامی

سید عبدالفتاح اشرف علی تھا۔ وطن مالوف ان کا نامک جسے اس وقت گلشن آباد کہا جاتا تھا۔ ان کے والد سید عبداللہ حسینی تھے۔ معاصرین علماء میں سے اشرف کو مولوی سید میاں سورتی، مآ مفتی عبدالقیوم کابلی، مولوی ظلیل الرحمن رامپوری، فضل رسول بدایونی، مولوی محمد اکبر کشمیری اور مفتی عبدالقادر تھانوی وغیرہ جیسے جید علماء کرام سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ اشرف کے مذہبی کارہائے نمایاں بہت سارے ہیں جن کے پیش نظر انگریزوں نے انہیں خان بہادر اور "جنس آف پیس" کے خطبات سے نوازا تھا۔ خاندیش کے کسی ضلع میں آپ منصب افتاء پر فائز ہوئے بعدہ ۱۲۸۳ء میں افسن ہائی اسکول کی ملازمت اختیار کی اور وفات تک اس فرائض منصبی کو ادا کرتے رہے اشرف کی علمی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ انہوں نے فتاویٰ، سیرت، تاریخ کے علاوہ علوم متداولہ میں بھی کئی کتابیں تصنیف کیں۔ انہیں شاعری میں بھی کافی ملکہ حاصل تھا۔ "اشرف الا شعار" ان کا نعتیہ دیوان ہے۔ اس میں عربی فارسی اور اردو ہر تینوں زبانوں میں شاعری کی مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی گئی ہے۔ اس دیوان میں قصیدہ بردہ کا منظوم ترجمہ بھی ہے جسے انہوں نے نہایت اہتمام سے نقل کر کے مولانا محمد صدیق ملتانی ثم احمد گگری کی خدمت میں بھیجا تھا۔

یہ ترجمہ نہایت رواں داسل ہے۔ بھرتی کے اشعار سے یکسر پاک ہے۔ عربی متن کے مطابق ہی اردو کے اشعار ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ہاں! کہیں کہیں عربی متن کے معنی و مفہوم ایک شعر میں نہ سامنے کی صورت میں انہوں نے دو اشعار میں مفہوم کو سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ خاص وصف اس ترجمہ کا یہ ہے کہ یہ قصیدے ہی کی ہیئت میں لکھا گیا ہے اور ایک ہی ردیف کو آخر تک برتا گیا۔ یومیری کا قصیدہ عربی اصطلاح میں "قصیدہ صمیمیہ" ہے تو یہ ترجمہ "نونیہ" ہے پابندی ردیف کی وجہ سے اکثر نقش اول کا مضمون نقش ثانی میں پیش کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے لیکن شاعر نے بدرجہ اتم اس کا نباہ کیا ہے۔ اور قصیدے کی اصل روح کو ترجمہ میں پیش کرنے کی سعی فرمائی ہے۔ انہوں نے ترجمہ کو نفس مضمون سے قریب تر کرنے کے لئے بعض جگہ ایسے الفاظ بھی استعمال کئے ہیں جو یومیری کے اشعار میں نہیں ہیں۔ مثلاً

یا لاء می فی الہوی العزری معزرة

منی الیک ولو انصفت لم تلم

اس شعر میں نہ لفظ "جنوں" آیا ہے نہ "عاشق" نہ "ہجر" کی کیفیات کا ذکر ہے۔ شعر کا ترجمہ ہوگا کہ "اے میرے ناصح! (ملامت کرنے والے) ایک پاک محبت پر میری تجھ سے معذرت ہے۔ حالانکہ اگر تو انصاف کرتا تو کبھی ملامت نہ کرتا" اشرف نے شعر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

نا صحابہ! کب تک ملامت، عذر مجنوں ہو قبول
ہجر میں عاشق کے دل کو کب رہے تاب و تواس
اس شعر کے متعلق ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی رقمطراز ہیں

"پاک محبت جس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے وہ "لب العذری" ہے۔ اس ترکیب کا ایک خاص پس منظر ہے۔ ہو عذرہ نامی یمن میں ایک قبیلہ تھا۔ جس میں عربی کے متعدد شعراء پیدا ہوئے۔ جن کا مشترکہ وصف یہ تھا کہ ان کے اشعار میں سوز و گداز بہت ہوتا تھا۔ وہ محبوب کے جسمانی قرب و وصال کے تمننی نہیں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ مشہور ہو گیا کہ "ہو عذرہ" کے قبیلہ میں جو عاشق ہوا وہ اپنے محبوب پر پروانہ دار نفا ہوا گیا۔ اور کبھی ہوس نامی کے قریب نہیں گیا۔" (عربی میں نعتیہ کلام: لکھنؤ ص ۱۱۸)

اشرف نے لفظ "لامم" (ملامت کرنے والا) کا ترجمہ "ناصح" کیا ہے۔ وہ اس لئے کہ اردو شاعری میں محبت میں آڑ پٹنے والا کردار 'ناصح' یا 'واعظ' ہی ہوا کرتا ہے۔ یہاں انہوں نے عربی شاعری کی ادبی روایت کے بالقابل اردو شاعری کے مزاج کو ترجیح دی ہے۔ اس پس منظر میں اشرف کا ترجمہ عربی کے اصل شعر سے قریب تر ہے۔ تعریف لفظی کی ایسی مثالیں اشرف کے یہاں محض عربی مفہوم کو اردو مزاج کے مطابق ڈھالنے کی دانستہ کوشش کا نتیجہ ہیں۔ وگرنہ سہاٹ ترجمہ شعر کے اصل معنی کو واضح نہیں کر سکتا۔ ردیف و قوافی کو بھاننے کے لئے بھی انہیں مجبوراً بھرتی کے الفاظ و مصارع استعمال کرنے پڑے۔ مثلاً

ظلمت سنة من احی الظلام الی

ان اشتکت قد ماہ الضر من ردم

و شد من مغب احشاء و وطوی

تحت الحجارة کشحا مترف الادم

ان اشعار کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اس ذات گرامی کی راہ ہدایت پر ظلم کیا جو راتوں کو بیدار رہا کرتے تھے۔ اس حد تک کہ آپ کے پائے مبارک پر درم آجلیا کرتا تھا۔ جس نے بھوک کی شدت کو دبانے کے لئے اپنے پیٹ کو باندھا اور اپنی کمر کے اوپری حصہ پر جس کی جلد انتہائی نازک تھی پتھر رکھا۔ اشرف نے ان دونوں اشعار کا ترجمہ اس طرح کیا ہوا ہے۔

میں نے سستی کی بڑی سنت میں حضرت کی سدا جو کہ ہے ختم الرسل جس الہدیٰ شاہ شاس
تھا قیام شب کہ بیدوں پر درم آتا بہت سنگ باندھے بر شکم لور شکر میں جاری زبان
یہاں دوسرا مصرع غیر ضروری ہے اور چوتھے مصرع کے حشو ضرب میں آئے الفاظ

تقریب لفظی میں آتے ہیں۔ اشرف نے اپنا دیوان اشرف الاشعار ۱۲۷۹ھ میں ترتیب دیا تھا۔ جامع مسجد بمبئی کے کتب خانے میں جو مخطوطہ ان کے دیوان کا ہے اس کے خاتمہ میں درج ہے۔

مرتب ہوا دیوان مدح احمدی اشرف

کما ہاتف نے یہ ہے اشرف الاشعار سید کا

اس مصرع تاریخ سے ۱۲۷۹ھ مستخرج ہوتے ہیں۔ یہ مخطوطہ جس میں دس قصائد فارسی کے اور دس اردو کے ہیں پہلا قصیدہ قہیدہ بردہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ "اشرف الاشعار" کئی بار طبع ہو چکا ہے راقم کے سامنے اس وقت مطبع گلزار حسنی بمبئی سے ۱۳۲۳ء میں چھپا قدیم نسخہ ہے۔ اس میں قہیدہ بردہ کے منظوم ترجمہ کے آخر میں اشرف نے مادہ تاریخ کے شعر درج کئے ہیں۔

جب قہیدہ بردہ کا توفیق سے اللہ کے داخل غفراں مترجم بھی طفیلی بن گیا باعث رحمت ہے اشرف آج تک ذکر نئی ۱۲۸۰ھ میں مکمل ہوئے قہیدہ بردہ کے ترجمہ کی شمولیت ۱۲۷۹ھ میں ترتیب دیئے گئے دیوان "اشرف الاشعار" میں قابل غور ہے۔ ہو سکتا ہے مطبوعہ نسخے کے اشعار بعد کا اضافہ ہوں جسے شاعر نے کسی اور نسخے کے لئے تخلیق کئے ہوں اور اسی نسخہ کی طباعت عمل میں آئی ہو۔ بہر حال جامع مسجد بمبئی کے مخطوطہ میں اشرف کے قہیدہ کا موجود ہونا اس کے تخلیقی سال کو ۱۲۷۹ھ سے پہلے کا ثابت کرتا ہے۔

۲۔ تقدم زبانی کے لحاظ سے قہیدہ بردہ کا دوسرا منظوم ترجمہ "قہیدہ بردہ سعید ترجمہ مفید" ہے۔ یہ ترجمہ بھی قہیدہ ہی کے فارم (بیٹ) میں لکھا گیا ہے۔ اس کی ردیف "رے" ہے اس لئے عربی محاورے کے لحاظ سے یہ "قہیدہ رائیہ" کہلائے گا۔ اس منظوم ترجمے کے شاعر صوبہ مہاراشٹر میں ضلع پر بھنی کے متوطن مولوی عبدالرحمن مفید صاحب ہیں۔ یہ ضلع بڑا مردوم خیر ہے اور ادب کی نشوونما میں یہاں کی زمین بڑی زرخیز واقع ہوئی ہے۔ مفید نے پر بھنی میں ہی اسے مکمل کیا۔ انیسویں صدی کے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے ان کا یہ ترجمہ نامور تاج پریس حیدرآباد سے ۱۹۲۵ء میں طبع ہوا تھا۔

مفید کا ترجمہ سہل انگاری سیدھا سپاٹ انداز بیان اور غیر عالمانہ زبانی کا عمدہ نمونہ ہے۔ انہوں نے دو راز کار تشبیہات، ایہام اور لبلاغ جیسی صنائع سے معنی و مفہوم کو خبط ہونے سے چھایا

ہے۔ گنگلک تراکیب لفظی سے بھی انہوں نے پرہیز کیا۔ طبیعت کی چھپ ڈالنے کے لئے انہوں نے عالمانہ زبانی استعمال نہیں کی پھر بھی مدثر الفاظ نہایت حترتم استعمال کئے ہیں۔ اگرچہ ترجمہ اصل کے بالمثل ثانوی حیثیت ہی کا حامل ہوتا ہے لیکن مفید کے ترجمے کی روانی قاری کو اصل کا مزادیتی ہے بومیری کے قصیدے کے پہلے دو اشعار کا رواں دواں ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

امن تذکر جیوان ہندی مسلم یاران ذی سلم کی کیا یاد نے بھر
مزجت رمعا جرای من مقلہ ہلم آلودہ خون دل میں ہیں جو آنسوؤں کے بحر
ام ہبت الريح من تلقاء کاظمہ یا کالہ سے آتے ہیں جمو کے نسیم کے
او اومض البرق فی الظلماء من اضم کوہ ضم سے برق ہے غلٹ میں آفکھ
(مفید)

شاعر نے بعض مؤثر اور زود اثر صنائع لفظی و معنوی کا استعمال کیا ہے جس سے "ترجمہ پن" کی گراہی کم ہو کر شاعری حسن و معنوی وسعت میں اضافہ ہوا ہے۔ مفید نے بومیری کے شعری محاسن کو جوں کے توں اپنے اشعار میں ڈھالنے کا جتن بھی کیا ہے۔ ساتھ ہی اردو مزاج کا بھی پورا خیال رکھا ہے۔

جاء ت لدعوتہ الاشجار ماجدة

تمشی الیہ علی ساق ہلاء فلم

کا ترجمہ انہوں نے اس طرح کیا ہے۔

اشجار حکم پاتے ہی سجدہ کہاں ہو

بے پاؤں ہو گئے وہ رواں سوئے شر یار

بلا قدم کا ترجمہ مفید نے بے پاؤں کیا ہے۔ بے پاؤں چلنا قبیل حکم میں مستعدی دکھانے کا محاورہ ہے۔ اس اردو محاورے کو عین عربی کے مطابق مفید نے استعمال کیا ہے۔ پھر ایک اور لفظ "بوسے" کا استعمال انہوں نے ایہام کے پردے میں کیا ہے جس سے یہ لفظ ذو معنی ہو گیا ہے۔ ایک معنی میں بوسنے سے مراد "آگے آنا / چلنا" ہے اور دوسرے معنی میں بوسنا یعنی "پروان چڑھنا" بھی ہوتے ہیں۔ بومیری کے یہاں "اشجار" (جمع کا صیغہ) کا جہاں استعمال ہوا ہے اس کے لئے اشرف نے "بھاڑ" (واحد کا صیغہ) کا لفظ استعمال کیا تھا۔ بومیری نے "بلا قدم" درخت کی صفت بتائی تھی لیکن اشرف نے اسے "بے زباں" سے بدل دیا۔ اگرچہ یہ ایسی صورت شعر کے معنی واضح ہو جاتے ہیں لیکن ترجمہ کا حق ادا نہیں ہوتا۔ اشرف نے بومیری کے شعر کا ترجمہ اس طرح کیا تھا۔

آپ کے فرمان سے آیا جھاڑ چل کر دور سے
ہے جا لایا وہ سجدہ سامنے آ بے زبلاں
مفید نے بومیری کے شعر

فروعها من بدیع الخط فی اللقم
مثل الغمامة انی سار سائرة

کو معنوی لحاظ سے اوپر والے شعر سے مربوط کر دیا ہے۔ اور آپ پر بادلوں کے سایہ
لگن رہنے کی مستقل روایت کو شجر کے چلنے والی روایت سے جوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے شعر کے
معنی میں جھول پیدا ہو گیا ہے اور روایت میں انحراف کی وجہ سے روح نعت مجرد ہو گئی۔ مفید
نے اس شعر کا ترجمہ اس طرح کیا۔

مانند لہ سایہ لگن تھے حضور پر
تا ہو نہ سخت دھوپ کی گرمی سے اضطراب

اشجار والے شعر سے مربوط بنانے کی وجہ سے اب معنی کچھ اس طرح ہوں گے۔ شجر
جو آپ کے حکم سے چل کر آتے تھے مانند لہ آپ پر سایہ لگن رہتے تھے یہاں دو مستقل علاحدہ
علاحدہ روایتوں کو باہم مربوط کر دینے کی وجہ سے شعر کے معنی مفید کے یہاں خبط ہو گئے ہیں۔

تصیّد بردہ دس ابواب اور ایک سو پینسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔ نویں فصل میں طلب
مغفرت اور شفاعت رسول کا بیان ہے۔ ابو صیری اس باب میں اپنی پچھلی زندگی پر حسرت کناں
ہیں۔ اس ضمن میں جو اشعار آئے ہیں ان میں رقت و زاری اور شیون و انسوس ہے۔ اس لئے اس
میں دل سوزی اور دل گرفتگی کے جذبات کی عکاسی ہوئی ہے۔ ترجمہ کے اشعار میں ان جذبات کو
آئینہ دکھانا بڑا مشکل کام ہوتا ہے لیکن مفید نے اس باب کے تمام اشعار میں وہی رقت و زاری پیدا
کرنے کی کوشش کی ہے۔ اپنے معاصی اور گناہوں پر اظہار تاسّف اور طلب مغفرت میں جتنا
تضرّع ان کے یہاں ہے شفاعت رسول کی امید اس سے کچھ زیادہ ہی دکھائی دیتی ہے مفید فرماتے
ہیں۔

تاریف میں امیروں کی گزری تمام عمر نا اہلوں پر کئے در شعر و سخن نثار
ہوتی تھی صرف خدمت شاہی میں زندگی جن خدمتوں کا محض خوشامد پہ تھا مدار
لکھی ہے اس امید پہ اب نعت مصطفیٰ ہو سر فراز عنو معاصی سے خاکسار
مفید کے یہ اشعار ابو صیری کے اشعار کا چہرہ معلوم ہوتے ہیں۔ اشعار میں ایسی
مطابقت ان کے کامل الفن ہونے کی گواہی دیتی ہے۔

۳۔ ادھر آزادی کے بعد پاکستان میں مذہبی شاعری کو کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور بے شمار نعتیہ
مجموعے منظر عام پر آئے ہیں۔ نعت گوئی اور نعت خوانی کی محفلیں ہر سو بٹائی جاتی ہیں اور مجالس
میلاد کا بھی خاصا اہتمام کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اردو میں نعتیہ شاعری کو بڑا فروغ حاصل ہوا۔
ایسے مذہبی ادبی ماحول میں فروغ احمد نے تصیّد بردہ کا منظوم ترجمہ ”نوائے بردہ“ کے عنوان سے
کیا جو ۱۹۷۵ء میں ادب اسلامی پبلیکیشنز لاہور کے زیر اہتمام نہایت آب و تاب سے شائع
ہوا۔ فروغ احمد نے اولاً اس کا نام ”تمنّہ ایمان“ رکھا تھا لیکن مواد کے کم ہو جانے کی وجہ سے از
سر نو ترتیب دے کر اس کا نام ”نوائے بردہ“ رکھا۔ اس ترجمہ کے لئے انہوں نے حنیف جالندھری
کے ”شاہنامہ اسلام“ کی بحر استعمال کی۔ یہ ترجمہ تصیّد کی ہیئت میں نہیں ہے بلکہ فروغ احمد
نے اسے مثنوی کا ہیروایہ عطا کیا ہے۔ ہر شعر میں مختلف ردیف و قافیہ ہونے کی وجہ سے نفس
مضمون کے تقاضہ کے مطابق الفاظ کا استعمال کرنے میں سہولت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ اشرف
اور مفید کے ترجمہ کی بہ نسبت فروغ احمد کے ترجمے میں تخیل و انکار کی وسعت کچھ زیادہ ہی
دکھائی دیتی ہے۔

فروغ احمد نے عربی محاوروں کی ترجمانی کرنے میں بڑی عرق ریزی سے کام لیا ہے۔
مثلاً ایک جگہ عربی محاورے کے مطابق گھاس چرنے کی بات کو ابو صیری نے باندھا ہے تو اس کی
ترجمانی اردو کے مزاج کے مطابق کرنے میں فروغ احمد کو اپنے ذوق و وجدان کی کڑی آزمائش سے
گزرنا پڑا بالآخر انہوں نے شعر کا ترجمہ اس طرح کیا۔

چراگاہ ہوس میں دل کی لازم ہے نگہبانی کہ حد سے آگے بڑھ جائے نہ اس کی توئے جوانی
اشرف نے ابو صیری کے اسی شعر کو اردو کا جامہ یوں پہنایا ہے۔
نفس کو تابع بنانا ہو عمل میں راہ دار
ناز پروردہ ہوا تو ہے عذاب جاوداں

اب اس کا نثری ترجمہ ملاحظہ فرما کر خود ہی فیصلہ کیجئے کہ نفس مضمون سے کس کا
شعر قریب تر ہے۔ اردو نثر میں شعر کا مطلب ہوگا۔ ”اور ذرا نفس کی دیکھ بھال اس حال میں بھی
کرتے رہو جب وہ اعمال صالحہ کے انجام دینے میں منہمک ہو۔ اور اگر یہ دیکھو کہ میدان میں
”چرنا“ اس کو بھلا لگنے لگا ہے تو پھر اس کو اس میدان میں نہ چراؤ۔“ یہاں اس نکتہ کی وضاحت
میں مجھے تامل نہیں کہ شمالی ہند کی اردو میں اگرچہ محاورہ نہیں ہے لیکن اردو میں ”چرنا“ آج بھی
محاورہ استعمال ہوتا ہے اور یہ عین عربی محاورہ کے قریب ہے فرق صرف اتنا ہے کہ دکن میں چرنا
طنز استعمال ہوتا ہے۔

حسنت لذة للمرء قاتلة

من حيث لم يدرك ان السم في الدسم

کے متعلق فروغ احمد نے لکھا ہے کہ اس شعر میں بواشنگ قسم کا اخلاقی درس تھا۔ کچھ تھوڑی سی موتی تراوٹ حال رکھنے کی یوں کوشش کی ہے۔

میر ہے اگر آسودگی رحمت میں داخل ہے

ہوس تن پروری کی ہے تو وہ زحمت میں داخل ہے

بومیری کے شعر کا ترجمہ یوں ہوگا۔ ”ہما اوقات کسی ملک لذت کو نفس حسین بنا کر دکھا دیتا ہے۔ اور اس کو پتہ بھی نہیں چلتا کہ اس کی ہلاکت کا سامان کہاں پوشیدہ تھا، اور یہ کہ اکثر زہر لذیذ کھانوں ہی میں ملتا ہے۔“ اس نثری ترجمے کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ فروغ احمد کا شعر بومیری کے شعر سے لگا نہیں کھاتا۔ در آنحالیکہ انہوں نے اصل مدعا کو برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔

فروغ احمد کے ترجمہ کے بعض اشعار ندرت و شوکت اور معنی آفرینی میں یقیناً اصل سے بھی زیادہ اچھے ہوئے ہیں۔ بومیری کا شعر ہے۔

والکاتبين بسمر الخط ما تركت

اقلامهم حرف جسم غير منجم

اس شعر میں بومیری نے غازیوں کے نیزوں کو قلم سے اور نیزہ بازی کو فن کلمت سے تشبیہ دی ہے فروغ نے تمام تفصیلات کو سمیٹ کر اجمالاً یوں بیان کر دیا ہے۔

عجب کاتب تھے نیزے کا قلم جب تمام لیتے تھے

تو اس سے خاتمہ بالخیر تک وہ کام لیتے تھے

”خاتمہ بالخیر“ کا جامع فقرہ (جس میں معنی آفرینی حد کمال کو پہنچی ہوئی ہے) شاعر کے تجربے اور زبان پر قدرت کی دلیل فراہم کرتا ہے۔ فروغ نے بعض جگہ مصرعوں کو الٹ کر شعر میں معنوی دست برداری کی ہے۔

فيا خسارة نفسي في تجارتها

لم تشر الدين بالدنيا ولم تسم

فروغ نے اس کا ترجمہ یوں کیا۔

نہ عقبنی ہی ہماری ہے نہ یہ عالم ہمارا ہے

اگر بومیری کے شعر کی ترکیب کے مطابق ہی فروغ ترجمہ کرتے تو اردو میں اس شعر کا حسن عادت ہو جاتا۔ اصل مفہوم کو برقرار رکھنے کے لئے شاعر نے تعارف لفظی سے کام لے کر ”ترجمہ پن“ کی گراںبازی کو ہٹا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً ساتویں فصل کے انہوں نے شعر میں ”رفعت“ کے لئے ”معراج“ اور نویں فصل کے پہلے شعر میں ”مدح“ کے لئے ”فزل کوئی“ وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ بعض جگہ تعارف لفظی کا استعمال انہوں نے غلط بھی کیا ہے۔ مثلاً بومیری نے ”شجر“ کی مناسبت سے ”بلا قدم“ کی مناسبت لفظی کا استعمال کیا ہے جو معنی حقیقت ہے لیکن فروغ نے اس کے ترجمہ میں ”مدہند پا“ کی ترکیب استعمال کی ہے جو ”شجر“ کے لئے غیر مناسب ہے۔ مفید نے ”بلا قدم“ کا ترجمہ ”بے پاؤں“ کیا ہے جو بالکل درست ہے مگر فروغ ترجمہ کرنے میں چوک گئے۔

انہوں نے عربی زبان کا لحاظ رکھتے ہوئے ”تجنیس اشتقاق“ کا بڑی خوبی سے استعمال کیا ہے۔ جیسے

بلاغت معترض کے حرف پیش دم کو رد کر دے

حرم سے جیسے محرم دست نامحرم کو رد کر دے

یہاں حرم، محرم اور نامحرم میں اشتقاقی ربط ہے۔ اسی طرح ایک اور شعر میں ”قارس“ اور ”فراست“ کا شبہ اشتقاق بومیری کے شعر میں آئے لفظ ”قارس“ اور ”فارس“ کے شبہ اشتقاق کی بوجہ نقل ہے۔

معا ابواب قارس پر ہوا روشن فراست سے

ڈرانے والا آخر آگیا روز قیامت سے

ان تمام نکات کے علاوہ فروغ احمد نے ترجمہ میں درپیش دیگر بہت ساری مشکلات کا برملا اظہار دیباچہ میں کر دیا ہے۔ ترجمہ کرتے وقت انہوں نے بارہا اپنی کاوشات برائے اظہار خیال مقتدر ادباء و شعراء کو بھی بتائی تھیں اور ان کی تجاویز پر حتی الامکان عمل پیرا بھی ہوئے۔ فروغ احمد نے دیباچہ میں قصیدہ بردہ کے دو اور منظوم مترجم کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں سے ایک ”الشوارد القردہ علی قصیدۃ البردہ“ ہے جو کتب خانہ انصاریہ پشاور سے ۱۳۱۵ھ میں شائع ہوا۔ اس کے مترجم پروفیسر سید محمد علی ہیں۔ عبدالعزیز خالد صاحب ”فارقلیط“ نے فروغ احمد کو لکھے اپنے مکتوب میں اس ترجمہ کی طرف اشارہ کیا تھا۔ دوسرا ترجمہ ”قصیدۃ بردہ منظوم“ (اردو۔ فارسی) ہے۔ اس کے شاعر محمد حسین خان سیشن جج ہیں۔ یہ ترجمہ رحمانی پریس دہلی سے ۱۹۲۲ء میں

زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔ افسوس کہ یہ دونوں ترجمے میرے دسترس سے باہر تھے۔
۳۔ قصیدہ بردہ کا چوتھا منظوم ترجمہ، ”قصیدہ بردہ شریف“ (منظوم) ہے۔ یہ مطبع اعظم جہاںی شاہ
حیدر آباد سے شائع ہوا تھا۔ اس کے ترجمہ نگار شاعر محمد عبدالوہاب عندلیب ہیں۔ باوجود کوشش
سیار کے مجھے مفید اور عندلیب کے حالات زندگی دستیاب نہ ہو سکے۔ یہ منظوم ترجمہ اصل عربی
کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ عربی عبارت اوپر اور اس کے نیچے اردو ترجمہ درج ہے۔ اس لئے ترجمہ
کا اصل سے مقابلہ کرنے میں سہولت ہوتی ہے۔ بحر رمل مسدس مخدوف ہیں یہ ترجمہ ہزاروں
دواں ہے۔ مترجم نے قصیدے کی جائے مثنوی کی ہیئت میں اس کا ترجمہ کیا ہے۔ بعض جگہ ایک
شعر کے مضمون کو شاعر نے دو اردو اشعار میں بانٹ دیا ہے تاکہ متن شعر کا پورا پورا مفہوم ترجمے
میں آجائے۔

جادت الدعوتہ الاشجار مساجدة
تمشی الیہ علی ساقی بلا قدم

کا ترجمہ عندلیب نے اس طرح کیا ہے۔

جب بلایا آپ نے اشجار کو کیا یہ ممکن تھا کہ پھر انکار ہو
چل کے ساق بے قدم سے آگئے سامنے حضرت کے سجودے میں بچکے
مفید نے ”بلا قدم“ کو ”بے پاؤں“ اشرف نے ”بے زباں“ اور فردغ نے ”برہند پا“
بانٹ دیا ہے۔ اس لحاظ سے عندلیب اور مفید کا ترجمہ اصل سے قریب ہے اور اردو مزاج سے لگا
کھاتا ہے۔ جبکہ ”شجر“ کو ”برہند پائی“ اور ”بے زبانی“ سے متصف کرنا غیر شاعرانہ اور نظرت کے
خلاف ہے۔ عندلیب نے ”ساق بلا قدم“ کو اسی معنی میں لیکن اردو ترکیب میں بانٹ دیا ہے۔

ابومیری کے قصیدے کا تیسرا باب ذکر حبیب پر مشتمل ہے۔ اس کے شعر نمبر
اٹھائیس، اٹتیس اور تیس کا ترجمہ عندلیب نے دیکھتے کتنی خوبصورتی سے ادا کیا ہے۔ یوں محسوس
ہوتا ہے کہ ایک میدانی دریا ہے جو خاموشی کے ساتھ بہ رہا ہے۔

تازگی میں گل شرف میں آفتاب چشموں میں بحر، ہمت میں سحاب
دبہ ایسا تھا حاصل آپ کو ساتھ جیسے لشکر جرار ہو
بات کرتے یا کبھی ہنستے اگر موتیوں کی سی جھلک آتی نظر
اشرف نے آخری شعر کا ترجمہ اس طرح کیا ہے۔

دو جہاں مثل صدف وہ در کنون آباد
ہے دہن جوں درج پر در لعل لب گوہر فضاں

فردغ کے یہاں ترجمہ کچھ اس قسم کا ہے۔

صدف ساروئے روشن ہے تبسم اس کو کہتے ہیں
دہن موتی کا مخزن ہے قلم اس کو کہتے ہیں

اشرف و فردغ کے درج بالا دونوں اشعار صرف الفاظ کا گورکھ دہندا ہیں جبکہ عندلیب
نے اس انداز سے ترجمہ کیا ہے کہ شعر میں ابومیری کا خیال اور حدیث نبوی دونوں آگئے ہیں۔
صاحب ترمذی نے شمائل النبی میں آپ کے قلم اور تبسم کے میان میں جو حدیث نقل کی ہے۔
اس کا مفہوم بھی یہی ہے جو عندلیب کے شعر میں بیان ہوا ہے۔ بلاستیعاب اگر عندلیب کے منظوم
ترجمے کو پڑھا جائے تو ان کی کنت مشقی اور عربی زبان پر ان کے عبور کا پتہ چلتا ہے۔
ابومیری کی طرح انہوں نے بھی طلب مغفرت اور شفاعت رسول کی خاطر عقیدت و
نیاز مندانہ انداز میں اس قصیدے کا ترجمہ کیا ہے۔

ان چہ تراجم کے علاوہ بھی اور بہت سے منظوم تراجم ہوں گے لیکن میری بے بضاحتی
اور کوتاہ دستی کہ میں انہیں حاصل نہیں کر سکا۔ بہر حال جن تراجم کی نشاندہی اس مضمون میں
کر دی گئی ہے ان پر تاحال کسی نے قلم نہیں اٹھایا تھا۔ فردغ احمد کے ترجمہ کی ہو سکتا ہے پاکستان
میں تشریح ہوئی ہو لیکن یہاں نعتیہ ادب پر جتنا تحقیقی کام ہوا ہے اس میں کہیں بھی ان منظوم
تراجم کا تذکرہ نہیں ہے۔ پروفیسر رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر اسماعیل آزاد اور طلحہ رضوی برق کے
نہایت مبسوط مقالے کتابی شکل میں آچکے ہیں لیکن اردو کے ان منظوم تراجم کو کسی نے بھی لائق
الفتاح نہیں سمجھا۔ نعت رنگ کراچی کے چھٹے شمارے میں ایک طویل مقالہ قصیدہ بردہ کا تحقیقی و
تنقیدی مطالعہ ڈاکٹر جلال الدین احمد نوری کے قلم سے صفحہ قرطاس کی رونق بنا مگر اس میں بھی
یہ گوشہ نشین ہی تھا۔ اب قارئین کرام کے صوبدید کے لئے یہ مقالہ پیش کر رہا ہوں۔

نعت کے نوجوان محقق غوث میاں کی مرتبہ بلوگرانی بہ عنوان پاکستان میں مطبوعات حمد و نعت
۱۹۳۷ء۔ ۱۹۹۱ء مشمولہ مجلہ حضرت حسان نعت ایوارڈ مطبوعہ ۱۹۹۲ء کراچی میں قصیدہ بردہ
شریف کے مزید اردو منظوم تراجم کی نشاندہی کی گئی ہے۔

- (۱) فیاض الدین ظہاری قصیدہ بردہ شریف (منظوم ترجمہ) مطبوعہ ۱۹۵۷ء کراچی
- (۲) عبداللہ ہلال صدیقی قصیدہ بردہ شریف (منظوم ترجمہ) مطبوعہ ۱۹۷۰ء کراچی
- (۳) درد کاوردی (قصیدہ بردہ شریف) منظوم ترجمہ سن عمارت کراچی
- (۴) مر عبدالحق قصیدہ بردہ شریف (منظوم ترجمہ) ۱۹۷۸ء ملتان
- (۵) مبارک علی قصیدہ بردہ شریف (منظوم ترجمہ) ۱۹۸۳ء لاہور

علاوہ انہیں ڈاکٹر سید ابو الخیر کشنی نے قصیدہ بردہ کے کچھ مقامیم کو قلم آزاد میں پیش کیا ہے۔ جو نعت
رنگ کے تیسرے شمارے میں گوشہ سید ابو الخیر کشنی کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ (ص۔ ۷)

مصرع رضا اور کشفی صاحب

امام احمد رضا بلوی (م ۱۹۲۱ء) کی شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ انہوں نے جہاں متعدد نقلی اور عقلی علوم و فنون کے ذریعہ اپنے آقا۔ آقائے نامدار، سرکار، بیدار، سیدنا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت و ناموس کا دفاع اور عظمت و فضیلت کا اظہار کیا وہاں شاعری کے توسط سے بھی حضور جان نور علیہ التحیۃ والثناء کی رفعت شان کا اہتمام کرتے ہوئے شہر شہر گھر گھر اور قلب و جگر میں محبت رسالت پناہی کی شمعیں فردزاں کی ہیں۔

اپنی نعت گوئی کی بابت امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

ہوں اپنے کام سے نہایت منظور بیجا سے ہے اَللّٰهُمَّ رِنْدٌ مَحْفُوظٌ
قرآن سے میں نے نعت گوئی سیکھی یعنی رہے احکام شریعت ملحوظ

پیشہ مرا شاعری نہ دعویٰ مجھ کو ہاں شرع کا البتہ ہے جنبہ مجھ کو
مولیٰ کی ثنا میں حکم مولیٰ کا خلاف لوزینہ میں پیر تو نہ ہملا مجھ کو
نعت میں پاس شرع اور حسن کے تعلق سے امام احمد رضا فرماتے ہیں۔

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے

یا اسے پیش جلوہ زمزمہ رضا کہ یوں

امام احمد رضا کا یہ دعویٰ حقیقتاً تحدیث نعت کا اظہار ہے۔ ان کی شاعری پر قرآنی ادب کا سایہ ہے
اور ان کا ہر شعر حدیث مصطفیٰ اور عشق مصطفیٰ کے نور سے معمور ہے۔

یوں تو قافو قافا قدین نے دعویٰ رضا کو متر لزل کرنے کی کوشش کی ہے لیکن دعویٰ رضا جو
کاتوں اٹل ہے۔ البتہ حال ہی میں زبان و ادب کے ایک استاد ایک ادیب و شاعر اور نقاد جناب سید ابو الخیر کشفی
صاحب نے امام احمد رضا کے اس مصرع۔

”میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب“

کے حوالے سے متر لزل کرنے کی کوشش کی ہے۔

محترم کشفی صاحب نے اپنے ایک مضمون بعنوان ”نعت کے موضوعات“ مشمولہ ”ماہی نعت
رنگ“ کراچی شمارہ ۶ بابت ماہ ستمبر ۱۹۹۸ء میں امام احمد رضا کے اس مصرع پر گرفت کی ہے لیکن انہوں نے
جناب نے نہ تو اس مصرع کے ساتھ کا دوسرا مصرع نقل کیا ہے نہ ہی مصرع کی کوئی تشریح و توضیح کی ہے اور
بہت ہی خاموشی کے ساتھ ایک واقعی قابل گرفت مصرع:

”روز جزا کے مالک و آقا تھی تو ہو“

کے قبیل میں رکھ کر مصرع رضا کو بھی زد پر لے لیا ہے۔

جہاں تک تعلق ہے مصرع ”روز جزا کے مالک و آقا تھی تو ہو“ کا تو یقیناً یہ مصرع صریحاً کفری
ہے۔ شاعر نے صاف صاف حضور علیہ السلام کو روز جزا کا مالک کہہ دیا ہے اور اس مصرع میں کسی بھی تاویل
کی کوئی گنجائش نہیں چاہے اسے تھما لکھا جائے یا اس کے دوسرے مصرع کے ساتھ۔ لیکن امام احمد رضا کے
مصرع میں اس طرح کی صراحت تو موجود نہیں ہے اور اسے چنانچہ کے لئے کسی تاویل کی ضرورت بھی
نہیں ہے تاہم فاضل معترض کو مصرع ثانی لکھ کر اس مصرع یا پورے شعر کے قابل گرفت قرار دینے
جانے کی دلیل تو پیش کرنی چاہئے تھی۔

کشفی صاحب اس سلسلے میں اپنی بحث کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک کے حبیب ہیں مگر مالک نہیں ہیں۔ حکم اور
امر صرف اللہ کا ہے اور اللہ کے لئے ہے۔ الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محل
استعمال سے بدل جاتے ہیں۔ حضور ﷺ روز جزا کے مالک نہیں ہیں لیکن آپ
کے لئے مالک کا لفظ استعارے کے طور پر استعمال ہو سکتا ہے۔“ آپ (صلی اللہ
علیہ وسلم) تو میرے قلب و نظر کے مالک ہیں۔ لیکن جب مالک کا لفظ لغوی طور
پر استعمال کیا جائے جیسے اس مصرع میں۔

روز جزا کے مالک و آقا تھی تو ہو

یا

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

تو بات اپنی حدود سے نکل جائے گی۔ شاعر اس غلو سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب
اسے آقائے جان و دل کی حقیقی عظمتوں کا وحیدانہ رہے۔ اور ان عظمتوں کا علم
قرآن پاک و احادیث ختم المرسلین سے ہوتا ہے۔“

(نعت رنگ، شمارہ ۶، ص ۱۶)

چونکہ اس سے قبل ص ۱۸ پر کشفی صاحب نے حضور ﷺ کے مالک ہونے کے بارے میں اس طرح اعتراف کیا ہے:

”آپ بڑے تھے مگر ایسے کہ اپنی حدوں میں مالک بھی ہیں اور مختار بھی“ (ص ۱۸)

لہذا ان کی اس تحریر ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک کے حبیب ہیں مگر مالک نہیں ہیں“ سے راقم تو یہ مراد نہیں لے گا کہ انہوں نے حضور علیہ السلام کے مالک ہونے کا بالکل انکار کر دیا ہے لیکن چونکہ مضمون نگار صاحب کی تحریر کا بوقریح قابل گرفت مصرع کے ساتھ مصرع رضاء پر بھی کرتا ہے لہذا مطلب یہی نکالا جائے گا کہ مصرع رضاء کو انہوں نے یہ معنی

”میں تو اللہ ہی کہوں گا کہ ہو اللہ کے حبیب“

پس اس سے قابل گرفت قرار دینے کی کوشش کی ہے۔

مصرع رضاء کو کذب کرنے کے ساتھ ساتھ مضمون نگار صاحب نے امام احمد رضا کو آقائے جان و دل علیہ السلام کی حقیقی عظمتوں اور علم و قرآن و حدیث سے بھی ناواقف قرار دینے کی کوشش کی ہے جیسا کہ ان کی تحریر سے صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے۔

اب اس سلسلے میں راقم بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

مترم ابو الخیر کشفی صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مالک ہونے کا جس انداز میں اعتراف کیا ہے اس سے حضور علیہ السلام کی عظمت شان اور ان سے محبت و عقیدت کا وہ اتم شمار نہیں ہو رہا ہے جیسا اتم شمار قرآن و حدیث نے کیا ہے۔

بیشک حضور علیہ السلام بڑے بھی ہیں اور عبد بھی لیکن وہ خیر البشر اور محسن اعظم انسانیت ہیں جنس اس طرح سے بڑے نہیں کہ لینے والوں نے نہ دیا کہ وہ بھی ہماری طرح ایک بشر ہیں اور ان کی عزت صرف اتنی ہی کرنی چاہئے جتنی کہ بڑے بھائی کی۔ کافروں نے بھی یہی کہا تھا کہ کیا ہم جیسا بشر ہم کو راستہ لکھائے گا۔

ہر مسلمان کا اس پر عقیدہ ہے کہ حضور انسان ہیں لیکن انسان کامل ہیں۔ امام احمد رضا فرماتے

ہیں

اللہ کی سر تا بہم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ قرآن تو ایمان بتاتا ہے انہیں ایمان یہ کتا ہے میری جان میں ہے حضور بشر بھی ہیں اور نور بھی۔ قرآن مقدس نے انہیں نور کہا ہے۔

”قد جا کم من اللہ نور“ (المائدہ: ۱۰)

خالق کائنات اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نور سے خلق فرمایا مگر سارے عالم کو

انہیں کے نور سے اور انہیں کے واسطے منور و مہمور فرمایا۔ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مخلوق اول بھی ہیں اور اصل تدوین عالم بھی اور اللہ جل مجدہ کی بارگاہ کے وسیلہ عظمیٰ بھی۔ مخلوق خداوندی کو یہ پتہ چلتا ہے انہیں کے وسیلے سے ملتا ہے۔ حضور ہی قاسم کز نبوت الہی ہیں۔

”انما انا قاسم واللہ يعطی“

رب عظیم نے انہیں کو اپنا محبوب اعظم اور حبیب الہی بنا دیا ہے۔ ان کی اطاعت (۱) رضاء (۲) اور محبت (۳) کو اپنی اطاعت رضاء اور محبت فرمایا ہے۔ ان کے ہاتھ کی چھتکی ہوئی خاک کو اپنی چھتکی ہوئی خاک (۴) اور ان کے ہاتھ پر ہدایت کو اپنے ہاتھ پر ہدایت قرار دیا ہے (۵)۔

مالک حقیقی خدا کے لم یزل نے اپنی ملک اور مال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک اور مال بتایا ہے اور اس طرح انہیں بھی مالک قرار دیا ہے:

۱۔ ”اور انہیں ہر اگان کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا“ (التوبہ: ۳۷)

۲۔ ”اور کیا اچھا ہو تا کہ وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ اور رسول نے ان کو دیا ہے اور کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ کافی ہے۔ اب ہمیں وہ مال اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول اور ہمیں اللہ کی طرف رغبت ہے۔“ (التوبہ: ۵۹)

یہاں اللہ عزوجل اپنے دینے کو رسول علیہ السلام کا بھی دینا بتا رہا ہے۔ تو کیا معاذ اللہ مالک حقیقی اللہ تعالیٰ رسول اکرم علیہ السلام کو اپنا ساجھی اور شریک بنا رہا ہے؟ ہرگز نہیں اس طرح اللہ اپنے حبیب اکرم کی عظمت شان واضح کر رہا ہے۔

۳۔ اللہ نے اپنے محبوب رسول کو خیر کثیر عطا فرمایا۔“ (۶)

۴۔ اللہ نے اپنے حبیب کو اپنے قانون۔ قانون شریعت میں بھی ترمیم کا اختیار دیا۔ سو نامہ دے لئے حرام ہے لیکن سرکار علیہ السلام نے حضرت سراقہ کے لئے سونے کا کنگن جائز کر دیا۔ منہ امام احمد بن حنبل میں صحیح حدیث علی شرط مسلم میں ہے۔

”ایک صاحب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر ایمان لائے کہ وہ صرف دو ہی نمازیں پڑھا کریں گے۔“ ہر مسلمان پر پانچ نمازیں فرض ہیں مگر حضور علیہ السلام نے ان صاحب کو تین نمازیں معاف فرمادیں۔

۵۔ سب اللہ کے بندے ہیں اور حضور علیہ السلام بھی عبد الہی ہیں لیکن معبود حقیقی اپنے بندوں کو اپنے حبیب کا بندہ قرار دے رہا ہے اور خوبی یہ کہ انہیں کی زبان سے قل فرما کر کھلو رہا ہے۔

(۱) النساء: ۸۰ (۲) النبی: ۵۵، البقرہ: ۱۱۳ (۳) التوبہ: ۲۳

(۴) انفال: ۱ (۵) الحج: ۱۸ (۶) آل عمران: ۱۰

”قل عبادى الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة“

(الزمر: ۵۳)

یعنی فرمادو اے نبی علیہ السلام! اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر تیرا دتی کی اللہ کی

رحمت سے ناامید نہ ہو۔

اب یہاں عبد کو لغوی معنی پہنا کر بندوں کو بندہ رسول مان کر رسول کو معبود نہیں بنایا

بیٹایا گیا ہے بلکہ یہاں عبد کا عرفی معنی غلام لیا جائے گا۔

عبداللہ تو رسول علیہ السلام بھی ہیں لیکن رب اکبر اپنے بندوں کو ان کا بندہ انہیں سے کہلوا رہا ہے

تو کیا معاذ اللہ اللہ بھی شرک کر رہا ہے؟ یہاں بھی وہ سرکار علیہ السلام کو مالک بنا رہا ہے لیکن سرکار عرفی معنی

ہی میں مالک ہیں۔

بندے بندے میں فرق ظاہر کرتے ہوئے ڈاکٹر اقبال کیا خوب فرماتے ہیں۔

عبد دیگر عبد جو کچھ سے دیگر اس سرپا انتظار او خطر

اور عبد مصطفیٰ پر چڑنے اور امانت والوں کے لئے امام احمد رضا اس طرح کہتے ہیں۔

یا عبادی کہہ کے ہم کو شاہ نے اپنا بندہ کر لیا پھر سمجھ کو کیا

رسول کو نبین علیہ السلام کے اختیار ان کے مالک و آقا اور حاکم ہونے کے بارے میں مزید قرآنی

ارشادات ملاحظہ ہوں:

۶۔ ”رسول علیہ السلام جو کچھ بھی تمہیں عطا کریں وہ قبول کر لو اور جس چیز سے بھی منع کریں اس

سے رک جاؤ۔“ (الحشر: ۷)

۷۔ ”تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ ہر گز مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپسی جھگڑے

میں تمہیں حکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور دل

سے مان لیں۔“ (النساء: ۶۵)

۸۔ ”اے ایمان والو! اللہ اور رسول کے بلائے پر فوراً حاضر ہو جاؤ جب تم کو بلائیں۔“

(الانفال: ۲۴)

۹۔ ”نبی مسلمانوں کے ان کے جانوں سے زیادہ مالک ہیں۔“ (الاحزاب: ۶)

علاوہ ان کے قرآن و احادیث سے سرور کو نبین علیہ السلام کے اختیار اور ان کے مالک و مختار

ہونے پر بہت سے ارشادات پیش کئے جاسکتے ہیں۔

اب اگر اتنا سب کچھ ہوتے ہوئے اور یہ جانتے ہوئے کہ حضور علیہ السلام اللہ کے ایسے عظیم محبوب

اور بااختیار رسول ہیں کوئی انہیں بشر محض اور بے اختیار سمجھے اور یہ کہہ دے کہ:

”جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مالک و مختار نہیں۔“

تو کیا اسے کوئی مرد مومن یا صاحب ایمان برداشت کر سکے گا اور اگر ایسے عالم میں ایک عبد

مصطفیٰ ایک نائب رسول یعنی عالم دین اور عاشق صادق رسول اس کا رد کرتے ہوئے اپنے آقا۔ مالک کو نبین

صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کرے کہ اے میرے رسول میں تو آپ کو بے اختیار ہر گز نہیں کہہ سکتا آپ

تو مالک حقیقی اللہ عزوجل کے حبیب اکبر ہیں اور اس نے آپ کو بے پایاں اختیار عطا کیا ہے لہذا میں تو آپ کو

مالک ہی کہوں گا تو کیا اس طرح کہہ کر امام احمد رضا نے حضور علیہ السلام کو اللہ کا مسدوی کر دیا اللہ ہی کی حقیقی

اختیار اور ملکیت کے حوالے سے اس کے محبوب کو مالک کہہ کر محبوب کی عظمت شان ظاہر کی اور اس سے

اپنی ذیالمانہ محبت کا اظہار کیا اور یہ اظہار اللہ و رسول کی رضا کا سبب بنا؟

اب پورا شعر دیکھئے:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب یعنی محبوب و محبت میں نہیں میرا تیرا

اس شعر کے مصرع اولیٰ میں کوئی ایسا قرینہ نہیں پایا جاتا اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

لئے کہے گئے لفظ مالک کا ایسا محل استعمال جس کی وجہ سے اسے مالک حقیقی کا لغوی معنی قرار دے کر اس مصرع

کو مصرع ”روز جزا کے مالک و آقا تھی تو ہو“ کے قبیل میں رکھ کر قابل گرفت قرار دے دیا جائے۔

مصرع اولیٰ کے جز اول میں تو امام احمد رضا نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بے اختیار سمجھنے

والوں کا رد کرتے ہوئے یہ دعویٰ پیش کیا ہے کہ وہ تو رسول کو نبین علیہ السلام کو مالک ہی کہیں گے اس لئے کہ

عطائے کبریا سے ان کا مالک ہونا ثابت ہے۔ جز دوم میں وہ دعویٰ کی دلیل پیش کرتے ہیں کہ مالک اس لئے

کہوں گا کہ مالک یعنی مالک حقیقی اللہ جل مجدہ کے محبوب ہیں اور محبت میں یہ دستور ہے کہ یہاں مال و ملک

کے معاملہ میں میرا تیرا نہیں ہوتا نہ دوسروں کو یہ دیکھئے اور اعتراض کرنے کا کوئی حق ہے اور اس بات کی

مصرع ثانیٰ میں یہ کہہ کر

”یعنی محبوب و محبت میں نہیں میرا تیرا“

امام احمد رضا نے وضاحت کر دی ہے۔

امام احمد رضا نے یہ ہر گز نہیں کہا ہے کہ ”محبوب و محبت میں میں اور تو نہیں بلکہ“ نہیں میرا

تیرا کہا ہے اور میرا تیرا مال و ملک ہی کے معاملے میں بولا جاتا ہے۔ یہاں بھی اسی مفہوم و معنی میں کہا گیا ہے

یعنی ملکیت کے معاملے میں نہ کہ رب کریم کی الوہیت کے معاملے میں۔

ہماری دنیا کا بھی تو یہی دستور ہے کہ دو چاہنے والوں کے مال و ملک کے معاملے میں ہم ایسا کہتے

ہیں کہ اگر محبوب نے محبت کی ملک میں تصرف کر لیا تو اس میں میرا تیرا کیا ہے۔ محبت کی ملک میں تو محبوب کو

اختیار ہوتا ہی ہے۔

یہ بات یہی ہے کہ اللہ ہی مالک حقیقی ہے اور سب ہمارے ہی مالک اور رسول کریم علیہ السلام
 ہی اس کے ہیں اور ایسے ہیں کہ اس کے محبوب اکبر اور حبیب انتم ہیں۔ اس کی بارگاہ کے وسیلے ہمیں ہیں
 خالق مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں انہیں کے نور سے انہیں کے واسطے خالق کل نے عالم کی تخلیق فرمائی
 ہے۔ انہوں نے ہی مخلوق کو خالق کی معرفت، طاعتی ہے انہیں کے ہاتھ سے اپنی نعمتیں تقسیم کرتا ہے
 انہیں وہ نین جان کا مالک بتایا ہے اپنے بندوں کو ان سے بھی اپنا بندہ کہلوایا ہے اور اپنی کائنات اور کل جہاں
 ان ملک میں اختیار، طاعتی ہے اور ایسا اختیار کہ وہ قائم جنت بھی ہیں اور شافع محشر بھی تو فہم سے انسانی سے
 مطابق انسان یا مسلمان اللہ کے حبیب کو مالک کیوں نہ کہے کہ اسی مالک کی بدولت اس کی مالک حقیقی تک
 رسائی ہوئی ہے۔

بہر کیف شعر باطل صاف ہے اور مصرع اولی سے کوئی ایسا لہان تک نہیں نزلتا کہ پسا مالک
 اللہ مالک حقیقی کا معنی دیتا ہو۔ یہاں مالک کے وہی معنی لئے جائیں گے جو ہمارے، خاور، میں ان و شاعر ہیں
 یعنی مرئی معنی اور اس مالک کو استفراق حقیقی پر محمول کرنا قطعاً درست نہیں بلکہ زہد استی ہے۔

اللہ کے لئے صفاتی اسماء ایسے ہیں جن کا اطلاق غیر خدا کے لئے ہوتا ہے جیسے مالک ملک
 ملک مالک الملک، عالم، عظیم، عزیز، عالم، عظیم، متقی وغیرہ اور ایسے موقع پر ان کے لغوی معانی نہیں ہر
 مرئی معانی ہی مراد لیتے ہیں۔ صحابہ کرام میں تقریباً ایک سو دس حضرات کے نام مالک تھے امام مالک کا نام
 بھی مالک اور دارونہ جہنم کا نام بھی مالک لیکن صرف مالک لئے سے انہیں کوئی خدا نہیں سمجھ لیتا غیر خدا ہی
 سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح طیب یا فلفی کو عظیم لئے سے کسی آفیسر کو مالک لئے سے بادشاہ کو ملک لئے سے
 محب و رشتہ دار کو عزیز لئے سے اور علم والے کو عالم لئے سے غیر خدا ہی سمجھا جاتا ہے حالانکہ مطلقاً نام
 مالک ملک وغیرہ لیا جاتا ہے۔

مزید ملاحظہ ہو۔

تشبیہ اللہ کے معاملے میں کفر ہے اور تزیہ کفر اہل البتہ تزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ عقیدہ و حق
 عقیدہ و اسلام ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے "لیس کمثلہ شئی ان هو السميع العصیر" یہ تزیہ مع تشبیہ
 بلا تشبیہ ہے۔ تشبیہ تو یہ ہے کہ اللہ بھی ہماری طرح جسم والے اور ہماری طرح کان اور آنکھ سے سنتا دیکھتا
 ہے اور یہ کفر ہے۔ اور تزیہ یہ ہوتی ہے کہ اللہ کو بھی پوناہ دیکھنے سننے میں بندوں سے مشابہت ہے لہذا اس سے
 بھی انکار کر دیا جائے کہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اللہ دیکھتا سنتا ہے یہ ہم اور صفات ہیں جن کو دیکھنے سننے سے تشبیہ
 کیا لیا ہے اور یہ کفر ہی ہے۔ اصل عقیدہ و اسلام یہ ہے کہ "لیس کمثلہ شئی" یہ تزیہ ہوتی ہے کہ اللہ ان
 مثل کوئی شے نہیں اور "انہ هو السميع العصیر" تشبیہ ہوتی ہے اور جب سننے دیکھنے کو بیان کیا کہ اس کا
 (اللہ کا) دیکھنا سننا آملہ کان کا معنی نہیں وہ آیت دیکھتا سنتا ہے یہ نفی تشبیہ ہوتی ہے بندوں سے جو ہم

مشابہت ہوتا اس کو قسم کر دیا تو اب ماہصل کا تزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ اور قرآن میں اس کی حدیثی مشابہت
 مل جائیں گی۔

تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک کہا تو مثل خدا مالک نہیں کہا۔ مطلب یہی ہوا کہ طاعتی رب
 سے مالک اور اللہ حقیقی مالک کہ سب کا خالق بھی وہی اور مالک بھی وہی۔ لہذا اس طرح نہ سمجھیں لیکن اللہ
 کی مثال نہیں بلکہ اسی کی طاعت اور جسم و آلہ سے اور یہ بھی اللہ ہی کی طاعتیں۔ ایسے ہی رسول علیہ السلام
 بھی مالک طاعتی کی طرح حقیقی مالک نہیں بلکہ اسی کی ملک میں اسی کے اختیار، طاعتی ہے مالک!

لہذا ہر اعتبار سے ثابت ہوا کہ مصرع اولی کا پسا مالک لفظ لغوی معنی میں نہیں ہے اور نہ ہی مالک
 کہہ کر امام احمد رضا نے رسول کریم علیہ السلام کو مالک حقیقی یا خدا کہا ہے کہ اسے بھی "روز جزا کے مالک
 آقا تھی تو ہو" کے زمرے میں رکھ دیا جائے۔

کسی مصرع یا کسی شعر یا کسی کلمے و جملے کے ظاہر کو دیکھ کر قابل گرفت اس وقت قرار دیتے ہیں
 جب صراحتاً کفر و شرک موجود ہو ورنہ باقاعدہ تشریح و تجزیہ کیا جاتا ہے سیاق و سباق دیکھا جاتا ہے پھر فیصلہ
 لیا جاتا ہے اور علم لگایا جاتا ہے۔

مرزا محمد رفیع سوڈا کا یہ شعر دیکھئے۔

ہوا جب کفر بکثرت ہے یہ تمغائے مسلمانی نہ چھوٹی شیخ سے تسبیح زنگار سلیمانی
 یہ شعر بظاہر کفری نظر آ رہا ہے۔ اگر مصرع اولی سے یہ مراد لیں کہ جب کفر بکثرت ہو گیا تو وہ
 مسلمانی کا تمغہ بن گیا یعنی ماہ اللہ کفر ہی اسلام ہے؟ لیکن اگر تجزیہ کریں تو ایسا ہرگز نہیں۔ امام احمد رضا نے
 اس شعر کی تشریح کی ہے اور کفر زائل و کفر بکثرت پر قرآن کی روشنی میں بحث کرتے ہوئے شعر کو کفری
 نہ ہونے سے چھایا ہے۔ (الملفوظ حصہ اول ص ۳۳۱)

محترم ابو الخیر کشفی صاحب مصرع "روز جزا کے مالک و آقا تھی تو ہو" اور اسی قبیل میں امام احمد
 رضا نے مصرع "میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب" پر گرفت فرماتے کے بعد لکھتے ہیں
 "شاعر اس غلو سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اس آقائے جان و دل کی حقیقی
 عظمتوں کا دھیان رہے۔ اور ان عظمتوں کا علم قرآن و احادیث و سنن انبیاء سے
 ہوتا ہے۔" (نور تک نمبر ۶ ص ۱۹)

گویا ایسا کہہ کر کشفی صاحب نے اس شاعر کو کہ جس کا یہ مصرع "روز جزا کے مالک و آقا تھی تو
 ہو" ہے اور امام احمد رضا اور اس طرح کے شعراء کو ہر کار علیہ السلام کی حقیقی عظمت اور قرآن و حدیث سے
 علوم سے بے بہرہ سمجھ لیا۔

یا اللہ! جس امام احمد رضا کی حیات کا لمحہ لمحہ فقہ و حدیث کی توشیح و تشریح اور رسول کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کی عصمت و ناموس اور عظمت کی دفاع اور انہیں اجاگر کرنے نیز دلوں میں شمع عشق مصطفویٰ فرداں کرنے میں گزرا ہو جس کی فقہت و تبحر علمی کے آگے عرب و عجم کے علماء و مشائخ نے عقیدت کی جینیں ٹم کی ہوں۔ جسے اپنا امام و پیشوا تسلیم کیا ہو، عقلی علوم و فنون کے علاوہ نقلی اور دینی علوم و فنون فقہ، حدیث، تفسیر، عقائد و کلام وغیرہ پر جس کی سیکڑوں کتابیں موجود ہوں جس کو ان کے سخت مخالف مولوی اشرف علی تھانوی صاحب (۲) نے عاشق رسول تسلیم کیا ہو جسے ڈاکٹر اقبال (۳) نے اپنے دور کا امام اعظم بتایا ہو ایسے تبحر عالم اور فقہ اور عاشق رسول کو سرکار علیہ السلام کی حقیقی عظمتوں اور قرآن و حدیث سے بے بہرہ سمجھ لیا جائے یا ایسے ہی بے بہرہ لوگوں کی صف میں شامل کر دیا جائے۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟

اپنے مضمون کے آخر میں جناب ابو الخیر کشفی صاحب یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:

”اپنے آپ کو حسان اور کعبہ قرار دینے والے شاعروں کو بلند بانگ دعویٰ کرنے کی جگہ ان کے قدموں میں بیٹھ کر نعت کے آداب کا سبق لینا ہے۔ صحابہ کرام کے انداز کی شاعری اسی وقت ممکن ہے جب ہماری زندگی اور فکر کے تضادات ختم ہو جائیں۔ صحابہ کرام سے نعت گوئی کے آداب جس طرح سعدی اور جامی و قدسی اور اقبال و ظفر علی خاں نے سیکھے اسے سامنے رکھ کر ہی سفینہ نعت آگے اور آگے گزے پانتوں میں سز کر سکتا ہے۔“

(نعت رنگ، شمارہ ۶، ص ۲۱)

خود کو حسان اور کعبہ رضی اللہ عنہم جس نے کہا وہ تو وہ جانے یا اس کے بارے میں محترم کشفی صاحب جانتے ہوں گے۔ امام احمد رضا نے تو خود کو اس طرح کہا ہے۔
کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں کہ رضائے عجی ہو سب حسان عرب یقیناً میری، سعدی، جامی اور قدسی رحمۃ اللہ علیہم عاشق رسول اور جہان نعت گوئی کے امام و پیشوا ہیں لیکن امام احمد رضا نے بھی انہیں حضرات کی طرح صحابہ کرام سے نعت گوئی کے آداب سیکھے ہیں۔

ڈاکٹر اقبال اور مولوی ظفر علی خاں نے بھی اپنے کلام کے توسط سے سرکار لہد قرار علیہ السلام کی عظمت و محبت کا اظہار کیا ہے اور خوب خوب نعتیں کہی ہیں لیکن ان حضرات کے ہاں جو شرعی خامیاں ہیں ان کی نشاندہی بھی کرنے والوں نے کی ہیں۔

ڈاکٹر ریاض مجید صاحب لکھتے ہیں ”اقبال کے ہاں نعت کے عنوان سے کوئی لطم نہیں۔ ان کی

(۱) امام احمد رضا اور عالم اسلام از ڈاکٹر محمد مسعود احمد، کراچی (۲) (۳) مقالات یوم رضا حصہ اول

ابتدائی شاعری میں ایک روایتی انداز کی نعت ضرور نظر آتی ہے جسے انہوں نے اپنے کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں کیا۔ اس کا مطلع ہے:

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ مہم کو اٹھا کر

وہ بزم شرب میں آ کے بیٹھیں ہزار منہ کو چمپا چمپا کر

بقول ممتاز حسن: ”اس قسم کی نعت گوئی حدادب ہی سے تجاوز نہیں ہے دین کے دائرے سے بھی باہر ہے۔“ (اردو میں نعت گوئی ص ۳۷)

لیکن اس کے فوراً بعد پھر لکھتے ہیں ”اقبال کا مندرجہ بالا شعر بھی روایتی نعت کا نمونہ ہے۔ اور ابتدائی کلام ہونے کی وجہ سے نظر انداز کر دیئے جانے کے لائق ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسے اپنے مرتب کردہ مجموعے میں جگہ نہیں دی۔“ (اردو میں نعت گوئی ص ۳۷)

ممتاز حسن صاحب نے آخر میں جو کہا ہے راقم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا صرف عرض یہ ہے کہ اقبال صاحب کے ہاں زبردست شرعی خامی کی نشاندہی کی گئی ہے۔ شرب لکھنا بھی ممنوع ہے لیکن یہ کفر کے درجہ پر نہیں پہنچتا لہذا اس پر کچھ بھی نہیں کہنا۔ راقم اقبال کو مرد مومن اور عاشق رسول مانتا ہے اور ان کی بڑی عزت ہے اس کے دل میں لیکن غلطی ان سے بھی ہوئی ہے اور پھر قبول کشفی صاحب انہیں کس طرح صحابہ کرام سے آداب نعت گوئی سیکھنے والوں میں مان لیا جائے؟

اقبال صاحب کی منقبت جو انہوں نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں کہی ہے، میں ایک شعر یہ بھی ہے:

تری لہد کی زیارت ہے زندگی دل کی مسج و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
یہاں پر انبیاء کی شان میں صریح گستاخی ہے اور صرف ایک نبی کی شان میں گستاخی سارے انبیاء

کی گستاخی مانی گئی ہے اب ایسے عالم میں اقبال پر کیا شرعی حکم عائد ہوتا ہے محترم کشفی صاحب فرمائیں؟
مولوی ظفر علی خاں صاحب نے شرب کا بھی استعمال کیا ہے لیکن وہ صرف ممنوع ہے اور ایک

بار کہنے پر دس بار مدینہ طیبہ کہنا چاہئے لہذا اس پر حث نہیں لیکن اب انہیں کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

جاگ او شرب کی ٹیٹھی نیند کے ماتے کہ آج

لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج

ظفر علی خاں صاحب کے اس شعر اور اسی طرح کے چند اور اشعار کو لیکر جناب رشید وارثی صاحب نے اچھی حث کی ہے اور قرآن و احادیث اور علماء و اولیاء کے اقوال و مشاہدات کی روشنی میں فیصلہ دیا ہے: ”واقف اسرار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کے حال سے بے خبر سمجھنا سخت لاعلمی اور بد عقیدگی ہے۔ جس سے

تمام اعمال برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔“ (نعت رنگ، کراچی شمارہ ۱، ص ۱۸۱)

اب فیصلہ کشتی صاحب پر ہے کہ کیا میری وسعتی وغیرہ کی طرح تلفر علی خاں صاحب نے بھی صحابہ کرامؓ سے آدابِ نعت کوئی سیکھے ہیں؟

نعت کے ضمن میں جس طرح اس بات پر گرفت لازمی ہے کہ کہیں شاعر نے غلو سے کام لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائی مرتبہ پر نہ پہنچادیا ہو اسی طرح یہ بھی دیکھنا لازمی ہے کہ کہیں تنقیص کر کے یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بخر محض گردان کر ان کو ان کے مقام رفیع سے تو نہیں گھٹا دیا ہے۔ کہیں رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو جائے نبی کے اچھی کہہ کر بڑا بھائی بنا کر یا قاسم نعت الہی کے جائے بے اختیار بنا کر یا شافع محشر کے جائے یہ کہہ کر کہ تم تو اپنی بیٹی فاطمہ کی شفاعت بھی نہیں کرا سکتے وغیرہ وغیرہ۔

نعت نگار محقق نعت اور نعت کے ناقد ہر ایک کے لئے رسول کو نہیں کو

”بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر“

تسلیم کرتے ہوئے ان سے محبت بھی لازمی ہے اور زبان و ادب میں مہارت کے ساتھ ساتھ دینی علوم بالخصوص فقہ و حدیث تفسیر اور عقائد و کام سے کئی واقفیت بھی لازمی ہے۔ ہاں ایسے لوگ بھی گزر رہے ہیں جو عالم و فاضل ہونے کے باوجود بھی کستانی مصطفیٰ کے مرتکب ہوئے ہیں اور آج بھی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں۔ وجہ یہی ہے کہ عظمت مصطفیٰ ﷺ اور عشق مصطفیٰ ﷺ سے ان کے قلوب عاری تھے۔ لہذا علم و عشق دونوں لازمی ہیں۔

امام احمد رضا نے رسالت والوہیت کے فرق کو ہر مقام پر ملحوظ رکھا ہے۔ اسوں نے تو اپنا مسلک

اس طرح واضح کیا ہے۔

تیرے تو وصفِ شیب تباہی سے ہیں بری حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کموں تجھے
لیکن رضا نے شتم سخن اس پہ کر دیا خاق کا بندہ خلق کا آقا کموں تجھے

کتابیات

- ۱۔ قرآن مجید
- ۲۔ احادیث رسول
- ۳۔ اردو میں نعت کوئی از ڈاکٹر ریاض بیچہ
- ۴۔ اللہ کا (مرتبہ مولاانا مصطفیٰ رضا خاں)
- ۵۔ امام احمد رضا عالم امام از ڈاکٹر مسعود احمد
- ۶۔ مقالات یوم رضا حصہ اول
- ۔۔ نعت ربّ شمارہ نمبر ۱

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیز کی (بھارت)

نعت میں طنز کی شمولیت

راقم کے ایک مضمون مشمولہ سرمایہ نعت ربّ تراپنی شمارہ نمبر ۵ کے حوالے سے جناب سہیل احمد صدیقی تراپنی رقم طراز ہیں:

”مضمون نگار کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ سین ریو (Senryo) ہائیلو کی دو قسم ہے جو اپنے موجد سین ریو سے موسوم ہے اور ایسی تمام ہائیلو جن میں سماجی موضوعات خصوصاً معاشرے کی بد منوائیوں پر کھراٹھز نمایاں ہو سین ریو ہیں۔ اس عنصر کے بغیر ہائیلو کو سین ریو کا نام دینا نادانی ہے۔ برادر کرم یہ وضاحت فرمائیں کہ نعت رسول ﷺ میں طنز و مزاح کا عنصر کس طرح شامل کیا جاسکتا ہے۔“

(نعت ربّ تراپنی شمارہ نمبر ۶ ص ۷۳)

فاضل معترض اور ادب کا ہر قاری اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ عربی شاعری میں نعت کوئی کا باقاعدہ آغاز ہجرت مدینہ کے بعد انسانی جماد کے انداز میں اس وقت ہوا جب دشمنان اسلام کی جھو اور بد زبانی حد سے بڑھ گئی تو حضور ﷺ نے صحابہ کرام سے فرمایا:

”جن لوگوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی مدد اپنے ہتھیاروں سے کی ہے انہیں کیا چیز مانگے کہ وہ اپنی زبانوں سے ان کی مدد کریں۔“

(تاریخ ادب عربی از امام حسین زبیر زبیر از ظاہر سورتی ص ۲۶۳)

تفسیر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے یہ بھی فرمایا کہ
”کفار کی جھوٹو کہو کیونکہ انہیں اپنی جھوٹیوں کی بوجہ سے زیادہ شائق ہے۔“

(مسلم شریف)

حضور ﷺ کے اس ارشاد کے بعد حضرت حسان حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم نے نصیحت سے حضور ﷺ کی تعریف و توصیف کے ساتھ ساتھ انکار۔

الزمات کے جو بات بھی دیئے اور ان کی ججو بھی کی۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

”حضور اکرم ﷺ کے شعرائے کرام میں سے جو حضرات کافروں کے شر سے اسلام اور مسلمانوں کا دفاع کرتے اور باز رکھتے تھے اور رسول اللہ ﷺ کی مدح کرتے اور کافروں کی ججو اور مذمت کرتے تھے وہ تین اشخاص شمار کئے گئے ہیں۔ حضرت حسان بن ثابت، کعب بن مالک اور عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔“ (مدارج النبوة جلد دوم، ص ۱۰۰۸ اردو ترجمہ)

ڈاکٹر ریاض مجید لکھتے ہیں :

”آپ کے تین شعرا یعنی حضرت حسان بن ثابت انصاری، حضرت عبد اللہ بن رواحہ اور کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہم آپ کی طرف سے دفاع اور کفار قریش کی ججو کا جواب دیا کرتے تھے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ قریش کے انساب کو اپنی ججو کا موضوع بنایا کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ قریش کو کفر کی عار دلاتے اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ حرب و ضرب سے ڈرایا کرتے تھے۔“ (اردو میں نعت گوئی ص ۱۲)

مندرجہ بالا دو معتبر اقوال اس بات کی شہادت کے لئے کافی ہیں کہ نعت گوئی کی ابتداء تو صیغ رسول علیہ السلام کے ساتھ ساتھ کفار و مشرکین کے ججو سے بھی ہوئی۔ صحابہ کرام بالخصوص شعرائے رسول الثقلین نے کفار و مشرکین کی ججو کی رد کیا اور ان پر طنز کے تیر بڑے سائے۔ فارسی اور اردو نعت نگاروں نے بھی شعرائے رسول الثقلین اور صحابہ کرام کی اس سنت پر عمل کیا اور آج بھی اس سنت پر عمل جاری ہے۔

طنز اور ججو کا تعلق

طنز ججو کا ہی ایک روپ ہے۔ ججو اور طنز دونوں کے لئے انگریزی میں Satire کا لفظ آتا ہے۔ طنز کے بھی مختلف روپ ہیں۔ نشریہ، اعلیٰ اظہار، تخریص، کاسٹ وغیرہ۔

طنز کسی فرد واحد، کتبہ، قبیلہ، قوم، عقیدہ و مذہب، سماجی و سیاسی بگاڑ وغیرہ سب پر کیا جاسکتا ہے اور جہاں تک سماجی بد عنوانیوں پر طنز کا معاملہ ہے تو سماج مسلم ہو یا کفری یا مخلوط، ہر انسانی سماج کا تعلق حضور ﷺ سے ضرور ہوگا اس لئے کہ وہ آفاقی رسول ہیں۔ قرآن مقدس نے صاف صاف فرمادیا ہے :

”قل یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً“ (پ ۹، رکوع ۲۰)

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

”ارسلت الی الخلق كافة و خدم ہی النبیون“ (متفق علیہ)

یعنی میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میری آمد سے انبیاء کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

اور جہاں تک تعلق ہے مسلم سماج یا اسلامی معاشرہ کا تو اس پر کیا مسلمانوں کے جان و مال پر حضور ﷺ کی حکمرانی ہے اور مسلم سماج کے ہر بگاڑ چاہے وہ مذہب کی طرف سے آئے یعنی دین پروری، بد عقیدگی وغیرہ یا خالص معاشرتی فساد ہو جیسے بے حیائی، عریانی، بے پردگی، عیاشی، فحاشی، گداگری، رشوت، نشہ خوری، قمار بازی، منافرت، تعصب، ظلم و جبر، ذخیرہ اندوزی، کالا بازاری وغیرہ سب کا تعلق حضور سے اس طور دکھایا جاسکتا ہے کہ معاشرہ کی بد حالی پر طنز کرتے ہوئے انہوں کو غیرت دلاتے ہوئے اس کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لئے حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں فریاد کی جائے۔

معاشرتی زندگی کا بگاڑ چار نوعیتوں کا ہے۔ قرآن عظیم میں مندرج اصطلاحات کے ذریعہ اسے اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے :

۱۔ جتہ الجاہلیہ

دور جاہلیت کی طرح محدود حیثیت و عصیت مثلاً، لہنی، علا قائی، نسلی، لسانی، طبقاتی و گروہی صحیحیں۔

۲۔ ظن الجاہلیہ

دور جاہلیت کی طرح غیر اسلامی افکار و نظریات اور توہمات و تصورات یعنی وہ تمام مذہبی، سیاسی، معاشرتی، تمدنی تصورات جو غیر اسلامی فکر سے جنم لیتے ہیں۔

۳۔ بترج الجاہلیہ

دور جاہلیت کی طرح نمائش حسن، عریانی، آہ و باخشی اور اظہار جمال کی مختلف صورتیں۔

۴۔ حکم الجاہلیہ

دور جاہلیت کی طرح غیر اسلامی طاغوتی قوانین یعنی کسی معاشرے کا وہ قانونی ڈھانچہ جو اپنی اصل یا ہیئت کے لحاظ سے غیر اسلامی ہو اور اخلاقی زندگی کا صحیح تحفظ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو۔

راقم نے بے عملی، بے حیائی اور ظلم وغیرہ سماجی بگاڑ کا جو ذکر کیا ہے وہ سب قرآن کریم میں درج ذیل ان چاروں اصطلاحات ہی میں شامل ہیں۔

اب اپنی اس بات کی تائید میں کہ نعت میں سماجی امور و معاشرتی بگاڑ کو شامل کیا جاسکتا ہے، راقم نعت کے چند مستند اسراروں کے اقوال پیش کرتا ہے۔

”ہر کوئی موضوع وہ معاشرت و تمدن سے متعلق ہو یا معاشیات و اقتصادیات سے تہذیب و ثقافت سے متعلق ہو یا عمرانیات و سیاست سے جسے حضور اکرم ﷺ کے حوالے سے قلم بند کیا جائے نعت کا موضوع ہو گا۔“ (حوالہ اردو میں نعت کوئی ص ۱۶۔ از ڈاکٹر ریاض مجید)

ڈاکٹر ریاض مجید تحریر کرتے ہیں :

”اسی طرح عمرانیات و سیاسیات اور اقتصادیات و اخلاقیات ملت کی اخلاقی تہذیب اور انتشار یا مغرب پرستی اور عصر حاضر کی مادیت زدہ زندگی اور اس سے پیدا ہونے والی گمراہی اور بد اخلاقی کو بھی نعت نگاروں نے اپنے فن کا موضوع بنایا ہے۔“ (اردو میں نعت کوئی ص ۱۷)

نعت میں طنز کا انداز

شعراء نے نعت میں طنز کو کس طرح داخل کیا ہے ملاحظہ کیجئے :

- ۱۔ جو منکر اس کی عظمت کے ہیں شیطان مجسم ہیں بہشتی جنتی ہیں دوستان مولد حضرت (لفظہ بلوی)
- ۲۔ جب دوستوں نے ان کو حیات النبیؐ کہا جیتے جی پھر تمام بد اندیش مر گئے
- ۳۔ کھل ادائے نبیؐ میں کام آنے کیلئے خنجر و تیر و کمان تیغ و تیر پیدا ہوئے (تمنا مراد آبادی)
- ۴۔ کہہ دو یہ قادیان کے نبیؐ سے کہ خوش نہ ہو دن رات شاد کام ہیں ناکامیوں میں ہم
- ۵۔ نبیؐ کے بعد نبوت کا ادعا ہو جیسے ہر ایسے اہل خرافات سے خدا کی پناہ (تلفظ علی خان تلفر)
- ۶۔ ہمارے جیسا کہیں یہ نبیؐ کو یہ نبیوں کی عظمت سے گھبرانے والے (دیدار علی شاہ)
- ۷۔ اب آمد نبیؐ کا اہل فہم فلا فلا قرآن کے بعد کوئی صحیفہ فلا فلا (راج عرفانی)
- ۸۔ ذکر جب احمد مرسل کا زبان پر آیا منکر ختم نبوتؐ کو کئی تیر گے (عبدالکریم تہر)

۹۔ نسبت ہمیں ہے احمد مختار سے آمد ہم احمدی تو ہیں سپہ نلام احمدی نہیں (آمد مکتبی)

صرف امام احمد رضا خاں بلوچی کے کام میں بد مذہبیت بے عملی اور رسول اللہ ﷺ کے گستاخوں کے رد میں درجنوں اشعار موجود ہیں۔ چند اشعار بطور مثال پیش ہیں :

- ۱۔ مومن ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے تنقیم بھی کرتا ہے جلدی تو مرے دل سے
 - ۲۔ ذکر رو کے فضل کاٹے نقص کا جو یاں رہے پھر کے سروک کہ ہوں امت رسول اللہ کی
 - ۳۔ ۱۷ کھائیں تیرے غلاموں سے ابھیں ہیں منکر عجب کھانے خزانے والے
 - ۴۔ دشمن احمد پہ شدت بیجئے طہدوں کی کیا مروت کیسے
 - ۵۔ من گئے منھے ہیں من جائیں گے ادا تیرے نہ منا ہے نہ منے گا کبھی چرچا تیرا
 - ۶۔ رہے گا یوں ہی ان کا چرچا رہے گا پڑے خاک ہو جائیں جل جانے والے
 - ۷۔ دن لو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے شرم نبیؐ خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
- مندرجہ بالا سولہ اشعار کو محض بیجا مذہب سے متعلق کر کے نالائقیوں جاسکتا ہے یہ طنز نہیں ہیں۔ طنز کے ساتھ مزاح کی آمیزش لازمی نہیں ہے خالص طنز بھی ایک چیز ہے اور کوئی کوئی طنز ایسا بھی ہوتا ہے جس میں خود خود مزاح کی پہچان چھوٹ جاتی ہے۔

مولوی الطاف حسین حالی کی معروف مناجات جس نے اردو نعت میں قوی دہلی مسائل کے تذکار کو رواج دیا اس شعر سے شروع ہوئی ہے ۔

اے خاصہ خاصانِ رسل وقت دعا ہے امت پہ تری آ کے مجب وقت پڑا ہے

اس مناجات میں حالی نے قوم کی پستی و بے عملی کا رونا رویا ہے اور سرکارِ ابد قرار ﷺ کی بارگاہ میں استغاثہ پیش کیا ہے۔ انہوں نے قوم کی پستی کا حال جس انداز میں بیان کیا ہے اس میں لطیف طنز بھی نمایاں ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجئے ۔

جو تفرقے اقوام کے آیا تھا منانے اس دین میں خود تفرقہ اب آ کے پڑا ہے

جو دین کہ ہمدرد بنی نوع بشر تھا اب جنگ و جدل چار طرف اس میں پڑا ہے

جس قوم میں اور دین میں ہو علم نہ دولت اس قوم کی اور دین کی پانی پہ بنا ہے

ڈاکٹر اقبال کے ”جواب شکوہ“ میں نعتیہ عناصر بد رجاہتم موجود ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی مذہب پراری بے عملی اور اخلاقی پستی وغیرہ کامیان ہے۔ ان سب کا تعلق بہ حال اسلامی معاشرے سے ہے اور معاشرے کی بد عنوانی سے ہے اور اقبال نے جس انداز میں رب تعالیٰ سے جو اب دلویا ہے اس میں طنز بہت ہی نمایاں ہے۔ چند ہمد ملاحظہ کیجئے :

کون ہے تارک آئین رسولِ مختار؟ مصلحت و وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار
کس کی آنکھوں میں سلیا ہے شعار اغیار ہو گئی کس کی نگہ طرز سلف سے بیزار

قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں

کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

مغنی

واعظ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی ، برقِ طبعی نہ رہی ، شعلہِ مقاتلی نہ رہی
رہ گئی رسمِ ازاں روحِ بلائی نہ رہی فلسفہِ رہ گیا ، تلقینِ غزالی نہ رہی

مجددیں سریشہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے

یعنی وہ صاحبِ اوصافِ تجازی نہ رہے

آخری ہمد کا یہ مشہور زمانہ شعر۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
میں بھی طنزِ لطیف موند ہے۔ مذہبِ بیزار اور بے عمل مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کی غلامی
اور وقاداری کی زنجیر میں بندہ جانے کی تلقین بھی کرتے ہیں اور انہیں ان کی حالت کا آئینہ دکھاتے ہوئے طنز
بھی کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

عمر حاضر کے شعراء کے ہاں مسلم معاشرے کی بے عملی، آپسی منافرت اور قتل و عارت گری،
غیروں کی بیرونی مغرب پرستی وغیرہ پر نعت میں طنز کے جلوے دیکھئے۔

۱۔ عوام بے عمل و کج ادا و کج رفتار ، محاذخان و وطن ہیں رہیں لاف و گزاف
(حافظ مظہر الدین)

مظفر دہلوی کی دو نظموں ”دہائی“ اور ”خیر کی بھیک“ کے یہ اشعار اور ہمد دیکھئے:

بھائی نے بھائی کا ہنس کے خون بہلایا کیسے گوشت انسان کا انسان نے کھلایا کیسے
کب ترے ساتھ اسے پیار کا ڈھب آئے گا تیرا دریائے کرم جوش پہ کب آئے گا
۳۔ تیرے کلماتیں غیروں کی وصت کریں رہنما سازشوں کی قیادت کریں
خواہشیں ہیں پھیننے کی پردان کی جڑ مسلمان کاٹے مسلمان کی

ہر طرف دوسوے

رہنمائی کو ڈتے

ماترہ شہس یا نبی یا نبی

۴۔ مطلوب نہیں ہم کو سائین و ٹرومین کونین کا سردار ہے سردار ہمارا
(اثرِ صبا)

۵۔ اشتراکیت کے حامی کچھ تو رسوا ہو گئے کچھ وہ اس توہین کا بھتیس کے خمیازہ ابھی
۶۔ آج ہو بڑی نظامِ مصطفیٰؐ پر مگر عمل کفر و باطل کا اتر جائے گا سب تازہ ابھی

لندن و بیس کی ضروری سے اس کو کیا غرض جو نعمتانِ حرم کا بے خود و سرمست ہے
اس کو بڑی لینن و ماڈ سے کیا دلچسپی جس کا دل اس حسنِ کونین سے بچست ہے

(خالد بڑی)

اخلاق کا یہ کساد مولا انصاف کا یہ زوال آقا

جاری ہے زیست کی رگوں میں زہرِ سیم و زر و مال آقا

امت کو پھر عروجِ عطا ہو غم سے ہے بہت شعلہ آقا

(حقیقہ صائب)

آخر میں سسٹر کمیل بدر (Sister Camilla Badr) کی ایک انگریزی نعت ہمد ان 1
"Wonder" کا منظوم ترجمہ بہ عنوان "میں سوچتی ہوں" از آفتابِ کرمی مشمولہ سرمایہ نعت رنگ
کراچی شمارہ نمبر ۳، ص ۱۶۹ کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

"شاعرہ کہتی ہے کہ اگر حضور ﷺ اچانک آپ کے یہاں تشریف لے آئیں تو
یقیناً آپ اپنی تقدیر پر باز کریں گے لیکن کیا اس وقت آپ اپنا لباس بدل کر اسلامی
لباس زیب تن کر کے حضور ﷺ کا استقبال کریں گے اور گھر میں رکھے ہوئے
رسالے چھپا کر ان کی جگہ قرآنِ عظیم رکھ دیں گے اور ٹی۔وی پر چلتی ہوئی بالغ
مودی کہاں لے جائیں گے اور ریڈیو بھی بند کر دیں گے کہ شاید سرکارِ ﷺ نے
کچھ نہ سنا ہو۔ کیا آپ موسیقی کے یہ سامان ہٹا کر ان کی جگہ حدیث کی کتابیں لا کر
رکھ دیں گے اور جب سرکارِ علیہ السلام کو گھر کے اندر لے آئیں گے تو کیا آپ کی
مشغولیتیں وہی رہیں گی جو روزِ رہتی ہیں اور وہی اندازِ گفتگو بھی برقرار رکھیں
گے۔"

نوٹ: یہاں تک کی نظم کی ہمد کی خوفِ طوالت نقل نہیں کی گئی۔ اب بقیہ تین ہمد برائے
ملاحظہ پیش ہیں:

اور پھر فجر کے وقت

کیا آپ طلوعِ سحر سے پہلے اپنے بستر کو چھوڑ سکیں گے

اور کیا آپ وہی نئے اپنے آپ کو سنائیں گے جو ہر دن سنتے ہیں

اور کیا آپ وہی کتابیں پڑھتے رہیں گے جو پڑھتے ہیں

اور کیا آپ اپنے عظیم رسول کو بتائیں گے
کہ آپ کی روح اور ذہن کن خیالات کی آماجگاہ ہے
اور کیا آپ اپنے ہاوی اور رہنما کو ان مقامات پر لے جائیں گے
جہاں جانے کا منصوبہ بنا رکھا ہے
کیا پھر آپ اپنے ارادے بدل دیں گے
دو چار دنوں کے لئے

کیا آپ اطمینان کے ساتھ سرور کونین کی ملاقات
اپنے جگری دوستوں سے کرائیں گے
کیا آپ سوچیں گے کہ کاش وہ آپ کے ہاں نہ آئیں
جب تک سرکار کا قیام رہے
کیا آپ اس آرزو کا اظہار کر سکیں گے
کہ کاش سرکار ہمیشہ آپ کے ہاں مقیم رہیں
کیا آپ اطمینان بھر اسانس لیں گے
جب شاہ کونین کے رخصت ہونے کی کھڑی آنے کی

ذرا سوچئے
اگر سرکار آجائیں
آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے۔

اس نظم میں مسلم معاشرہ کی بے عملی پر کس قدر لطیف طنز ہے خود کچھ سکتے ہیں!
ظاہر ہوا جب نعت میں ساج اور سماجی موضوعات پر طنز کیا جاسکتا ہے اور شاعر پوری نظم میں یا
ایک شعر کے دو مصرعوں میں طنز پیش کر سکتا ہے تو شعری صلاحیت کو بروئے کار لا کر وہ ہائیکو کی تین سطروں
(تیرہ جہاؤں کے ساتھ) میں طنز کا جلوہ کیوں نہیں دکھاسکتا اور اس طرح اسے سین ریو میں بدل سکتا ہے؟
نمونہ حاضر ہے ملاحظہ کیجئے

بہ خود کو فریب دے

ان حالتوں پہ دعویٰ عشق رسول کا

کب تجھ کو زیب دے

(نعیم عزیز جی)

تجھ کو ان سے پیار؟

تو بے دن بھر سونے والا

اور وہ شب بیدار

(عرفان چوہدری)

تیز تیری رفتار؟
یقیناً ادیکہ مگر معراج محمد
جاگ سنبھل بیدار

(عرفان چوہدری)

آف تیرے خست پر
دوہو ریائیں ہے فرمانروائے دو جہاں
تو صرف تخت پر

(عرفان چوہدری)

کیا مندرجہ بالا ہائیکو میں نعت رسول علیہ السلام کے حوالے سے مسلم معاشرہ پر طنز نہیں ہے؟ جس طرح
ان ہائیکو میں طنز کر کے انہیں سین ریو میں تبدیل کیا گیا ہے اسی طرح اور بھی سماجی موضوعات پر سین ریو
لکھا جاسکتا ہے۔

کتابیات

۱۔ قرآن کریم

۲۔ تاریخ ادب عربی از احمد حسین زبیرات

۳۔ اردو میں نعت کوئی از ڈاکٹر ریاض مجید

۴۔ مسلم شریف و حدیث متفق علیہ
۵۔ تاریخ اللہ و تاریخ عبد اللہ صحت و جلوی

اردو میں حمدیہ شاعری کا بہترین انتخاب

انتخاب حمد

ترتیب و تقدیم: غوث میاں

صفحات ۶۳۸ قیمت ۳۰۰

☆ ناشر ☆

حضرت حسان حمد و نعت بک بینک پاکستان

۳/۱۳۸۳، شاہ فیصل کالونی، کراچی ۷۵۲۳۰

اردو نعت اور عقیدہ ختم نبوت

جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے دن سے ہی ابلیس نے سجدے سے انکار کر کے خیر کے مقابل شرکی موجودگی کا اعلان کیا تھا اسی طرح سے ہمارے پیارے نبی احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عالم فانی میں موجودگی کے عرصے میں ہی میلہ جیسے شیطان نے اپنی جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اللہ اور اس کے فرشتے ایسے شیطانوں پر ازل سے لعنت بھیجتے آئے ہیں۔ کذاب چاہے میلہ ہو جو پیامہ سے اٹھے یا مرزا ہو جو قادیان سے برآمد ہو سب قابل ملامت لبدی ہیں۔

حضور پاک ﷺ کا یہ فرمانا کہ "انا خاتم النبیین لانی بعدی" اس سلسلے میں ہمارے لئے فرمان آخری کا درجہ رکھتا ہے اور جو کوئی بھی اس قول فیصل کی کسی طرح بھی توہین نامہ تکب بودہ ہمارے لئے کسی بھی صورت میں قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ یہی ہمارا ایمان ہے اور اسی میں ہماری نجات ہے۔ عہد حاضر کے اس فتنہ عظیم یعنی قادیانیت نے مسلمانوں کی صفوں میں افتراق و انتشار کی شدید کوششیں کیں اور بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو بھگانے میں کامیاب بھی ہوئے۔ مگر دوسری طرف نبی آخر الزماں کے سچے شیدائیوں نے اس فتنے کو کچلنے کے لئے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ یہاں تک کہ ہزاروں فرزند ان اسلام نے اس سلسلے میں اپنے خون کے نذرانے بھی پیش کئے۔ برصغیر پاک و ہند میں تحریک ختم نبوت کے پروانوں نے اپنی قربانیوں کی لازوال تاریخ رقم کی ہے اور جب کوئی تحریک عوام الناس میں پھیل جاتی ہے تو معاشرے کا حساس ترین طبقہ یعنی اہل قلم حضرات اس سے کس طرح پہلو تہی کر سکتے ہیں۔ انہوں نے بھی نثر اور نظم میں تحریک کا بھرپور ساتھ دیا۔ یوں عقیدہ ختم نبوت کے بارے میں بے شمار اشعار تخلیق ہوئے۔ جن میں علامہ اقبال اکبر الہ آبادی، مولانا ظفر علی خاں اور شورش کا شیرازی سے لے کر مظفر وارثی اور امین نقوی تک بہت سے شعراء کرام نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور خالص رزمیہ لہجے میں کذاب قادیان اور اس کے پیغام کو رد کیا گیا۔ اس تحریک کا نفسیاتی اثر یہ ہوا کہ تمام شعراء میں عمومی طور پر نعت گوئی میں آقائے دو جہاں کے دوسرے اوصاف کے تذکرے کے ساتھ ساتھ صفت خاتم النبیین، ختم المرسلین کا تذکرہ خصوصی اہمیت حاصل کر گیا اور یوں نعتیہ شاعری میں عقیدہ ختم نبوت پر بڑے عظیم اشعار تخلیق پائے۔

پہلے میں آپ کی خدمت میں وہ چند اشعار پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو تحریک ختم نبوت کے سلسلے میں خاص طور پر شعوری کاوشوں سے تخلیق کئے گئے۔ اور ان میں مرزا اور قادیانیت پر خاص طور پر لعن طعن کی گئی ہے۔

عصر من پیغمبرے ہم آفرید آگہ در قرآن خود را ندید
تن پرست جاہ مست و کم نگاہ اندرونش بے نصیب از لا الہ
(اقبال)

اہمے ہیں عیب ان کے اور خمیاں دہی ہیں بے دین اگر نہیں ہیں تو شیخ بی فہمی ہیں
اپنی ہوس کے آگے ملت کو چھوڑ بھاگے اور کہہ دیا کہ ہم تو اس عہد کے نبی ہیں
(اکبر الہ آبادی)

جان سکتا ہے وہی مرزائیوں کی عافیت جس کے ہے پیش نظر حشر نمود انجام عاد
میرا یہ لکھتا کہ ربوہ کی خلافت ہے فراڈ خواجہ کونین کے ارشاد کی تمہیل ہے
(مولانا ظفر علی خاں)

پس از مصطفیٰ ﷺ جو کہے میں نبی ہوں وہ جھوٹا ہے جھوٹے کو رسوا کریں گے
(امین گیلائی)

مرتد ہے وہ جو ختم نبوت کا ہے منکر کافر ہے جسے اپنی نبوت کا گماں ہو
(شکیل پانی پتی)

وہ جھوٹا نبی ہے وہ جھوٹا مجدد وہ جھوٹا ہے مہدی وہ جھوٹا مسیحا

کلام خدا کا میں سچ کہہ رہا ہوں کہ ناآشنائے آداب کئے

ہزار بار بھی ابلیس قادیان سے اٹھے دلوں سے نقش محمد ﷺ مٹا سکو گے نہ تم
(جاہناز مرزا)

جاگ اٹھے ہیں پاسان دین ختم المرسلین اب مٹا کر چین لیں گے جگ سے دین قادیان
(ازہر درانی)

جعلی بنا کے مر نبوت وہ لائے تھے بازار دین میں کفر کا سکہ چلا چکے
(نسیم صدیقی)

قادیانی پائے آزادی میں تھے خار مغیل نوک سوزن سے نکالو بھائیو اس خار کو

(طالوت)

ہر مسلماں کا یہی مسلک یہی ایمان ہے مگر ختم نبوت مگر قرآن ہے (جائی لیاے)

مگر خاتمِ رسل بعثت نو کا مدعی ہے ازلی عدو میرا ایسوں سے دوستی نہیں (شوقی)

کذاب کی علامت سچائی سے بغاوت اک جھوٹ اک کہانی مرزا غلام احمد (شاپین اقبال اثر)

برطانوی نبی تیری پرواز خوب ہے دیں میں نقب لگائی ہے ایماں کو لوٹ کر (عارف سحرانی)

بوسے کذاب ہیں یہ قادیانی بدل لیتے ہیں آیات قرآنی (سلطان قدیر)

شیطان کی غلامی میں ملی جس کو نبوت رسوائے زمانہ وہ سیاہ کار ہے مرزا (ملی اصغر چشتی)

میں تمھ کو بتاتا ہوں مرزا کی اصل کیا ہے کر گس کا اوقات اول شاپین کا گماں آخر (سلیم ساقی)

مندرجہ بالا تو ان بے شمار اشعار میں سے چند تھے جن میں کھلے کھلے لفظوں میں براہ راست کذاب قادیان اور اس کے مسلک کو نشانہ بنایا گیا۔ اب آئیے دوسری قسم کے کچھ اشعار دیکھتے ہیں جن میں کذاب قادیان کا نام یا قادیانیت کا ذکر نہیں ہے مگر موضوع وہی ہے اور یہ تمام اشعار ختم نبوت کے بارے میں یقین بڑھانے کی کڑی ہیں۔

وہ ختم المرسلین ہیں باعث اتمام نعمت ہیں نبوت ختم ہے ان پر سمجھنا عین ایمان ہے (عنایت اللہ رشیدی)

کچھ کر شبہ نہ ختم نبوت میں بھول کر وہ آخری نبی ہیں صداقت قبول کر (سید انوار ظہوری)

جو فتنہ ملت بیضا کی بنیادوں سے ٹکرائے میرے نزدیک اس کا سر چکنا عین ایمان ہے (فیروز فتح آبادی)

فدا ہے جان میری عظمت ختم نبوت پر کچل دوں گا خلاف اس کے کہیں ہو فتنہ گر پیدا (ناشر جازی)

تا حشر دیکھ لینا ایسا کبھی نہ ہوگا بعد نبی ہو کوئی سچا نبی نہ ہوگا (وزیر علی شاہ)

نبی خاتم پر جو سو جان سے قربان ہوتے ہیں خدا شاہد وہی تو صاحب ایمان ہوتے ہیں (دعا صدیقی)

مسلم نہیں جو ختم نبوت کا ہے مگر یہ شق اب آمین وطن کی ہے رگ چل (عاصی کرہانی)

ختم حضور پاک ﷺ پر سلسلہ رسل ہوا قابل التفات ہی اب کوئی مضرتی نہیں (شوقی)

ختم رسل کے بعد پیغمبر غلط غلط نازل ہو اب کتاب کسی پر غلط غلط (امین گیانی)

عظمت ختم الرسل پائندہ و تانندہ باد ہو گیا پھر لا نبی بعدی کا پرچم بندہ (ضیف رضا)

محمد مصطفیٰ ﷺ پر ہی نبوت ختم ہے لوگو نظر اس حکم پیغمبر پہ رکھنا عین عبادت ہے (حبیب الرحمن کارچوی)

ہر اک نظام ہے ناکام فتنہ در آغوش حضور آپ کے لائے ہوئے پیام کے بعد (ابوالبلیان حماد)

سلسلہ ختم نبوت کا ہوا تیرے بعد پھر نہ لایا کوئی پیغام خدا تیرے بعد (سجاد رضوی)

اب تک جو اشعار پیش کئے گئے وہ زیادہ تر شعوری کاوشیں تھیں جو فتنہ قادیانیت کو ذہن میں رکھتے ہوئے جواملی کارروائی کے طور پر کئے گئے اقدامات کا حصہ تھیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ عقیدہ ختم نبوت تو مسلمان شعراء کے لاشعور میں جاگزیں ہے اور نعت کے اشعار کہتے ہوئے یہ عقیدہ غیر ارادی اور غیر محسوس طور پر اشعار میں جا بجا جھلکتا ہے۔ اب ایسے چند شعر دیکھئے کہ جن کے بارے میں کچھ وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی بلکہ یہ اشعار وہ آئینے ہیں جن میں ہر طرف عقیدہ ختم نبوت کے عکس جھلملاتے نظر آتے ہیں۔

تو ہی تکمیل ہے نبوت کی تو ہی معراج آدمیت ہے (وحیدہ نسیم)

تو نبوت کے قصیدے کا مقدس مقطع دیں کی تکمیل کا پیغام سنانے والے

کیا ہے خاتم پیغمبروں انہیں رب نے انہیں پہ ختم ہوا سلسلہ رسالت کا
(نکدہ رکھدوی)

وہ کہ ایوان رسالت کی ہیں خشت آخری
خاتم ختم نبوت کے تئیں ختم الرسل

(یزدانی باندھری)

کوئی ان کے بعد نبی ہوا نہیں ان کے بعد کوئی نہیں
کہ خدا نے خود ہی تو کہہ دیا نہیں ان کے بعد کوئی نہیں

(حنیف اسدی)

آخر میں حضور ﷺ کی صفت ختم المرسلین کے بارے میں غیر مسلم شاعروں کے چند اشعار
درج کر رہا ہوں جو مزائیت یا قادیانیت میں غرق افراد کے لئے ایسے آئینے کا کام دے سکتے ہیں جو ان کے
مکروہ عقائد کو ان کے سامنے واضح کر سکیں۔ شاید اسے پڑھ کر کسی کو کوئی خیال آجائے۔ میرا حال اشعار حاضر
ہیں۔

شان معراج سے بس یہ عقدہ کھلا مرکز عشق ہیں خاتم الانبیاء
(بھٹوان داس بھٹوان)

یہ وہ ذات مقدس ہے رسالت ختم ہے جن پر ہوا ہے اور نہ ہو گا اب کوئی ہمسر محمد ﷺ کا
(بیادے لعل رونق دہلوی)

مبارک ہو زمانے کو کہ ختم المرسلین ﷺ آیا سحاب رحم یں کر رحمۃ للعالمین ﷺ آیا
(بگن ناتھ آزاد)

میلاد کے موضوع پر ایک بلند پایہ کتاب

میلادِ ربانی

مصنف: مولانا عبدالقادر آزاد سبحانی

☆ ناشر ☆

مرکزی مجلس امیر ملت پاکستان، برج کلاں ضلع قصور

(نعیم صدیقی)

بعثتِ فواجہ ہوئی بعد رسولان کرام
صفحیں ہو جائیں مکمل تو امام آتا ہے
(حافظ مظہر الدین)

فتح باب نبوت پہ بے حد درود
دور ختم رسالت پہ لاکھوں سلام
(مولانا احمد رضا خاں)

آخری تاج نبوت ان کو پہنایا گیا
تاقیامت دیں کے رہبر ہیں محمد مصطفیٰ ﷺ
(مسلم غازی)

آپ ہی پر ختم ہے پیغمبری کا سلسلہ
جس کے بعد آتا نہیں وہ پیغمبر آپ ہیں
(نیاز سواتی)

مچی اک دھوم عالم میں محمد مصطفیٰ آئے
ہوا اتمام دیں جن پر وہ ختم الانبیاء آئے
(عبدالحمید سالک)

تری ہر بات کا قصہ چلے گا
قیامت تک یہی سکھ چلے گا
(روحی کجاسی)

ختم رسل کا مرتبہ ازل سے تجھے ملا
ہیں بادب تمام پیغمبر تیرے حضور
(حفیظ تائب)

سلام اس پر کہ بعد اس کے نہ آئے گا نبی کوئی
نہ اس سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا نبی کوئی
(حافظ لدھیانوی)

خدا کا دنیا کی سب پیغام آخری اور دلنشین بھی

یہ ایک آواز جو زمانوں کی تہماں دہر آفریں بھی

(جعفر طاہر)

تیرے وجود پہ فرست انبیاء ہے تمام
بہنسی پہ ختم ہے روح الامیں کی نامہ بردی
(احسان دانش)

تھ سے پہلے کا جو ماضی ہے ہزاروں کا سہی
اب جو تاحشر کا فردا ہے وہ تھا تیرا
(احمد نعیم قاسمی)

سورج کو جس کے جسم کا سایہ نہیں ملے
یہ وصف حق کے آخری پیغامبر میں ہے
(برگ یوسفی)

”گلزار نعت“ — ایک نایاب نعتیہ گلدستہ

انیسویں صدی عیسوی میں کثیر تعداد میں اردو گلدستے شائع ہوتے رہے۔ متحدہ ہندوستان کا شاید ہی کوئی شہر ہو جہاں سے کوئی اردو گلدستہ نہ نکلتا رہا ہو۔ تواریخ صحافت اور دیگر ذرائع میں سیکڑوں گلدستوں کا ذکر موجود ہے۔ اس کے باوجود بعض ایسے گلدستوں کے شواہد مل جاتے ہیں جن کا تذکرہ تواریخ صحافت و ادب میں موجود نہیں۔ ان میں سے بعض کے بارے میں شواہد ان اشتہارات سے حاصل ہوتے ہیں جو قدیم اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ خود گلدستوں میں دیگر گلدستوں کے اشتہار بھی شائع ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ کچھ گلدستے مکمل یا نامکمل صورت میں ہم دست ہو جاتے ہیں جس سے ان کے وجود کا علم ہوتا ہے اور تاریخ ادب و صحافت میں قیمتی معلومات کا اضافہ ہوتا ہے۔

زیر نظر گلدستہ ایک ایسا گلدستہ ہے جس کے بارے میں بڑی ناقص معلومات ملتی ہیں۔ خوش قسمتی سے اس گلدستے کے دو شمارے دستیاب ہوئے ہیں جن کی مدد سے اس گلدستے اور اس کے متعلقات کے بارے میں مزید اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس مضمون میں انہی معلومات کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

زیر نظر گلدستے کا نام ”گلزار نعت“ ہے جو سرورق پر سب سے اوپر جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔

اس کے درج ذیل دو شمارے اس وقت پیش نظر ہیں :

(۱) جلد دوئم، نمبر بارہ، ۳۰ جون ۱۸۹۳ء

(۲) جلد دوئم، نمبر تیرہ، ۱۵ جولائی ۱۸۹۳ء

مذکورہ شماروں میں سے شمارہ اول (جلد دوئم نمبر بارہ) کا سرورق موجود نہیں۔ شمارہ دوم (جلد دوئم شمارہ تیرہ) کا سرورق موجود ہے۔ موجود سرورق میں گلدستے سے متعلق جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کے مطابق یہ گلدستہ حسن پور، ضلع مراد آباد سے شائع ہوا تھا۔ دوست محمد خاں عتیق اس گلدستے کے مہتمم اور ناشر تھے اور غالباً اس کے مدیر مرتب بھی وہی تھے۔ کیونکہ گلدستے میں کہیں بھی مدیر مرتب کا نام درج نہیں۔ اس لیے اندازہ ہے کہ مہتمم ہی اس کے مرتب ہوں گے۔

گلدستے کی سالانہ قیمت صرف ۱۱/ (غالباً بارہ آنے) تھی۔ نمونے کا پرچہ منگانے کے لیے ۱۱/ (غالباً

ایک آنے) کے ٹکٹ بھجوانا لازم تھا۔ خریداری کی قیمت پیشگی وصول کی جاتی تھی۔

گلدستہ طرحی ہے۔ سرورق پر درج ہے کہ جو صاحب، مصرع طرح عطا فرماتے ہیں وہ ایک کمیٹی کے روبرو پیش کیا جاتا ہے۔ کمیٹی کی منظوری کے بعد وہ مصرع طرح آئندہ شمارے کے لیے شائع کیا جاتا اور شعراء اس مصرعے پر غزلیں کہہ کر روانہ کرتے۔

آخر میں مہتمم کا نام یوں درج ہے: ”دوست محمد خاں عتیق مہتمم گلزار نعت و لطف سخن“

کلب علی خاں فائق رام پوری نے اپنے مضمون میں ”گلزار نعت“ کا ذکر کیا ہے (۱)۔ انہوں نے اس کے ایک شمارے کی تفصیلات میاکی ہیں لیکن ناقص۔ یہ جلد اول کا پانچواں شمارہ ہے مگر فائق صاحب نے اس کی تاریخ اشاعت درج نہیں کی۔ انہوں نے اپنے مضمون کے آغاز میں لکھا ہے کہ:

”جو رسائل بہ قید سخن درج ہیں وہ صولت پبلک لائبریری رام پور میں راقم کی

نظر سے گزر چکے ہیں۔“ (۲)

یہ ”گلزار نعت“ کے ساتھ یہ التزام موجود نہیں۔ اس لیے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ گلدستہ فائق

صاحب کی نظر سے نہیں گزرا۔

”گلزار نعت“ کے سرورق پر مہتمم کے نام کے ساتھ ”گلزار نعت“ اور ”لطف سخن“ کا اندراج

ہے اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوست محمد عتیق ”گلزار نعت“ کے علاوہ ”لطف سخن“ کی اشاعت کا اہتمام بھی کرتے تھے۔

”لطف سخن“ بھی گلدستہ ہے۔ کلب علی خاں فائق نے اس کا ذکر کیا ہے (۳)۔ لیکن محض نام کی

حد تک۔ انہوں نے اس کے ذکر میں تاریخ اشاعت، حتیٰ کہ شمارہ نمبر اور جلد نمبر کا بھی ذکر نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ”لطف سخن“ بھی ان کی نظر سے نہیں گزر سکا۔ اس کے بارے میں معلومات انہیں بلوا لفظ حاصل ہوئیں۔

اس صورت حال میں یہ مشکل پیدا ہو گئی ہے کہ فائق صاحب نے جس لطف سخن (حسن پور)

مراد آباد) ذکر کیا ہے، آیا وہ ”گلزار نعت“ کی اشاعت کے زمانے کا ہے یا بعد کے زمانے کا؟ فائق صاحب نے اپنے مضمون میں ۱۱۳ گلدستوں کا ذکر کیا ہے جن گلدستوں کے ساتھ سخن کا التزام ہے، وہ سب انیسویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ممکن ہے اس مضمون میں مذکور گلدستے انیسویں صدی کے ہوں۔ ایسی صورت میں ”لطف سخن“ کا تذکرہ انیسویں صدی کے گلدستے کے طور پر ہوا ہوگا۔

”لطف سخن“ بھی گلدستہ تھا۔ اس سے علم ہوتا ہے کہ دوست محمد خاں عتیق ”گلزار نعت“ کے

علاوہ گلدستہ ”لطف سخن“ کے بھی مہتمم تھے۔

”لطف سخن“ کا اس وقت ایک شمارہ پیش نظر ہے۔ یہ یکم جون ۱۹۲۶ء کا شمارہ ہے۔ (۴) یہ

آٹھویں جلد کا گیارہواں شمارہ ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ”لفف سخن“ کا اجراء ۱۹۱۹ء میں ہوا۔ اس کے برعکس ”گزار نعت“ کے سرورق پر ”لفف سخن“ کا نام درج ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ ”گزار نعت“ کے پیش نظر شمارے کی اشاعت کے وقت بھی ”لفف سخن“ شائع ہو رہا تھا۔ اندازہ ہے کہ بعد میں کسی وقت ”لفف سخن“ کی اشاعت معطل ہو گئی ہوگی اور پھر ۱۹۱۹ء میں دوبارہ اس کا اجراء ہوا ہوگا۔

مولانا امداد صہری مرحوم نے بھی ”تاریخ صحافت اردو“ میں ”لفف سخن“ کا ذکر ۱۹۱۹ء میں جاری ہونے والے رسائل میں کیا ہے (۵)۔ امداد صہری صاحب کو غالباً ۱۸۹۳ء میں شائع ہونے والے ”لفف سخن“ کا کوئی شمارہ دستیاب نہ ہو سکا اور نہ اس کے بارے میں کوئی شواہد ملے۔ ان کی تاریخ صحافت اردو میں ”گزار نعت“ کا بھی ذکر نہیں۔ گویا انہیں ”گزار نعت“ کا بھی کوئی شمارہ دستیاب نہ ہو سکا اور نہ ”گزار نعت“ کو رانیسویں صدی کے ”لفف سخن“ کے بارے میں معلومات حاصل ہو سکیں۔

مولانا امداد صہری نے ”لفف سخن“ اور اس کے متہم کے بارے میں درج ذیل معلومات دی ہیں:

”لفف سخن: حسن پور ضلع مراد آباد سے ۱۹۱۹ء کو یہ ماہنامہ گلہ دستہ ظہور پذیر ہوا۔

۲۶ صفحوں پر نکلتا تھا۔ دوست محمد عیسیٰ مرتب اور ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ (۶) فی پرچہ ۳ آنے قیمت تھی۔ مطبع العلوم مراد آباد میں چھپاتا تھا۔“ (۷)

امداد صہری نے ”لفف سخن“ کو ماہنامہ گلہ دستہ تحریر کیا ہے جب کہ ”لفف سخن“ کے قواعد اور تاریخ طبع سے واضح ہوتا ہے کہ یہ ماہنامہ نہیں پندرہ روزہ گلہ دستہ تھا۔ امداد صہری نے غالباً اس پر غور نہیں کیا۔ ”لفف سخن“ کے قواعد و ضوابط کے تحت پہلے ہی نمبر شمارے کے تحت تحریر ہے کہ:

”ہر ماہ انگریزی کی پہلی اور سولہویں کو..... حاضر ہوتا ہے۔“ (۸)

اس کے علاوہ امداد صہری مرحوم نے مرتبہ دیر کا نام ”دوست محمد عیسیٰ“ تحریر کیا ہے جبکہ صحیح نام ”دوست محمد فیضی“ ہے۔ عیسیٰ کو ”عیسیٰ“ تحریر کیا جانا کلمت کی غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ ”گزار نعت“ پندرہ روزہ گلہ دستہ تھا۔ پیش نظر دو شمارے مسلسل ہیں اور ان کی اشاعت کی تاریخیں ۳۰ جون اور ۱۵ جولائی ۱۸۹۳ء ہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ”گزار نعت“ ایک مہینے میں دو بار شائع ہوتا تھا۔

”گزار نعت“ کے پیش نظر شماروں میں سے شمارہ دوم کے سرورق پر یہ درج ہے کہ اس گلہ دستہ میں نعتیہ کلام شائع ہوتا ہے مگر ان دونوں شماروں کے مطالعے اور تجزیے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میں صرف نعتیہ کلام شائع نہیں ہوتا تھا بلکہ اسی کے ساتھ عشقیہ کلام بھی شائع ہوتا رہا ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے:

شمارہ اول میں دو مصرع ہائے طرح کے تحت چھتیس اور پھر چھ یعنی کل چھتیس شاعروں کا عشقیہ طرحی کلام درج کیا گیا ہے جبکہ ”نعت شریف“ کا عنوان دے کر دس اور پانچ مکمل پندرہ شاعروں کا نعتیہ کلام درج کیا گیا ہے۔ اسی طرح پیش نظر شمارہ دوم میں طرح اول کے تحت تین اور طرح دوم کے تحت ایک شاعر یعنی چار شاعروں کا نعتیہ کلام ہے جبکہ عشقیہ کلام صرف طرح دوم کے تحت ہی درج کیا گیا ہے۔ اس میں چھتیس شاعروں کا طرحی کلام ہے۔

مندرجہ بالا شواہد سے واضح ہوتا ہے کہ گلہ دستہ کے نام ”گزار نعت“ سے اگرچہ ظاہر تو یہ ہوتا ہے کہ اس میں نعتیہ کلام شائع ہوتا ہوگا لیکن اس میں عشقیہ کلام کی اشاعت نسبتاً زیادہ تھی۔ البتہ اس کا یہ التزام قابل ذکر ہے کہ عشقیہ اور نعتیہ کلام عنوان دے کر علاحدہ علاحدہ درج کیا گیا ہے۔ نعتیہ کلام کے لیے ”نعت شریف“ کا عنوان دیا گیا ہے جبکہ عشقیہ کلام کے لیے کوئی عنوان نہیں دیا گیا۔ اس طرح کے کلام کا اندراج مصرع طرحی درج کرنے کے بعد کیا گیا ہے۔

حواشی

- (۱) اردو کے طرحی رسالے، ص ۶۰ (۲) ایضاً ص ۵۲ (۳) ایضاً ص ۶۰
 (۴) ”لفف سخن“ مراد آباد، مخزن کتب خانہ جامعہ پنجاب، قائد اعظم کمپس لاہور
 فرست نمبر ۳۰۵ء ۸۹۱ء ل ۵
 (۵) تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم ص ۶۸۸ (۶) اصل = روپیہ (۷) تاریخ صحافت اردو،
 جلد پنجم ص ۶۸۸ (۸) ”لفف سخن“ مراد آباد، یکم جون ۱۹۲۶ء سرورق

کتابیات

- امداد صہری (مرحوم) : تاریخ صحافت اردو، جلد پنجم، دہلی، ۱۹۸۳ء
 دوست محمد خاں عتیق : (۱) ”گزار نعت“ (گلہ دستہ) حسن پور، مراد آباد
 جلد دوم نمبر ۱۲، ۱۳: ۳۰ جون، ۱۵ جولائی ۱۸۹۳ء
 (۲) ”لفف سخن“ (گلہ دستہ) حسن پور، مراد آباد
 جلد نمبر ۸، شمارہ ۱۱: یکم جون ۱۹۲۶ء
 (مخزن کتب خانہ جامعہ پنجاب، قائد اعظم کمپس لاہور)
 (دونوں گلہ دستوں میں مطبع کا نام درج نہیں)
 اردو کے طرحی رسالے (مضمون)
 کلب علی خاں فائق رام پوری :
 مشمولہ ”اورینٹل کالج میگزین“ نومبر ۱۹۵۷ء

شیخ سعدی کی نعتیہ تاب و تب

(چہ و صفت کند سعدی تا تمام)

بعض شاعروں کی اپنی زندگیاں شہرت و قبول کے اجالوں سے محروم رہتی ہیں مگر ان کے بعض اشعار، مصرعے زبانوں پر رواں ہو جاتے، دلوں میں سما جاتے اور چرخ ہفتیں کی رفعتوں کو چھونے لگ جاتے ہیں۔ جیسے جیسے وہ مصرعے بلند یوں پر اڑتے چلے جاتے ہیں ویسے ویسے ان کے خالق قدر گنتی میں اترتے چلے جاتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ لوگ ان عظیم شاعروں کو ڈھونڈتے اور ان کے بارے میں قیاس آرائیاں کرتے رہ جاتے ہیں کہ کس کے جگر کے خون نے ان لفظوں کی یوں آبیاری کی ہے کہ وہ کیف و نشاط بن کر روح میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ دوسری طرف بعض شاعر تو فی الواقع معروف اور عظیم ہوتے ہیں اور ان کی شاعری کے بعض ٹکڑے بھی مقبول و مشہور مگر یہ شعری آویزے اس تیزی سے پھیلنے پھرتے اور آگے نکلتے ہیں کہ بسا اوقات ان کے معروف خالق بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔

شیخ سعدی اپنی شخصی وجاہت، شعری عظمت اور نامحمانہ تاب و تب کے اعتبار سے ایک قابل قدر مقام کے حامل ہیں۔ ان کے بعض عربی اور فارسی اشعار آج تک صغیر پاک و ہند میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم ہر لب کی دعا، ہر دل کی تمنا اور ہر مسجد کی زینت بنے ہوئے ہیں مگر بہت کم لوگ یہ جانتے ہیں کہ یہ اشعار شیخ سعدی کے ہیں۔

بلغ	العلی	بجمال	کشف	الدینی	جمالہ
حسنت	جمع	فصالح	صلوا	علیہ	دآلم

نخستین	لوہڑا	میر	عمر	پنجہ	بیچ	دیو	مرید
خرد مند	مٹاٹ	شب زندہ	دار	چرام	علی	شاہ	دلدار

خدایا حق بنی قاطبہ کہ بر قول ایماں کتم خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی در قبول من و دست و دامن آل رسول
پہلے قلعے سے متاثر ہو کر کسی گئی تعمیر کو اگر کیجا کیا جائے تو ایک دفتر مرتب ہو سکتا ہے اور

تیسرا ائمہ کرام کی اکثریت کی دعا کا مقطع ہوا کرتا ہے۔ بلغ العلیٰ بجمالہ۔۔۔ کے ساتھ ساتھ ”بجمالہ“ بطی گزر کن“ اور ”یا صاحب الجہال ویاسید البشر“ ”وہ شیخ اجالا جس نے کیا چالیس برس تک فاروں میں“ ”سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی“ ”سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں“ ”خوار ہیں بدکار ہیں ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں“ ”وہ اشعار و قطعات ہیں جو ہمارے ہاں بار بار دہرائے جاتے ہیں اور بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ یہ علی الترتیب ’مولانا جامی‘ حضرت عبدالحق محدث دہلوی، ظفر علی خان، حفیظ جالندھری، ناہر القادری اور حشر کاشمیری کے ہیں۔ اسی طرح شیخ سعدی کے بہت سے اشعار فضائل و شمائل رسول ﷺ پر اظہار خیال کرنے والوں کیلئے سند اور دلیل کا کام دیتے ہیں مثلاً

چیتے کہ ناکردہ قرآن درست کتب خانہ چند ملت پشت

خلاف پیہر کے راہ گزید کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

مپندار سعدی کہ راہ صفا توں رفت جز بر پے مصطفیٰ ﷺ

اگر یکسر مومے مژ پرم فردخ جلی بسوزد پرم

شیخ سعدی کے بارے میں ہماری اکثریت یہی جانتی ہے کہ وہ گلستان اور بوستان کے مصنف ہیں۔ گلستان اور بوستان کیا ہے؟ اس کے بارے میں نئی پود کم و بیش بتلہ ہے کیونکہ یہ پود اسلاف کے علمی، دینی اور روحانی ورثے سے کٹ گئی ہے۔ یہ بات بھی اکثریت کے علم میں نہیں کہ شیخ سعدی ایک ایسے غزل گو بھی تھے جن کے قلم کی جنبشوں پر حسن چمکتا اور ایمائیت ناز کرتی تھی۔ ان کی غزلیں قامت اور قیمت دونوں اعتبار سے وقیع اور قابل قدر ہیں اور مجازی میرا یہ شوخی کی حد تک رہتا ہے۔ شکایت تک نہیں پہنچتا۔ سعدی اس لئے بھی اہم ہیں کہ انہوں نے غزل کو قصائد کی تعریف سے الگ کر کے ایک الگ صنف سخن کے طور پر پیش کیا۔ اس اعتبار سے انہیں ایک نوع سے ولایت حاصل ہے۔

فلسفیانہ رموز، حکیمانہ نکات اور مصروفانہ بصائر کے اظہار کے لئے فارسی زبان اپنے دائرہ اثر اور حلقہ تعظیم و انعام کے اعتبار سے عربی کی نسبت کہیں موزوں و مناسب ہے۔ اس لحاظ سے اردو بھی فارسی کے مقابل نہیں آسکتی کہ وہ وقت اظہار اور تاثر کے اعتبار سے خود فارسی کی محتاج ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال نے جب اپنے فکر کی رفعت اور خیال کے عمق کو عام کرنا چاہا تو انہیں اردو سے کہیں زیادہ فارسی پسند آئی۔ اسی زبان نے ان کے انکار عالیہ کو آقاقت عطا کی اور ان کا فکر بڑھنے کی حدود سے نکلا اور عالم اسلام کے رگ و پے میں بادی سحر گاہی کا نم بن کر سما گیا۔

مکس نٹالید در این عمد چون مرد دست کہ بافاق سخن می رود از شیرازم
سیاسی انقلابات نے سعدی کے شعر و ادب میں زندگی کی بے ثباتی کا احساس پیدا کیا۔ آلام روزگار
نے طبعی ذوق میں گدازا ہمارا، تصوف کی چاشنی نے اس گداز کو تیرنیم کش بنا دیا۔ مذہب سے والہانہ لگاؤ نے
مجاز کو عرفان و حقیقت کا آہنگ عطا کیا اور وسعت مشاہدہ نے جگ بیعتی کو آپ بیعتی کا تاثر دیا۔ ذاتی طور پر
شیخ سعدی آنسوؤں میں مسکرانے کے عادی تھے وہ زندگی کی سنگینیوں کو صبر و شکر سے توشہ آخرت بنانے
کے قائل تھے۔ ان کا رنگ شعر آج بھی نکھر نکھر اور اچھا اور اچھا محسوس ہوتا ہے اور کہنی کا کوئی سا غبار بھی اسے
دھندلا نہیں سکا۔ یہ گفتگو اور تازگی نتیجہ ہے اس آتش غم کا جو ان کے گوشہ ہائے خاطر میں شرارہ بار تھی۔
آگ کے بھڑکے بغیر بات بنتی ہی نہیں آگ جلتی ہے، تب پتھر ٹوڑ پڑتے ہیں۔ سعدی ہی کے شعر ہیں۔

ہر کس باشد این گفتار عود نا سوخته ندارد یوی
گر برسد نالہ سعدی بگوہ کوہ بنالہ بزبان صدا
غزل لطیف ترین جذبات کا خوبصورت ترین اظہار ہے۔ سعدی سے پہلے غزل یا تو قصائد کی
تشویش تک محدود تھی یا نصیحتوں اور ہدایتوں کا ایک رواں دواں اظہار۔ مگر سعدی نے غزل کو اس کے حقیقی
خال و خط کے ساتھ پیش کیا۔ اسے اپنی ذاتی کیفیات سے اجالا اور نکھار، مجاز کی دلچسپیوں سے رعنائی عطا کی۔
حکیمانہ امور کو تغزل کی ایک ایسی نشتریت کے ساتھ رقم کیا جو ایک پختہ فکر غزل گو ہی کی خصوصیت ہو سکتی
ہے۔ انہوں نے جدت اور اسے فرسودہ اور پیش پا افتادہ مضامین میں بھی تازگی کی ایک لہر دوڑادی۔ چھوٹی
چھوٹی باتوں سے بڑے بڑے نکتے اٹھانے پر شیخ کا قلم اور ذہن دونوں قادر تھے۔ اشعار کے ساتھ ساتھ
سعدی کو بھی اپنی زندگی میں شہرت، قبولیت اور عظمت مل چکی تھی۔ خود انہیں اس امر کا احساس تھا کہ ان کے
قلم سے گلستان کے دیباچے میں یہ سطور نکل گئی تھیں جن کا ترجمہ یوں ہے:

”سعدی کا ذکر جمیل عام لوگوں تک پہنچ گیا ہے اور کلام کی شہرت روئے زمین پر
پھیل گئی ہے۔ صاحب ذوق کلام سے ہنجر کے مانند شیرینی حاصل کرتے ہیں اور
اس کی انشاء کے نمونے کاغذ زر کے مانند لیے ہوتے ہیں۔“

سعدی کی نعتوں میں قلبی عقیدت کے ساتھ ساتھ تغزل کی وہ شان بھی جلوہ گر ہے جو شعر کو
پر پرواز عطا کرتی ہے اور اسے اعجاز بناتی ہے۔ انہوں نے نعت کو بلور صنف سخن نہیں اپنایا۔ کچھ نعتیہ اشعار
گلستان اور بوستان کی ابتدا میں ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو نعتیہ قصائد ہیں۔ یہ سرمایہ بظاہر اس قدر کم ہے کہ
اس کی بنیاد پر سعدی کو باقاعدہ نعت گو شاعر قرار نہیں دیا جاسکتا مگر وہ سرمایہ نعت اپنی علمی، شعری، قلبی اور
فکری حیثیت سے اس قابل ضرور ہے کہ دیگر خصوصیات کلام کے ساتھ اسے بھی سعدی کی شاعری کا ایک
ذوق رخن قرار دیا جاسکے اور پھر ان کے بعض اشعار کی قبولیت عامہ اس بات کی دلیل بھی ہے کہ ان کی یہ مدحت

بارگاہ نبوی میں پذیرائی پائی ہے۔ سعدی باتوں باتوں میں جو بات پیدا کر جاتے ہیں وہ ہر قلم کے مس کی بات
نہیں ہے۔

بات بنانا مشکل سا ہے شعر سمجھی یاں کہتے ہیں فکر بلند سے یاروں کو اک ایسی غزل کہ لائے دو
تاثر اور کیف کے حامل یہی وہ چند آنسو ہیں جنہوں نے سعدی کو خامان بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
سے تعلق رکھنے والا ایک ایسا نعت گو بنا دیا ہے جس کی مدحت کا انداز شہتہ و کلفت ہے۔ ان کی قلبی شجاعت نے
اس مختصر سے سرمایہ نعت کو شرف و قبول کی اس عظمت سے بہرہ ور کیا ہے کہ اس کے مقابل ایک مگر کا قلبی
ریاض بھی بیچا ہے۔

طوفان نوح لانے سے اے چشم فائدہ دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں
علم، معلومات کے گل کتر کر گلستاں بنا سکتا ہے، عقل بھول بھلیاں کے ایوان استوار کر سکتی ہے۔ شاعر تعقیانہ
خود نمائیوں کے انبار لگا سکتا ہے مگر کوئی اہل درد اپنے دل کی دھڑکنوں سے ہم آہنگ کوئی ایک مصرع ہی کہہ
دے تو وہ ان شعری اور عقلی ”ظہار متعظیرہ“ پر حاوی اور بھاری ہو گا۔ ایہ یہی ہے کہ

ایک اہل درد ہی ملتا نہیں درندہ درد دل کی تعمیریں بہت
ان کی ان نعتوں کو ایک نظر دیکھنے سے جہاں ان کا فنی حسن نگاہ کو متاثر کرتا ہے وہاں ان کی نعتوں
کا مستوی جمال بھی دل میں اترتا ہے۔ ان کی نعتیں سیرت رسول ﷺ کا ایک سچا عکس ہیں یہ حضور ﷺ کی
فضیلتوں کا ایک ایسا نمائندہ تذکرہ ہے کہ مجمل ہوتے ہوئے بھی مواد کے اعتبار سے بلیغ و مستبر ہے۔

ممدوح عظیم و جلیل (ﷺ) کے حسن صورت سے حسن سیرت تک کے بہت سے پہلوؤں کی
طرف ان کی نعتوں میں اشارے ملتے ہیں۔ انبیاء کرام میں ان کی افضلیت سے لیکر میدان حشر میں ان کی
شفاعت تک، ان کے ناخ اویان ہونے سے لیکر پیکر انوار ہونے تک، عبدیت کی عرش رسائی سے لیکر
جبریل کی سدرہ ہستہائی تک، نئے ربانی سے لیکر زمین بوسی ملائکہ تک، وجود و کائنات سے لیکر جمیل دین
الوہی تک، موجودات عالم کی کم نصیبی سے لیکر رحمت عالم کی وسعت تک، اُمّی لقب کی حکمت آفرینی سے
لیکر ابو الحکم کی جو جہلی تک۔ غرض علم و نظر اور جذب و شوق کی ایک شعری کھکشاں ہے کہ اس کا ہر رخ
ایک نیا ہی رنگ پیش کر رہا ہے۔ عقیدت، احتیاط و ہوش کی انگلی تمام کر چلتی ہے۔ نکات سیرت، تاریخی
واقعات کا سارا لیکر نکھرتے اور مدحت، روحانی لرزشوں سے ہم آہنگ ہو کر ابھرتی اور دل کے دیرانوں میں
رنگ و نورین کر بھرتی چلی جاتی ہے۔ یہ مدح سرائی فنی اعتبار سے تغزل کے ایجاز سے اعجاز کے سانچے میں
ذہلی نظر آتی ہے۔

محمدؐ کز نئے فضل او بر خاک ہر خاطر کہ بارد قنطرة در حال دریائے نعم گردد
نعت کہنے سے قبل اپنی بے ہنصا مٹی اور تخر آفرینی کا یوں اظہار کرتے ہیں۔

دگر مرکب عقل را پو یہ نیست
دریں جز مرد داعی زلفت

کسانے کہ زیں راہ برگشته اند
اب چند اشعار دیکھئے کہ کس انداز سے علم کی گہرائی دل کے خلوص کے ساتھ مل کر شعری افق پر جگمگاری ہے۔

کریم السجلیا جمیل العظیم
امام رسل پیشوائے سبیل
شفیع الوریٰ خواجہ بعث و نشر
کلمے کہ چرخ فلک طور اوست
چنان گرم در تہ قرمت براند
چہ نعت پسندیدہ گوئم ترا
درد ملک بردوان تو باد
چہ کم گردد اے صدر فرخندہ پے
کہ باشند شتے گدایان خیل
خدایت ثنا گفت و تجمل کرد
بلند آہاں پیش قدرت نخل
تو اصل وجود آمدی از نخست
ندانم کدائیں سخن گوئمت
ترا عزت لولاک ہمکین بس است
چہ وصفت کند سعدی نا تمام
درج بالا سلام میں بعض امور محل نظر ہیں۔ غالباً ایسی ہی باتوں کے پیش نظر شبلی نے شعر العظم
میں اس امر پر حیرت کا اظہار کیا ہے کہ ابن جوزی کی شاگردی کے باوجود سعدی کے قلم سے بعض ایسی
احادیث کا ذکر ہوا ہے جو اہل تحقیق کے نزدیک موضوعات میں سے ہیں۔

شیخ سعدی کا وہ معروف قلمی نعت جس کا شروع میں ذکر کیا گیا ہے دراصل گلستان کے دیباچے
سے ماخوذ ہے۔

بلغ العلی جمالہ کشف الدجی جمالہ

حفت جمع خصالہ صلوا علیہ وآلہ
کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے کمال عظمت کے باعث مکان و لامکان کی رفعتوں تک پہنچنے اور یہ انہی کا
جمال تھا جس کی تائشوں سے کفر کی تاریکیاں کافور ہو گئیں۔ انہیں کے جملہ خصائل و شمائل حسن و اجمل
ہیں۔ ان پر اور ان کی آل پر درود و سلام ہو۔ اس قطعے سے پہلے یہ شعر درج ہے۔

شفیع مطاع نبی کریم حسین حسین حسین حسین
اس شعر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آٹھ خصوصیات کا احاطہ کیا گیا ہے کہ آپ کی شفیع
العذیبینی ہم عامیوں کا آخری آسرا ہے۔ آپ ہی کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ آپ ہی کا سوا
انسانیت کی دنیاوی کامرانی اور آخری سرخوردگی کی ضمانت ہے۔ آپ ہی غیب کی خبریں دینے والے ہیں۔
آپ کا لطف و کرم شکستہ دلوں کی متاع عزیز ہے۔ آپ اظاف حق کے قاسم اور کمال رحمت باری کی انتہا ہیں۔
آپ اپنی شخصیت کے اعتبار سے حسن و جمال کی جملہ پاکیزگیوں اور خوبیوں کا دل آویز منظر ہیں اور درج بالا قطع
کے آخر میں سعدی لکھتے ہیں۔

چہ غم دیوار اُمت را کہ دارد چوں تو ہشتباں
یعنی اب دیوار اُمت کو کوئی سا غم بھی نہیں ہے کہ آپ ایسے نمکبان موجود ہیں اور نہ دریا کی کسی
طوفانی موج کا کوئی خوف ہے کہ آپ ایسے کشتی کو سنبھالنے والے "نوح" موجود ہیں۔

اب سعدی کی ایک مشہور نعت دیکھئے کہ یہ نعت کم و بیش سبھی نعتیہ مجموعوں میں موجود ہے۔
عرش است کہیں پایہ ز ایوان محمد ﷺ
آل ذات خداوند کہ مخفی است بعالم پیدا و عیان است چشمان محمد ﷺ
توریت کہ بر موسیٰ و انجیل بر عیسیٰ شد محو بیک نقطہ فرمان محمد ﷺ
از بہر شفاعت چہ اولوالعزم چہ مرسل در حشر زند دست بدلمان محمد ﷺ
یک جاں چہ کند سعدی مسکین کہ دو صد جان سازیم فدائے سگ دربان محمد ﷺ

یہ نعت غنائیت اور ایمانیت کے اعتبار سے انتہائی قابل قدر ہے۔ سعدی کہتے ہیں کہ وہ مقام
جمال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما ہیں وہ عرش سے بھی کہیں زیادہ رفیع و عظیم ہے گویا وہ مقام "از
عرش نازک تر" ہے اور۔

تیسیر کا جہاں پر آستان ہے زمیں کا اتنا کھڑا آستان ہے
شیخ سعدی کے خیال میں جبرئیل علیہ السلام ہر گاہ محمد ﷺ کے دربان و خادم ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو
نظر نہیں آتے مگر حضور ﷺ کی ذات اقدس اللہ تعالیٰ کجانب سے فرستادہ کسی کی رحمت سے مد گزیدہ اور اسی
کی ترجمان ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی کی محبت کو اپنی محبت قرار دیتے ہیں۔ حضور ﷺ سراج منیر ہیں اور اس کے

روشن ہوتے ہی مرسلین سابق کے سبھی صحائف منسوخ اور سبھی چراغ جھک گئے۔ اور روز حشر اولوا العزم پیغمبر بھی دامان محمد ﷺ ہی کو تھامے ہوئے ہوں گے اور لوائے حمد ہی کے خشک سائے میں سبھی کو سکون نصیب ہوگا۔ سعدی کا کہنا ہے کہ میری تو ایک جان ہے اس کی کیا حیثیت ہے، محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر دو صد جانیں بھی ہوں تو انہیں سگ دربان محمد ﷺ پر فدا کر دیا جائے۔

سعدی کی ایک طویل حمد بھی محفوظ ہے اس میں چند اشعار نعتیہ نوعیت کے بھی ہیں جو درج ذیل ہیں۔

فرخندہ طالے کہ کند یاد او خمیر
چندیں ہزار سکے پیغمبری زدند
الہامش از جلیل و پیمائش ز جبرئیل
در نعت او زبان فصاحت پر کجا رسد
دانی کہ در بیان اِذَا لَفِئْشُ كَوْنَتْ
یعنی وجود خواجہ سرا زخاک بر کند
اے برترین مقام ملائک بر آسمان
شعر آ درم محضرت عالیت ز منہار
یارب بدست آنکہ قر زد دو نیم شا
کافادگان شہوت فہیم دھگیر
اب کچھ ایسے اشعار دیکھئے جو ان کی نعتیہ غزلوں سے ماخوذ ہیں۔

ماہ فرد ماند از جمال محمد ﷺ
قدر فلک را کمال و منزلتے نیست
وعدہ دیدار ہر کسی بقیامت
آدم و نوح و خلیل و موسیٰ و عیسیٰ
عرصہ کیتی مجال ہمت اونست
شمس و قمر بر زمین حشر تنبد
نچو زمین خواہد آسمان کہ بیعت
شاید اگر آفتاب و ماہ تنبد
چشم مرا تا خواب دید جمالش
سعدی اگر عاشق کئی در جوانی
سرد نباشد با عدال محمد ﷺ
در نظر قدر باکمال محمد ﷺ
لیلہ اسرئی شب وصال محمد ﷺ
آمدہ مجموع در ظلال محمد ﷺ
روز قیامت مگر جمال محمد ﷺ
نور تنابد مگر جمال محمد ﷺ
تا بدہ لاسہ بر نعال محمد ﷺ
پیش دو اردوی چوں ہلال محمد ﷺ
خواب نمی گرد از خیال محمد ﷺ
عشق محمد ﷺ بس است د آل محمد ﷺ

اس نعت میں حضور ﷺ کے جمال و کمال کا ذکر تاریخی حقائق کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ دیکھنے والوں نے جب اس روئے انور کے بعد چاند کو دیکھا تو وہ پیکا پیکا لگا۔ اس قامت زیبا کو سروسے تشبیہ دیں تو خود سر دکاقد اونچا ہو جاتا ہے اور مقام مصطفیٰ ﷺ پر سعدی شیرازی یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ ایک کو دیکھ کر حق کے لئے قیامت کے دن کا انتظار کرنا ہے مگر حضور ﷺ کو یہ معراج زندگی ہی میں نصیب ہو گئی اور قیامت کو چاند سورج ستارے غرض روشنی کا ہر ذرہ لیدہ ماند پڑ جائے گا مگر جمال مصطفیٰ ﷺ انوار بھیر تاربت گا۔ اور اس تائش انوار سے دلوں کی داویاں بھی روشن ہوں گی اور میدان حشر بھی تباہ۔ لوائے حمد بھی آپ ﷺ ہی کے ہاتھ میں ہوگا جملہ انبیائے کرام اسی کے سائے میں مقیم ہوں گے۔ اس نعت میں زیارت رسول ﷺ کی سعادت کا بھی ذکر ہے کہ یہ نصیب ہو جائے تو وہ خیال اور وہ جمال قلب و نظر کا یوں احاطہ کر لیتا ہے کہ نیند بھاگ جاتی اور آنکھیں نرمس کے مانند گدائی کے کا سے بن جاتی ہیں۔ آخری شعر زربان مجاز سے بام حقیقت تک کی کیفیات کا مظہر ہے کہ اس کائنات کا ہر حسن زوال پذیر ہے۔ مقصود اس حسن رہجور میں کھو جانا نہیں بلکہ حسن آفرین کی عظمتوں کا اندازہ مطلوب ہے۔ اور اس وقت تک حسن آفرین تک نہیں پہنچا جاسکتا جب تک اس وجود ذی جود کے قدموں تک رسائی نہ ہو جس سے خود حسن آفرین کو محبت ہے اسی کی محبت اللہ کی محبت کی دلیل ہے اور اسی محبت کو دوام و استعراق حاصل ہے۔

سیوئے جاں میں چھلکتی ہے کیسیا کی طرح کوئی شراب نہیں عشق مصطفیٰ کی طرح
سعدی شیرازی کی ایک اور نعتیہ غزل چھوٹی بحر میں بڑی بڑی حقیقتوں کو واضح کر رہی ہے کہ حضور ﷺ کی ذات قدس اہل بیٹش کے لئے چراغ راہ اور مشعل ہدایت ہے۔ آپ ﷺ آئیہ کائنات کا معنی دیرباب ہیں کہ آپ ﷺ پر رسالت معرفت اور ہدایت کی جملہ رفتیں ناز کرتی ہیں۔

اے چشم و چراغ اہل بیٹش مقصود وجود آفرینش
صاحب دل "لَا یَنَامُ قَلْبِیْ" مہمان "آیۃ بندرتی"
در و صف تو "لَا یَبْئِیْ بَعْدِیْ" خود وصف تو و زبان سعدی!
اے عرش مجید بارگاہت دی کعبہ و قبلہ در پناہت
اے برسر خلق سایہ تو دی چرخ کینہ پایہ تو
حق یہ ہے کہ نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقیروں کو محتشم اور محترم بنا دیتی ہے کہ تاج و تخت ان کا طواف کرتے ہیں۔ نئے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوں کی ویرانی شادابی میں بدل جاتی ہے اسی دروازے سے علم کو وہ پینائی عطا ہوتی ہے جسے حکمت کہتے ہیں۔ سعدی کی یہ نعت انہی بھرتوں کی آئینہ دار ہے۔

امید رحمت آری خصوص آرا کہ در خاطر
 محمد کز شائے فضل آد بر خاک ہر خاطر
 چو دولت بایم تحمید ذات مصطفیٰ گویم
 کہ در در یوزہ صوفی گرد اصحاب کرم گردد
 اگر تو حکمت آموزی بدیوان محمد ﷺ رو
 کہ بوجہل آں بود کہ خود بدانش بوالحکم گردد
 ز فقر جاودانی رست و صاحب مال دنیا شد
 پر آں درویش صاحب دل کزین در محتشم گردد

پروفیسر ذاکر رفیع الدین اشفاق سعدی شیرازی کی نعت گوئی پر یوں تبصرہ کرتے ہیں۔

"سعدی کے نعتیہ کلام کی ممتاز خصوصیت بیان کی سادگی اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا غلوں ہے اس لیے ان کے اشعار پُر معانی پُر سوز اور اثر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ سبک الفاظ اور خوش آہنگ ترکیبوں سے شاعر کلام کو ترنم ریز بنا کر وجد و حال کی کیفیت مہیا کر دیتا ہے جو سنتا ہے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سعدی کے نعتیہ اشعار دلوں میں گھر کر جاتے ہیں اور حُجَّتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں دل بے چین ہو جاتا ہے"

نعت تو بہر کیف شاعر کے نطق کی معراج ہے مگر سعدی کی عام شاعری کا اعتراف بھی ہر عظیم قلم کرتا ہے۔ دربارِ اجماع کے معروف شاعر محمد مہر سعدی کو یوں خراج عقیدت پیش کرتا ہے۔

از سعدی مشہور سخن شعر روان جوی کو کعبہ فضل است و دلش چشمہ زم زم
 ہام تمیزی ان کی شاعری عظمت کا اعتراف یوں کرتا ہے۔

ہام را سخن دلفریب و شیریں است دلی چہ سود کہ بے چارہ نیست شیرازی
 امیر خسرو کا قلم ان کی محرابِ عظمت میں یوں سجدہ ریز ہے۔

خسرو سر مست اندر ساغر حقی بر سخت شیرہ از نخلانہ مستی کہ در شیراز بود
 اس عظیم شاعر اور قابل قدر نعت گو کا مقام پیدائش شیراز، سن پیدائش ۱۱۸۳ء اور سن وفات ۱۲۹۲ء ہے۔ امام شرف الدین بن مصلح الدین عبداللہ ہے، تکمیل علم اور حصول انوار تصوف کی خاطر آپ نے بہت سے سفر کئے۔ ۱۱۳ بار پایادہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا آپ صحیح معنوں میں گرم دسر زمانہ چشیدہ تھے۔ آپ کے روحانی پیشواؤں میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی اور شیخ شہاب الدین سروردی کے نام گرامی آپ کی علمی وجاہت اور دینی وقعت کے سلسلے میں سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے عظیم سلطنتوں کے طلوع و غروب کے مہر تارک منظر دیکھے۔ خود قید و بند اور فقر و فاقہ کی صعوبتوں سے گزرے مگر مہر و شکر کو اپنا اور دست سوال نہ پھیلا یا۔ یہ آپ کی عظمت ہے کہ آپ فاقوں کے ساتھ سوئے اور آہوں کے ساتھ اٹھے مگر کب زر کے لیے ناخوانی سے اجتناب کیا یہاں تک کہ اپنے قصیدوں کو بھی نصیحتوں کا مرقع اور عبرتوں کی داستان بنا دیا۔ اور آپ کے منظر اب مسلسل کو سکون و قرار کی دولت دیا رخصد

اور در مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملی کہ یہی وہ مقام ہیں جہاں پاپے ٹھوکریں کھانے والی سرگرداں محل کو منزل کا حسین احساس نصیب ہوتا ہے۔ اور اس رحیم و غفور ذات کے حضور میں بھی سعدی دل کی پوری تہانوں، سعادتوں اور ہمیرتوں کے ساتھ رطب اللسان ہے جس کا حبیب رحمتوں کا مظہر اور بخششوں کا دہیقہ ہے۔

کریمایہ ہشائے بر حال ما کہ ہستم امیر کند ہوا
 برگ در ختان سبز در نظر ہو شیار ہر دورے دفتر سیت معرفت کردگار
 اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم دز ہر چہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
 مجلس تمام گشت و باختر رسید عمر ما پچنجاں در اول وصف تو مانده ایم
 بات "چہ وصف کند سعدی نا تمام" سے شروع ہوئی تھی اور "ما پچنجاں در اول وصف تو مانده ایم"

تک پہنچی ہے گویا اول و آخر عجز بیان ہی حسن بیان بنا ہوا ہے۔ سعدی شیرازی تو ایک عمر کی بات کرتے ہیں جن یہ ہے کہ خسری کی عمر میں بھی مل جائیں تمام درخت قلم بن جائیں اور سندروں کا پانی سیاہی ہو جائے۔ پھر بھی خالق کائنات کے اوصاف کا بیان نقشہ ہی رہے گا اور اسی طرح محبوب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف پر بھی کوئی سا قلم اور کوئی سی زبان قادر نہیں ہے۔ یہاں بھی قلم اور حرف حرف بے مانگی کا احساس دامن گیر رہتا ہے کہ اظہار و بیان کا کوئی سا پیرا یہ بھی اس جلوہ معنی کا احاطہ نہیں کر سکتا، یہی وہ وہ مقام ہیں جہاں ہر فکر رسا ابلہ پا نظر آتی ہے۔

مثال یہ مری کوشش کی ہے کہ مرغ امیر ۰ کرے قفس میں فراہم خس آشیان کے لیے

ماخذ

- ۱۔ کلیات سعدی۔
- ۲۔ ادب ہند ایران۔ مرزا مقبول بیگ سہبائی۔
- ۳۔ شعراء عجم جلد ۵۲۔
- ۴۔ نقوش رسول نمبر جلد ۱۰۔
- ۵۔ اردو میں نعتیہ شاعری۔ ذاکر سید رفیع الدین اشفاق۔
- ۶۔ سیارۃ ذوالجنت اولیائے کرام نمبر جلد ۲۔
- ۷۔ اسلامی انسائیکلو پیڈیا۔ سید قاسم محمود۔
- ۸۔ مخزن نعت۔ مہر چ پروفسر محمد اقبال جاوید۔
- ۹۔ نعتیہ کلام مرتبہ منشی محمد حسین صادق۔

امیر مینائی کے قصائد میں نعتیہ رنگ

نعت میں امیر مینائی کا مجموعہ "خاتم النبیین" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں پانچ قصیدے ایک سو چالیس نعتیہ غزلیں، تین نعتیں ایک ترجیح بند اور ایک مناجات ہے۔ لیکن قصیدے سب کے سب نعت میں نہیں ہیں۔ بلکہ تین نعت ہیں ایک حضرت علیؑ کی منقبت میں اور ایک حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سلسلہ میں ہے۔ شروع میں ایک منظوم دیباچہ ہے جس میں اس دیوان کا سبب تالیف اس طرح بیان کیا ہے:

یہ آیا مرے دل میں اک دن خیال کہ کب تک یہ اشغال خیراں مآل
چل سال عمر عزیزت گذشت مزاج تو از حال مطلق نہ گشت
کسی عاشقانہ جو اچھی غزل نہیں ہے کوئی اس میں حسن عمل
وہ کر فکر جس میں کہ عقبنی ہو پاک ترا اختر خست ہو تلبناک
مناسب ہے فخر مضامین نعت کہ تزئین ایمان ہے تعیین نعت
یہ دیوان امیر مینائی نے والہنی رام پور نواب کلب علی خاں کے نام معنون کیا تھا۔ جس کا ذکر

دیباچہ کے علاوہ نعتیہ قصیدے کے آخر میں بھی ہے اور اس طرح ہے:

سلامت رکھ مرے کلب علی خان بہادر کو محمد ﷺ نام جو ہم نام ہے تیرے محمد ﷺ کا

(۱) رسالہ المصلح حیدرآباد (سندھ) جولائی۔ اگست ۱۹۶۱ء

(۲) لیکن دیباچے کے متعلق نعتیہ غزلوں میں کہتے ہیں:

نہیں سمجھتے یہ جانے کا پہلا شہب میں امیر یہ کو طعنہ جوان دینے میں
پا بنے لام بھی میں شوشی اس امیر بات کا کیا لطف جب دعاں دہن سے کر پڑے
البتہ چون طبعی کا اس طرح ذکر کیا ہے:

البتہ مقتل ہیں مرے مرئی و لیتی پر فرق ہے اتنا میں جو طبع ہوں وہی

(۲) امیر دوبارہ بھی جگر پکے تھے

شوق دل نے کی دوبارہ رہبری آگے بھی آئے تھے اب پھر چلے

نعتیہ کام جیسا کہ دیباچے کے اشعار میں ہے 'امیر مینائی نے چالیس (۱) کی عمر کے بعد لکھتے شروع کیا اور تینتالیس سال کی عمر میں ۱۲۸۷ھ میں ممل کر لیا تھا۔ اس وقت تک دو ج بھی کر چکے تھے (۲) لکھتے ہیں:

مومن و زائر و حاجی ہوں دینے تین شرف مکی و ہاشمی و مطلبی نے مجھ کو
امیر کا پہلا قصیدہ شہیدی کے مشہور قصیدے کی تقلید میں ہے جو اس طرح شروع ہوا تھا۔

رقم پیدا کیا کیا طرفہ بسم اللہ کے مد کا سر دیواں لکھا ہے میں نے مطلع نعت امیر کا
شہیدی نے یہ قصیدہ ۱۲۵۵ء میں لکھا تھا اور زیارت مدینہ کے وقت ان کے حسن خاتمہ کی وجہ سے جو مقبولیت انہیں حاصل ہوئی تھی اسی کی وجہ سے محسن کا کوروی نے بھی ایک قصیدہ اس طرح لکھا تھا۔
مثالی لوح دل سے نقش ناموس اب وجد کا دستان محبت میں سبق تھا مجھ کو اجہ کا (۳)
بہر حال شہیدی کی تقلید میں امیر مینائی کا قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

تظہر اقیار جان و جاناں میں کیا حد کا عروض اب تک نہ آیا ہاتھ اس بیت مسد کا
نکت فیہ من روحی کے معنی سے ہوا جانت خزانہ ہے محیط اس چشمہ روح جزو کا
گیا شبہ سمجھ میں آئے جبل الوریہ آیا رگ گردن مقام خاص ہے محبوب سرمد کا
اس قصیدے کی تمہید حمد کے مضامین پر مشتمل ہے جس میں کعبہ دل کی بجلی بار خداوندی میں آہ
وزاری 'قالب کی صفائی' غرور اور دولت دنیا سے بیزاری وغیرہ مضامین بھی شامل ہیں۔ پھر ایک غزل شروع
کی ہے۔

خدا جانے کب آتا ہو تو پہن میں اس سہی قد کا جوار کھا ہے کیوں غنچوں نے ڈنکا آمہ آمہ کا
اس غزل میں لکھنؤ کی مراد جو رسوم شاعری کے مطابق رعایتیں اور مختلف صنعتیں موجود ہیں۔ مثلاً

خیال آرد رکھتے ہیں ناحق عاشق لبرو الف ہر چند ہے اس لفظ میں لیکن ہے بے مد کا
سیاہی سے یقین ہے پتھر مرگان شیر ہو جو شانہ مر کا پتھر ہو اس زلف مجھ کا
امیر کی قوت احتراع نے لبرو اور آرد کی رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے "الف بے مد کا" لکھا ہے اور

"زلف مجھ" کے لئے سورج کا پتھر مرگان شیر" من جائے ایک مشکل لیکن نادر استعارہ استعمال کیا ہے جو
لکھنؤی دبستان کی خصوصیت ہے۔ اس کے بعد رعایت معنوی شروع ہوتی ہے:

پہلیکننتی چھوڑو اب خوشنویسی کا ہے شوق اس کو دوات و خامہ لاؤ طاق پر رکھ دو پھری گد کا
یہ غزل پندرہ اشعار کی ہے اور اس کا انداز بس یہی ہے۔ اس کے بعد کہتے ہیں کہ کسی مجازی

محبوب کے خدو خال کی تعریف سے کیا فائدہ؟

طر توصیف رخسار و خط و کیسو سے کیا حاصل و نکتہ تھا جو ان چوں میں ہوتا وصف امیر کا

گویا اس طرح نعت کی طرف گریز کیا ہے اور دوسرے مطلع میں پھر تمسید ہے لکھتے ہیں :

الف آدم میں ہے محمد و احمد میں ہے بے مد کا سبب یہ ہے کہ وال سایہ تھا یاں سایہ نہ تھا قد کا اور جس تعلیل سے کام لیا گیا ہے اس تمسید میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پاک کے

شامل و رکات کا ذکر ہے لیکن انداز بیان میں اعتدال نہیں رہا۔ مثلاً

زب خاطر جو دنیا سے بلایا حق نے پاس اپنے رواں ہوا قاصد کے کیا ہدیہ نوشامہ کا نوشامہ کے لفظ میں لغوی معنی کی توجیہ ہو سکتی ہے لیکن احتیاط کے خلاف ضرور ہے اس تمسید

کے آخر میں شہیدی کی ایجاد کا ذکر کیا گیا ہے۔

ی اس نے نہیں کی مدح میں توصیف حضرت میں شہیدی کو کہ موجد ہے اس آئین مجدد کا اس کے بعد اصل نعت میں اشعار شروع ہوتے ہیں۔

ظہور آخر ہے اول انبیاء سے نور احمد ﷺ کا بجا ہے گر لقب ہو اول و آخر محمد ﷺ کا اس میں معجزات کا ذکر ہے اور یہ کہ مختلف پیغمبروں کی مصیبتیں حضور ﷺ کی وجہ سے دور

ہوئیں پھر ایک ایک مضمون سے کئی کئی مضامین پیدا لئے ہیں۔ مثلاً حضور کے قد کا سایہ نہ تھا۔ اس مضمون کو ایک قصیدے میں مختلف اسالیب میں قلم بند کیا :

دوئی کیسی کہاں تانی کہ یہ دونوں ہیں لا تانی وہی سایہ وہی قد تھا کہ تھے کل خدا حضرت جدا کرنا بہت دشوار تھا حرف مشدّد کا

تو کا جب ڈھونڈ کر سمجھا غلط فہمی سے وہم اپنا کیا یہ پانی پانی کیسے مشکیں کی ثبات نے کہاں ہوتا ہے جنت سے وہی اتر اعبا ہو کر

انفہ محمد ﷺ سے یہ مضامین پیدا کئے ہیں :

بادوں سے پنے جو نام لے دل سے محمد ﷺ کا باؤں سے اماں خلقت نے نام پاک سے پائی ہوئے ہیں جن اماں و قدم ذات مقدس میں

اس کے علاوہ حسن تعلیل بہت ہے جو انہرینائی کے بارے میں اور عقیدت مندی کی آئینہ دار ہے۔

وہی تو چرخ اختر ہے جو روز خلقت عالم کرا تھا تاج نورانی سے آویزہ زمرہ کا سلنت کی بگہ درکار تو مخلوق کی تھی ان کو

تر کہ کس طرح لرتی نہ وہ انکسرت دو گلز اس میں دو نقطہ زیریں کا طالب انقہ تھا یہ کا نہیں کہیں رعایت لغوی معنی بھی ہیں مثلاً

عجب اس خسر و دیں کو خدا نے دی ہے میداری شکم پر سنک اسود اور فاقے سے شکم خالی

ہوا ثلثت کہ کعبہ بھی مقلد ہے محمد ﷺ کا دکھائی قوت بازو کمان قرب یوں کھینچی کہ عالم دونوں گوشوں میں ہو حرف مشدّد کا

ان خصوصیات کے علاوہ کوئی چیز ان قصیدوں میں نظر نہیں آتی یہی خصوصیات انہر کے دوسرے قصیدوں میں بھی ہے۔ ایک شعر میں اپنی دیوانگی ظاہر کر کے بڑی عقیدت ظاہر کی ہے :

خدا یا تو ہی منصف ہے احد سمجھا جو احمد کو کہ دیوانہ جو مجرم ہو نہیں ہے مستحق حد کا اور عقیدت مندی پر قصیدے کو ختم کیا ہے چند اشعار یہ ہیں :

کبھی یوں شوق کامل سے درد دیوار کے بوسے لگاؤں سرمہ آنکھوں میں کبھی خاک مرقد کا عجب کیا اشک کی صورت گریں مولا کے قدموں پر نکل کر پتلیاں دونوں کہ شوق بوسے حد کا نسیم لطف کا جموں کا الٹی کوئی چل جائے شکفتہ مثل گل ہو جائے غنچہ دل کے مقصد کا

دوسرا عقیدہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے۔

اے خضر بھول گئی تھی مجھے راہ تک و تاز وقت پر آگئے تم عمر تمہاری ہو دراز اسی طرح تمسید میں ایک خضر یا پیر سے گفتگو شروع کی جنہوں نے مدینہ جانے کا عزم معلوم کر کے ہمت افزائی کی ہے اور وہاں پہنچنے کے لئے تائید خدا شامل حال ہے۔ پھر روضہ اطہر کی تعریف کی ہے۔

جانب قبلہ ہو جس طرح رخ قبلہ نما کعبہ اللہ کا ہے اس قد کی طرف روئے نیاز و صف روضہ اقدس کے بعد متران شریف کا ذکر کیا ہے اور بزم کی تعریف کی ہے۔

کچھ عجب بزم کہ تھی بزم کے اطلاق سے دور عود بے بخرہ و نغمہ بے پردہ ساز ہم بغل شانہ سر زلف رسا سے لیکن نہ کوئی زلف مسلسل نہ کہیں دست دراز

وہ سوالات و جوابات کہ جن میں وحدت ایک ہو جیسے کہ آواز سے مل کر آواز اس کے بعد پھر اصل مدح کی طرف رجوع ہے اور انہرینائی کی وہی خصوصیات پھر نظر آتی ہیں

یعنی حسن تعلیل کی مثالیں بہت ہیں اور اکثر اوقات حضور اکرم ﷺ کا سایہ نہ ہونے پر مضامین ہیں پھر بعض معجزات کا ذکر ہے اور جس طرح کہ پہلے قصیدے میں ہے کہ عام پیغمبروں کی مشکلات حضور اکرم ﷺ کی

وجہ سے کٹ گئیں اسی طرح اس قصیدے میں بھی کہا گیا ہے :

نام حضرت کا لیا مشکل یعقوب کنی عجز فرزند تھا ہر چند بہت میر گزار اسی طرح دوسرے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ پھر مدینہ طیبہ کی زیارت کے شوق کو ظاہر کیا

ہے اور یہ کہا ہے :

کیا عجب ہے یہ قصیدہ جو پہنچ جائے وہاں شوق میں آ کے کرے مثل کبوتر پرواز

امیر کا تیسرا عقیدہ قصیدہ اس طرح شروع ہوتا ہے

لائی ہے کیا جن میں ہر اک شاخسار پھول دکھا رہے ہیں بارخ جنات کی بہار پھول
کتنے ہیں سرخ و سبز تو کتنے سپید و زرد ہر رنگ میں ہیں صفت پروردگار پھول
پھول کی رعایت لفظی سے امیر نے اپنے عقیدے میں مضامین پیدا کئے ہیں

کثرت ہے اس قدر کہ سخی باغبان ہوا دینا ہے مفت اہل تماشا کو ہار پھول
ہر گھر میں ہر مکاں میں معرا میں کوہ میں لے جاتی ہے ازا کے نسیم بہار پھول
پھر آتے چل کر کہتے ہیں

جتنے بھی ہیں درخت جمائے ہوئے ہیں صف ماندھے ہوئے کھڑے ہیں روش پر قطار پھول
پوچی جو میں نے وجہ تو کہنے لگی نسیم اس کا ہے انتظار ہیں جس پر نثار پھول
وہ لالہ رو کہ جس سے زمانے کی ہے بہار جس کے عرق سے ایسے ہوئے عطر بار پھول
نمایت اچھا گریز ہے اور حقیقت ہے کہ امیر کے قصیدوں کے گریز بہت دل کش اور لطیف
ہیں۔ اس قصیدے میں گو کہ ظاہری شامک میان کئے گئے ہیں لیکن ایسی لطافت ہے کہ آج بھی ان میں دل
فریبی موجود ہے۔

اللہ نے دیا ہے یہ اس کو جمال پاک سنبل خدا ہے زلف پہ رخ پر نثار پھول
اللہ کی دین یہ ہے کہ باتیں ہیں معجزہ ہوتے ہیں ایک غنچے سے پیدا ہزار پھول
وہ چہرہ وہ دہن کہ خدا جس پہ کیجئے ستر ہزار غنچے بہتر ہزار پھول
اس قصیدے کا خاتمہ بہت اچھا ہے کیونکہ اس دعا میں بر جستگی کے ساتھ شروع ہوتا ہے کہ
پتہ بھی نہیں چلنے پاتا

ادنیٰ یہ معجزہ تھا کہ اک چوب خشک میں پتے لگے ہزار پھل آئے ہزار پھول
اللہ سے رعب کچھ نہ ابو جہل کی چلی کافر کے ہاتھ پاؤں گئے خشک دار پھول
ہے دشمنوں کے حق میں جن زار خار زار کھٹکیں نہ کیوں نگاہ میں مانند خار پھول
رنگ بہار ان کو جلانے رنگ نار تاثیر میں ہوں اختر و نبالہ دار پھول
غنچے کی طرح آپ کے دشمن گرفتہ دل خندہ ہوں دوست جیسے کہ روز بہار پھول
غرض اس قصیدے کی تمہید گریز اور دعا میں سب پتہ اچھا ہے اور اس میں امیر مینائی کے
کلمات شاعری پوری طرح نمایاں ہیں۔

منقبت والا قصیدہ "تعلیٰ" سے شروع ہوتا ہے لیکن براۓ الاستہلال سے مدوح کا پتا فوراً چل
جاتا ہے

کیونکہ نہ کروں سلک معانی کو میں تسخیر غامہ ہے مرا دست یہ اللہ کی شمشیر
آئے جو تعلیٰ پہ سری ہمت عالی دشوار نہیں قلندہ افلاک کی تسخیر
جو معنی روشن ہے وہ ہے غیرت خورشید سودا نہیں مجھ کو جو کروں مر کو تسخیر
اور اس قصیدے میں بھی گریز بہت اچھا ہے

سو طرح کا حُما ہے مجھے علم خدا نے قرآن مراد دل ہے تو ہے سینہ مرا تسخیر
روکیں جو خلائق نہ رکے میری طبیعت پڑتی ہے مہلا پائے نگہ میں کوئی زنجیر
میدان سخن جیت لئے میں نے ہزاروں بازو ہے قوی جمہولتی ہے عرش پہ شمشیر
یہ عزت شرف اس کی غلامی سے ہے حاصل جو صاحب منبر ہے دلا اس کی ہے اکسیر
لیکن امیر مینائی اپنے مدوح سے بہت زیادہ محبت اور عقیدت رکھتے ہیں۔ شاید اس لئے کہ
قصوف کا سلسلہ ان تک پہنچتا ہے چنانچہ کچھ اشعار اس طرح کہ گئے ہیں جو ہماری رسمہ شاعری میں تو جاز
ہیں لیکن احتیاط سے بعید ہیں مثلاً

مزدور ابراہیم ہیں وہ صاحب خانہ حق ہے کہ ہوا کعبہ اسی کے لئے تسخیر
ایک لہو رخسارہ پُر نور تھا وہ بھی موسیٰ کو جو آئی تھی نظر طور پہ تویر
کیونکہ نہ ہو جبریل امیں تاج فرماں استاد کی خدمت پے شاگرد ہے تویر
جاں بخش خلائق تھا اگر نطق مسیحا جاں حش مسیحا ہیں وہ حضرت دم تقریر
اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی منقبت میں ایسے اشعار ہیں جیسے سودا اور ذوق نے
دنیوی مدوحوں کے متعلق کئے ہیں مثلاً

ہو لطف جو حضرت کا نہ انسان کا معالج اخلاط میں تفریق عناصر میں ہو تسخیر
پانی کی طرح آگ پکھل کر ابھی بہ جائے گرمی یہ بلا سے آب میں ہو آگ کی تاثیر
حشہ نہ اگر رنگ اثر حکم معنی باطل ہو نباتات و جمادات کی تاثیر
گل ہوں کبھی تحریک ہو اسے نہ تکلف دے رنگ جو اہر کو نہ خورشید کی تویر
آخر میں دعا میں کا صرف ایک شعر ہے اور سادہ انداز میں ہے

ہو روز قیامت نظر چشم عنایت کوثر کا لے جام جنات میں مجھے جاگیر
پانچواں قصیدہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے سلسلہ میں ہے جو مومن کی زمین
میں ہے۔ مومن کا عقیدہ قصیدہ اس طرح شروع ہوا تھا۔
جن میں نغمہ بلبل ہے یوں طرب مانوس کہ جیسے صبح فجر نالہ ہائے خردس
امیر مینائی لکھتے ہیں

نشاط و ہوتے ہو کس طرح نہ دل مایوس کسی کے سر پہ جو پھرتا ہے چتر بیاہ کے روز قیام کی کے امید ہے رہے نہ رہے زوال نعت ایوان کی دے رہی ہے خبر

کہ چار دن کی یہ مہماں ہے مثل شمع عروس میں جانتا ہوں یہ ہے رقص مستی طاؤس یہ عمر راہ ہوا میں ہے شمع بے فانوس عبث عبث نہیں ملتی کس کف افسوس

اس تمہید میں زمانے کی بے وقایوں کا ذکر ہے کہ اس کے تمام کام لٹے ہیں اور اس نے تمام اچھے لوگوں کو تباہ کیا ہے ۔

ہمیشہ خاص خدا پامال ظلم رہے مہیاں ہے قصہ اصحاب کف و دقیاؤس مہینا سر زکریا پہ آ رہا بیداد الم سے مدگ شجر تک ہوئے کف افسوس وہ بے گناہ چلی تیغ ظلم بھینٹی پر کہ زیت سے ہوئے الیاس و خضر تک مایوس غلیل کو کفر نے جو آگ میں پھینکا اسی الم سے ہے کعبہ کا ماتمی ملبوس علی الخضر شہیدوں کا بادشاہ حسین کہ تخت عرش ہے جس کے لئے مقام جلوں امام سید خاصان ایزد قدوس چراغ کعبہ دیں شہسوار دوش رسول

یہاں بھی بہت اچھا گریز ہے جو امیر مینائی کی امتیازی شان ہے اس کے بعد چند اشعار حضرت امام حسین علیہ السلام کے اوصاف کے متعلق ہیں۔ پھر کربلا کا واقعہ مختصر طور پر بیان کیا ہے اور آخر میں کہا ہے ۔

غرض کہ خاک اڑائی زمیں نے ماتم میں فلک ہوا ہمہ تن داغ صورت طاؤس جو اہل ویر ہیں کوئی ان کی قدر کھنتی ہے ورق لٹنے سے ہوتا نہیں ہے خط معکوس امیر خالق عالم سے اب یہ مانگ دعا کہ بہر شاہ نجف شاہ کربلا شہ طوس رواج دین محمد ﷺ ہو اہل دیں رہیں شاہ رہائی پائیں جو زندان غم میں ہیں محبوبس

یہاں یہ قصیدہ ختم ہو جاتا ہے لیکن اصل خوبی اس کی تمہید اور گریز میں ہے۔

امیر مینائی نے صرف پانچ مذہبی قصیدے لکھے ہیں۔ جن میں نعتیہ قصیدے صرف تین ہیں۔ ان سب قصیدوں کی تمہید کوئی نئی چیز نہیں ہے کہیں رواج کے مطابق شکایت زمانہ ہے کہیں تعطلی ہے کہیں شباب اور بہار کا ذکر ہے اور کہیں صرف مدح ہے لیکن ہر جگہ ممدوح کے اوصاف کی رعایت سے تمہید اختیار کی ہے یعنی اگر امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا بیان ہے تو لازمی طور پر شکایت زمانہ چاہئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے شائل اور کمالات کا جہاں ذکر ہے تو شاعر نے تعطلی سے قصیدہ شروع کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ فرمائی کا جہاں تذکرہ ہے وہاں بہار یہ تمہید ہے اور اتنی لطیف ہے کہ اس کی نظر شاہ ہے اصل مدح میں امیر مینائی نے ظاہری اوصاف کا ذکر زیادہ کیا ہے ان کی نعتیہ غزلوں میں بھی یہی خصوصیت ہے لیکن عقیدت جب عشق کی منزل تک پہنچ جاتی ہے تو محبوب یا ممدوح کے بلند کردار کی جائے

اس کی ظاہری اداائیں زیادہ دل فریب معلوم ہونے لگتی ہیں اور وہ محض فردوس نھریں جاتا ہے۔ اور اس وجہ سے کہنے والا اپنے محبوب کی ہستی کو ہر جگہ کار فرما کھینے لگتا ہے اور حقیقت کے علاوہ حقیقت بھی چراغ راہوں جاتی ہے۔ پھر وہ مدح جس کی وجہ سے ہنگامہ ہست و یاد قائم ہوا اور جو سب کا ہوا اور سب اس کے ہوں تو پھر شاعر کیا کچھ نہیں کہہ سکتا، لیکن امیر مینائی ایک بالمال شاعر بھی تھے وہ غزل کے استاد سی لیکن قصیدے میں بھی وہ اردو کے بہترین شعراء میں شمار ہوں گے۔ ان کی علمی استعداد و شکوہ الفاظ پر شاہراہ قصیدیں اور دلفریب گریز اور مناسب دعائیہ سب کا سب استادانہ ہے۔ اور گو کہ نعتیہ قصیدے کم لکھے ہیں لیکن غزلیں زیادہ ہیں اور ان کی نعت بہت سے شاعروں پر بھاری ہے۔ امیر نے سچ کہا ہے ۔

کم ہیں میرے شعر پر ہیں نعت میں اکثر امیر یہ سبب ہے جو مجھے کہتے ہیں سب کو یا بہت امیر مینائی نے قصیدے کم لکھے ہیں لیکن ان کی نعتیہ غزلیں ایک سو چالیس ہیں جن میں کم از کم سترہ سو اشعار ہیں دیگر اصناف سخن ان کے علاوہ ہیں :

(۱) غزلوں میں قصیدوں کی طرح حسن تغلیل بہت ہے۔ مثلاً ۔

جو انان جن باہر ہوئے جاتے ہیں جامے سے اڑایا ہوئے گل نے رنگ شاید تیری آمد کا
پکارتے ہیں تمہیں کو یا رسول اللہ ﷺ جو مسجدوں میں مؤذن اذان دیتے ہیں
دل سے نکلے گی نہ حضرت کی محبت ہرگز حور باہر نہ کبھی باغ ارم سے ہوگی
فرشتے کرتے ہیں دامان زلف حور سے صاف جو گرد پڑتی ہے اس روضہ پر نگاہوں کی
ہے ترے پیر بن پاک کی حسرت اس کو دوزخ کیوں نکلت کھل جامے سے باہر ہوتی

(۲) ظاہری شائل بھی زیر بحث ہیں۔ مثلاً ۔

دکھاتا ہے تماشا لخت دل کیا یاد عارض میں مڑے سے گرتے گرتے پھول بن جاتا ہے جن کا
تری تیغ ادا پر اس ادا سے جان دیتا ہے قضا منہ دیکھنے لگتی ہے مشتاق شہادت کا
کہتے ہیں گرد عارض باہم یہ دونوں گیسو میں ہوں ادھر سے قربان تو ہوا ادھر سے صدقے
سو غم کوئی ان کے لباس بدن کی بو خوش آئے کیا دماغ کو اس کے جن کی بو

(۳) عقیدت کی فراوانی کی وجہ سے حضور ﷺ کی بے انتہا شفقت اور ذرہ نوازی کے مضامین بہت

ملنے ہیں اور یہ خصوصیت دوسرے شعرا کے مقابلہ میں امیر کے یہاں زیادہ نمایاں ہے۔ مثلاً

یثرب سے ملک آئیں کے لینے ہمیں تا بند یثرب کو جو ہم بند کے کشور سے چلیں گے
ہوتی ہے جو ہم اسی یثرب تو اوب سے چلتے نہیں رستے میں سلیمان مر آئے
جاننے ہیں کہ بہت آشنا دیدار ہوں میں نہ یقیں پہلے کریں جام حنایت مجھ کو
لحد میں ہم کو سزائے گناہ کیا ہوگی وہ ناخدا ہے تو کشتی تباہ کیا ہوگی

مولانا حسرت موہانی اور ان کی نعت گوئی

مولانا حسرت موہانی ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔ ان کی تربیت ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی تھی۔ کم عمری سے ہی ان کو صوم و صلوٰۃ کا پابند کیا گیا تھا اور وہ سلسلہ رزاقیہ میں مولانا عبدالوہاب سے ریکی طور پر نہیں خلوص نیت اور حد درجہ عقیدت کی بناء پر ملت کر چکے تھے۔ وہ تمام بزرگان دین کا یکساں احترام کرتے یہاں تک کہ غیر مذاہب کے بزرگوں کے لئے بھی ان کا یہ رویہ رہا۔ "وہ نہ صرف مسلمان بلکہ صوفی مسلمان تھے اور صوفیوں میں بھی وہ صوفی تھے جن سے بزرگوں کا کوئی مزار کوئی عرس اور کوئی توالی کی مجلس چھوٹی نہ تھی۔ خصوصاً فرنگی محل اور رودلی کی مجلس۔ سید فضل الحسن کی زندگی سے واقعات پر نظر ڈالیں تو ان کی شان حضرت ابو ذر کی سی نظر آتی ہے جن کی نسبت رسول اللہ نے فرمایا: "وہ سے زیادہ کسی حق کو پر آفتاب کی کرن کبھی نہیں چمکی۔ سچ یہ ہے کہ اس عند پر فریب میں حسرت سے زیادہ کسی حق کو پر آفتاب کی کرن کبھی نہیں چمکی" (۱)

وہ شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کے بھی قائل تھے۔ "کلیات حسرت کے مطالعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے راہ سلوک و تصوف کو طے کر لیا تھا۔ تصوف اور محبت شیخ سے تصوف رسول اور محبت رسول تک پہنچنے۔ فنا فی الشیخ سے فنا فی الرسول اور درجہ کمال یعنی فنا فی اللہ بھی حاصل کر لیا۔" (۲)

اگرچہ انہوں نے فنا فی الشیخ سے حاصل فیوض و دمکات کا تفصیل سے ذکر نہیں کیا ہے ان کی تحریروں میں اکثر مقامات پر اشارے ملتے ہیں چنانچہ لکھا ہے "را تم حروف کو بزرگان دین کی عقیدت کے ساتھ جو فطری انس ہے اس کی بدولت زندان فرنگ میں جیسی کچھ قلبی قوت اور روحانی آزادی اور اطمینان میسر ہو اور ضمنا جو باطنی فیوض حاصل ہوئے ان الفاظ کے ذریعے ان کی حقیقت صحیح طور پر نمایاں ہو سکتی ہے نہ ان کے ذکر کا یہ محل ہے۔" (۳)

عشق خداوند تعالیٰ اور عشق رسول اکرم ﷺ کی برکت تھی کہ مالی بے سرو سامانی کے باوجود ان کو گیارہ بار حج کرنے اور بارہ بار روضہ اقدس پر حاضری دینے کی سعادت حاصل ہوئی۔ ان کے مرد سوسن ہونے اور عاشق رسول ﷺ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا شادان ہو سکتی ہے کہ آنحضرت نے ایک سے

۱۔ ہوں روانہ ہند سے جس دن میں یشرب کو امیر
۲۔ مال آپ پر تصدق جاں آپ پر سے صدقے
(۳) اسی لئے ہسپتالی اور بے قراری کے مضامین بھی بکھر تپائے جاتے ہیں۔ مثلاً۔

۱۔ مدینے جاؤں پھر آؤں دوبارہ پھر جاؤں
۲۔ راہ نکلتی ہو اگر راہزوں سے مسدود
۳۔ راہ حضرت کا ہے ایسا اشتیاق
۴۔ شاید آجائیں وہاں ختم رسالت کے قدم
۵۔ کاروان رہ یشرب میں ہوں آواز درا
تمام عمر اسی میں تمام ہو جائے
گریہ شوق دکھا تو رو دریا مجھ کو
پانوہ تھک جائیں تو اپنا سر چلے
جلد ات مرگ دکھا گوشہ تہمت مجھ کو
سب میں شامل ہوں مگر سب سے جدا جاتا ہوں
امیر مینائی کی حسب ذیل نعتیہ غزل سے ان کی تمام خصوصیات کا ایک وقت اندازہ ہو سکتا ہے۔

۱۔ قطرے کے منہ سے نام جو ان کا نکل گیا
۲۔ لکھا جو وصف کیسے پیمان مصطفیٰ ﷺ
۳۔ حضرت نے جن کے حق میں کہا جو وہی ہوا
۴۔ چکا جمال پاک کا جلوہ جو مثل برق
۵۔ کیسی بلا جو نام لیا میں نے آپ کا
۶۔ بے آب چاہ حکم نبی سے ہوا نہ آب
۷۔ قائل ہوں میں تو اپنی طبیعت کا اے امیر
۸۔ امیر کی حسب ذیل نعتیہ غزلیں عامہ طور پر مقبول ہیں۔

۱۔ خلق کے سر در شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم
۲۔ فلک ہے برسر میداد یا رسول اللہ
۳۔ یادشہ میں جو کوئی رات گذر جائے گی
۴۔ اعجاز مصطفیٰ ﷺ تھے ہر بار کیسے کیسے
۵۔ وہ بزم خاص جو دوبار عام ہو جائے
سرسل داور خاص پیہر صل اللہ علیہ وسلم
چائے مجھے فریاد یا رسول اللہ
بہت اچھی مری اوقات گذر جائے گی
اس پر تھے منکروں کو انکار کیسے کیسے
امید ہے کہ ہمارا سلام ہو جائے

زائد بار عالم رویا میں انہیں زیارت کرنے کا موقع دیا۔ مولانا حسرت موہانی پوری زندگی نہایت پابندی سے ڈائری لکھا کرتے تھے۔ زندگی کے آخری دور کی چند ڈائریاں مولانا ہمال میاں فرنگی علی کے پاس ہیں جن کے اندراجات کو وہ اپنی زندگی میں شائع نہیں کرنا چاہتے لیکن انہوں نے اپنے ”مقدمہ کلیات حسرت“ میں چند صفحات نقل کئے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حسرت موہانی کو خاتم النبیین کی زیارت کا شرف بھی حاصل ہوا اور وہ آپ کی توجہ خاص کے مرکز بھی رہے۔ مولانا نے ۱۲ مارچ ۱۹۳۲ء کو تحریر فرمایا ”میرا تجربہ ہے کہ ہر ماہ کی گیارہویں اور تیرہویں تاریخیں واقعات اور حوادث زندگی کے لئے نہایت درجہ اہم ہوتی ہیں۔ چنانچہ آج بارہویں اور تیرہویں تاریخ کی درمیانی شب میں پہلی بار رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ حضرت ایک تہہ بند میں لپٹے ہوئے تھے اور جسم مبارک پر ایک کوٹن نمائش تھی۔ شکل مبارک کا ایک ایک حصہ فقیر کی نظروں میں اس وقت تک موجود رہا۔ ایک قلعہ نما عمارت میں پہلی حاضری کا اتفاق ہوا اور وہیں شناسائی کی دولت نصیب ہوئی۔ قلعہ کے باہر میدان میں ایک بڑی نماز جماعت کے ساتھ ہو رہی تھی۔ ایک رکعت ختم ہو گئی تھی میں رسول اللہ ﷺ سے دور تھا مگر میں نے دوڑ کر حضور ﷺ ہی کے قریب جماعت میں شرکت کی اور پہلی رکعت کے نہ ملنے کی پروا نہ کی بعد نماز کر سیوں پر حاضرین کی جماعت تشفی رہی۔ حضور نے اپنے سامنے ایک قاب سے دو تاریکی کی پھاٹکیں مجھ کو خاص طور پر مرحمت فرمائیں۔ سب لوگوں نے اس لطف پر مجھ کو مبارکباد دی۔ میرے خیال میں یہ پھاٹکیں اس کی علامت ہیں کہ حضور کو فقیر کے ذریعہ درویشی کی اشاعت منظور ہے۔ (۳)

دوسرے دن میں نے ۱۳ مارچ ۱۹۳۲ء کو اسی خواب کے سلسلہ میں اپنے تاثرات ڈائری میں قلم بند کئے ”عمارات کے خواب کا آج دن بھر دل پر اثر رہا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاید آزادی ہندو مسلمین ہند کا کام مجھ سے لینا ہے۔ اب مجھ کو یہ بھی یاد آتا ہے کہ پہلے حج کے سفر کے موقع پر ذیل احد پر میں نے چلہ اس غرض سے باندھا تھا کہ انگریزوں کی حکومت کا ہندوستان میں خاتمہ ہو جائے۔ رات کے خواب کی نسبت یہ دو باتیں اور یاد آئیں۔

- ۱۔ یہ کہ نماز جماعت اور اجلاس عام بعد سے پہلے قلعہ میں حضور کی نظر مجھ پر پڑ چکی تھی اور حضور نے خوب پہچان کر توجہ کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔
 - ۲۔ اجلاس عام میں جب پہلے آتش ایک رکالی میں جملہ حاضرین میں تقسیم گئی اور ہر شخص کو چند دانہ ہائے انار نصیب ہوئے، مجھ کو بھی ملے۔ تاریکی کی پھاٹکیں صرف مجھ کو ملیں۔ (۵)
- میرے خیال میں یہ عطا یا عامت ہے خواہش پوری ہونے کی۔ مجھے یہ نوید کہ حسب خشاء ملک و آزادی مل جائے گی تاریکی کی دو پھاٹکیں کا اشارہ ملک کی تقسیم کی طرف ہو سکتا ہے۔

دوسری بار عالم رویا میں حضور ﷺ کی زیارت کے حوالہ سے انہوں نے ۱۳ اپریل ۱۹۳۲ء کے

روزنامہ میں لکھا ہے کہ ”رات بیچے ۳۲ اپریل کی درمیانی رات میں ۲ شب کے دن رسول اللہ ﷺ کی زیارت دوبارہ نصیب ہوئی۔ ایک مربع کمرے میں آپ استراحت فرماتے تھے صورت قاضی نور ماہ حسرت فیض آبادی سے مشابہ تھی۔ فرط شوق میں جب دست بوسی کے قریب ہوا تو حضور نے اپنے لیے دست مبارک میری طرف بڑھا دیا۔ اور میری اس بے باکی کو کٹائی پر محمول نہ فرمایا بلکہ ہمہ کیم پور نصیب کیں جو مجھ کو یاد نہ رہیں۔“ (۶)

انہیں تیسری بار پہلی اور دوسری مئی ۱۹۳۸ء کی درمیانی رات کو حضور کی زیارت نصیب ہوئی۔ اس کا اندراج ان کی ڈائری میں اس طرح ہے۔

”آج رات کے نصف آخر حصہ میں بلا تکلف رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔ ایسا معلوم ہوا کہ روضہ مبارک میں جو گنبد خضرا کے تحت میں حضور دمہ دوپہ حضور مبارک کے قریب کی بیچ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں۔ تہہ بند جاوی وضع کا ہے اور وہ کوٹ پھول دار کپڑے کا تہہ بند ہے۔ جس کے درمیان ایک پٹی بھی ہے اس کی وضع وہی ہے جیسی کہ تاج استعمال کرتے ہیں۔ میرے دل میں بے اختیار خواہش ہوئی کہ حضور میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر اسی وقت مجھ کو مرید کر لیں۔ میں نے ہاتھ دیکھا تو حلیہ مبارک کو قریب قریب ایسا ہی پایا جیسا کہ کتب حدیث مثل ”شامل ترمذی“ میں منقول ہے۔ ایک موقع ایسا آیا کہ میں اس قدر قریب ہو گیا کہ جسد مبارک کی خوشبو چھنی محسوس ہوئی۔ اس کے بعد کیا ہوا وہ آنکھ کھلنے پر مجھ کو یاد نہیں رہا۔ دوبارہ آنکھ کھلنے پر ایک بار پھر وہی منظر پیش نظر ہوا مگر اس کی تفصیل بھی باوجود کوشش کے مجھے یاد نہ آئی۔“ (۸)

مولانا واحد مسلم رہنما تھے جو سیاسی معاملات میں بھی قرآن سے ہدایت حاصل کرتے اور جب ان کے خیال کی تائید کام اللہ سے ہو جاتی تو دنیا کی کوئی طاقت ان کو اپنے موقف سے ہٹانے سکتی تھی۔ اس معاملہ میں بھی انہیں خصوصیت حاصل ہے کہ قیام پاکستان کی بشارت انہیں قبل از وقت ہو گئی تھی اور اس کا ذکر انہوں نے صرف مولانا ہمال میاں فرنگی علی سے کیا تھا۔ مولانا فرنگی علی رقم طراز ہیں کہ ”جولائی ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ کو نسل کا ایک تاریخی اجلاس بمبئی میں منعقد ہوا اس اجلاس میں شرکت کے لئے راقم بھی ہوئی جہاز سے ان کے ساتھ روانہ ہوا۔ اٹھارے راہ میں انہوں نے فرمایا ”سنئے صاحب! پاکستان تو مل جائے گا۔ اب آئندہ کی فکر کرنا چاہئے۔“ میں نے عرض کیا کہ آپ کو یہ کیسے یقین ہے کہ پاکستان مل جائے گا۔ فرمانے لگے کہ میں نے خواب میں آنحضرت ﷺ کی زیارت کی ہے اور حافظہ کے دیوان سے نقل کیا تو شعر بھی نہایت مناسب نکلا اور حافظہ کی اس غزل پر میں نے تعصین بھی کر دی ہے اور اسی وقت ڈائری سے درج ذیل اشعار سنائے۔

جب کسے خواب میں خود آکے وہ شاد خواباں جبکہ حافظہ بھی مصدق ہو یہ قال دیواں

تجھ کو حسرت یہ مبارک شد و مر و نشان پر وہ بردار کہ تا سجدہ کند جملہ جہاں
 طاق ابروئے تو خراب جہاں خولہ بود" (۹)
 مولانا نے اٹھتیسویں ۱۸ مارچ ۱۹۳۶ء کو کی تھی۔

اس تمہید سے مقصد مولانا کے روحانی درجات کو پیش کرنا ہے جو عشق رسول کی وجہ سے قابل حصول ہوئے۔ مولانا نے اپنی زندگی حضور کے فرمودات اور ان کے اسوہ حسنہ میں ڈھالنے کی ممکن کوشش کی۔ جس طرح زندگی میں وہ عشق رسول کے جذبے سے سرشار رہے اس کا اندازہ ان کی شاعری سے ہوتا ہے۔ مولانا کا شمار اردو کے غزل گو شعراء میں ہوتا ہے۔ روایت کے اعتبار سے اردو غزل کی کیفیات حسن اور واردات عشق کے لئے مخصوص رہی ہے۔ ان موضوعات کا تعلق مجاز سے رہا۔ شعراء قدیم نے حسن اور عشق کو ماورائے فطرت بیان کیا اور جب غزل کے انحطاط کا دور آیا تو حسرت موبائی اور اصغر کوٹلوی نے اس کے معیار اور اعتبار کو خال کیا۔ حسرت بڑی حد تک مجاز کے شاعر رہے ان کا محبوب گوشت پوست کا انسان ہے اور ان کا عشق عام انسانی جذبہ ہے۔ ابتدائی ادوار میں غزل سے مخصوص ان مضامین کے علاوہ انہوں نے ان بزرگوں کو موضوع شاعری بنایا جن سے ان کو خاص عقیدت تھی آخری دور میں ان کے کام میں بھرتی نقدی اشعار ملتے ہیں جن سے ان کے ذہنی رجحان میں تبدیلی کی عکاسی ہوتی ہے۔

حسرت نے نعت کوئی بھی کی ہے اور عام غزلوں میں بھی اپنے جذبہ بے اختیار تجبور ہو کر نقدی شعر شامل کر دیئے ہیں۔ گویا مجاز کی شاعری کرتے ہوئے بھی ان کے ذہن کے گوشے میں حضور ﷺ سے عقیدت کی شمع روشن رہتی تھی جو ان کو نقدی شعر لہنے پر تجبور کرتی تھی مثلاً ان کی ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے۔

قرب میں ہے نہ بعد یار میں تھا جو مزہ اس کے انتظار میں تھا
 انیس اشعار کی اس غزل میں ایک شعر یہ بھی ہے۔
 سرمہ طور میں کہاں دو اثر دشت یشب کے جو غبار میں ہے
 ایک غزل کا مطلع ہے۔

لطف تو نے جو کیا بھی تو جب کام کیا دل دیوانہ کو سر گشیدہ ادہام کیا
 مجاز کے چھ اشعار کے درمیان نعت کا یہ شعر ہے۔
 یہ گئی آج انبری سے انبری اپنی کہ شوق نے مجھے داخلِ خدام کیا
 غزل : مطلع

جفا کو دفا بھیجیں کب تک بھلا ہم اب ایسے بھی ان کے نہیں جتا ہم

اس غزل میں شامل نقدی اشعار ہیں۔

خربوں سے کتنی ہے رحمت یہ ان کی کہ ہیں بے نواہوں کے عادت روا ہم
 تری راہ میں سر میں بھی تو کیا ہے فنا ہو کے پائیں کے پیش ہم
 حسرت نے کبھی دسر اقتدار افرو یاد دولت و ثروت کے مالک لوگوں کے سامنے سر نہیں ہنگامہ
 اس لئے نہیں کہ وہ سر پر غرور رکھتے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ "بارگہ خاص" کے گدا تھے۔

شاہوں کے تلمیذ سے بھی دب کر نہ رہا میں کس بارگہ خاص کا آخر ہوں گدا میں
 جب سر تسلیم و رضاد قف ہو جائے مرضی خدا اور عشق رسول میں تو بے نیازی کی وہ کیفیت پیدا
 ہو جاتی ہے کہ دنیاوی جاہ و جلالی نشان و شوکت ان کی نظر میں حقیر ٹھہرتی ہے زندگی اور شاعری میں ان کا
 یہی رویہ رہا۔

اسی طرح عام عشقیہ غزلوں کے درمیان جو نعت کے اشعار ملتے ہیں ان کی مثالیں یہ ہیں

حشر میں تاب جہنم سے مفر اور کہاں اہل عصیاں کو ترے سایہ رحمت کے سوا
 کھنچ گئی نور علی نور کی تصویر جمیل بعد کعبہ کے جو آنکھوں نے مدینہ دیکھا
 اس حسن بے عدیل کی ہو کیا صفت بیاں پیدا ہیں جس کے نور سے انوار کبریا
 فنا بھی بقا مسلک عاشقی میں اگر رونما ہو دیار نبی میں
 حسرت غلام شافع روز شمار ہے کب اس کو فکر پُرسش روز جزا کی ہے
 کیونکر نہ کہے دنیا مقبول خدا اس کو مطبوع رعایا ہو فرمان اگر ش کا
 نہ مرنے کی باتیں نہ جینے کی باتیں کرد ہم صفیرو مدینے کے باتیں
 جلد سے جلد پہنچنا ہے مدینے مجھ کو کیوں نہ ترپوں کہ بلایا ہے نبی نے مجھ کو
 سیاسی امور میں جہاں ابھیں اور بے بسی کا احساس ہو تا وہاں بھی حسرت خدا اور اس کے

رسول ﷺ کی توجہ اور اعانت کے خواستگار ہوتے۔ انگریزوں کی ریشہ دوانیوں نے جب جزیرہ نما عرب
 میں انتشار پیدا کیا اور انگریز خواہاں ہوئے کہ اپنے کسی تابع دار کو مقدس مقامات کی حکمرانی پر مسلط کریں تو
 حسرت کا دل ان منصوبوں کی وجہ سے عالم اسلام کے مستقبل کی طرف سے مایوس ہو گیا کیونکہ اس وقت کوئی
 لیزر ایسا نہیں تھا جو عالمگیر پیمانے پر مسلمانوں کو متحد رکھ کر یورپی اقوام کی سازشوں سے چھٹا سکا۔ ایسے میں
 حسرت نے پکارا تو رسول خدا ﷺ کو کہ وہی ساری کٹیوں کو سلجھا سکتے تھے اور کہا

بقضے یشب کا سودا دشمنوں کے سر میں ہے اب تو انصاف اس ستم کا دست پیچھے میں ہے
 حسرت کے جذبہ عشق رسول ﷺ نے ان کے دل پر حضور کی تصویر نقش کر دی ہے۔ گویا ان

کا دل "آنند رسول نما" ہو گیا ہے اس جو بصورت ترکیب لفظی کے ساتھ انہوں نے کہا ہے۔

حسرت کرو نہ دل میں زیارت رسول کی آئینہ رسول نما ہے تمہارے پاس
ایک اور غزل میں یہ نعتیہ شعر بھی ملتا ہے۔
کھینچ گئی نور علی نور کی تصویر جمیل بعد کعبہ کے جو آنکھوں نے مدینہ دیکھا
حسرت کے خیال میں اگر کوئی دیار نبی میں حضور کے عشق کو دل میں لئے موت کی آغوش میں
چلا جائے تو اس کے لئے فنا نہیں ہوتا مقدر ہو گی۔

فنا سے ہوا مسلک عاشقی میں اگر رو نما ہو دیار نبی میں
ان کی دلی خواہش تھی کہ ایسے دن بھی آئیں کہ وہ مدینہ جائیں اور پھر وہاں سے لوٹنا نصیب نہ ہو۔
سفر جب نہ ہو پھر مدینہ سے حسرت وہ کب آئیں گے دن تری زندگی میں
یہی نہیں کہ حسرت نے چیدہ چیدہ اشعار میں عشق رسول کا اظہار کیا ہو بلکہ انہوں نے متعدد
نعتیں بھی لکھی ہیں۔ ان کے مقبول عام نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان میں خلوص کی کمی ہے بلکہ یہ کہ ان
میں صداقت شعاری ہے وہ بناوٹ اور سجاوٹ نہیں ہے جو عوام میں مقبولیت کے لئے ضروری خیال کی جاتی
ہیں۔ وہ ایک سادہ مزاج اور سادگی پسند انسان تھے ان کا عمومی طرز شعاری ہر نوع کے تشعشع سے آزاد ہے تو
نعت میں وہ بھلا اس کا التزام کیوں نہ کرتے۔

حسرت نے پہلی نعت قید فرنگ اونی (۲۳ جون ۱۹۱۸ء تا ۱۹ جون ۱۹۰۹ء) کے دوران لکھی۔
پہلے مسلمان سیاح رہنما کاہنیل جانا ذہنی اذیت کا باعث تو تھا ہی اس پر مستزاد چنگی کی مشقت تھی۔ حسرت جو
حوصلہ اور ہمت سے معمور تھے انہوں نے حق گوئی کی پاداش میں یہ سب کچھ برداشت کر لیا۔ قید کی تہائی میں
مشغلہ عبادت اور شعر گوئی تھے۔ ایسے میں جو عشق رسول کی تڑپ جاگی اور دوبارہ مدینہ میں حاضری دینے کے
لئے ہیدار ہوئی تو بے ساختہ انہوں نے یہ نعت لکھی جو ان کے پہلے مجموعہ "گلدستہ حسرت" میں شامل
ہے۔

کابو میں نہیں ہے دل شیدائے مدینہ کب دیکھے ہم آئے تمنائے مدینہ
خوشبوئے رسالت سے ہے ازلمکہ معطر ہر ذرہ آبادی و صحرائے مدینہ
ہے بے خودی عشق حقیقی کا شناسا ہر دل کہ ہے مخمور تو لائے مدینہ
آتی ہے جو ہر شے سے یہاں انس کی خوشبو دنیائے محبت ہے کہ دنیائے مدینہ
ہے شام اگر کیسے احمد کی سیاہی تو نور خدا صبح دلارائے مدینہ
اے وہ کہ سرور ابدی کا ہے طلب گار پی ساغر دل سے مئے مینائے مدینہ
ذرا غلبہ اعدا سے نہ حسرت کہ ہے نزدیک فرمائیں مدد سید والائے مدینہ
مقطع سے واضح ہے کہ سیاسی معاملات میں بھی حسرت حضور ﷺ کی مدد کے خواستگار رہتے تھے۔

جون ۱۹۱۷ء میں وہ فیض آباد نیل میں تھے جہاں انہوں نے نعت کے حسب اہل الاحباب
اشعار لکھے۔ پہلے شعر کا مضمون اکثر شعراء نے بیان کیا ہے اور حضور ﷺ کی شفاعت کے بعد اسے
کامر حلہ باسانی ملے کرنے کا خیال ظاہر کیا ہے البتہ دوسرا شعر اسلامی تاریخ کے جس منظر میں لکھی گئی
طرف اشارہ کرتا ہے لہذا اسے کو اسلامی تاریخ میں کئی درخشاں باب ہیں جن کی ستائش میں لکھی گئی کتب سے
کتب خانے بھرے پڑے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ تاریخ عالم میں اگر کوئی دور لائق ستائش رہا ہے تو وہ
درخشاں رسول ﷺ ہی تھا کہ اس زمانہ میں ہماری دنیا نور ایمان سے منور تھی۔ تیسرا شعر ان کی مضمون
آفرینی کے کمال کا مظہر ہے ملاحظہ ہو:

روزِ محشر سابع کسرت ہے جو دامن رسول تابِ دوزخ سے ہیں بے پروا غلامان رسول
نور سے ایمان خالص کے منور تھا جہاں اب کہاں سے آئے وہ عمدہ درخشاں رسول
صوم دائم سے باہمی عزت قیام لیل کی شب کو مہمان خدا ہیں دن کو مہمان رسول
حسرت کا اعتقاد ہے کہ دنیا کی ہر مشکل اور صعوبت کو اگر کسی طرح آسان کیا جاسکتا ہے تو
درد شریف ہے اسی نظر سے کو پوری وضاحت کے ساتھ اس طرح بیان کیا ہے۔

مولنس بے کساں درود شریف رات عاشقان درود شریف
طالبان وصال کو ہر دم چاہتے ہیں زباں درود شریف
میری جانب سے ان کے پاس ملک لے چلے اور مغاں درود شریف
اسم اعظم ہے قیدیوں کے لئے قید میں بے گماں درود شریف
وہ بھی یارب ہو دن کہیں کہ پڑھیں ہو کہ ہم کامراں درود شریف
یہ بھی ایک فیض عشق ہے درد ہم کہاں اور کہاں درود شریف
شوق نام حضور کا حسرت بن گیا تریتاں درود شریف
چوتھے شعر کی مزید وضاحت کے لئے یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اشعار نومبر ۱۹۲۲ء کو اس

دقت لہنے گئے تھے جب وہ ساہتی نیل میں قید تھے۔ پانچویں شعر میں کامران ہونے کا اشارہ ملک کی
آزادی کے حصول کی طرف ہے۔ حسرت زندگی کے ہر شعبے کی ابھمن کا اصل ذات رسول ﷺ کی ستائش ہی
کو سمجھتے تھے۔

حسرت کی بعض نعتیں اس وقت کی یادگار ہیں جب وہ عازم حج و زیارت ہوئے وہاں قیام پذیر
ہوئے یا وہاں سے لوٹ لڑ آتے ہوئے ان میں حبیب دار فکلی ملے کی جو تصنیف سے پاک ان کی سیرت و کردار کی
ترتیب ہے۔ کہتے ہیں:

شوق پہنچا حد جنوں کے قریب یہ ہوا داری دیار حبیب

لے چا پھر کشاں کشاں مجھ کو دل اسی ارض محترم کے قریب
ان کی اس بندہ پروری کے ثمار ہم کہاں درنہ اور کہاں یہ نصیب
غلط ہے کوئے یاد درنہ کہاں یہ سکوں ہنسیاں یہ کیف یہ طیب
لو مدینہ کو پھر چلے حسرت دیدنی ہے یہ ماجرائے غریب
یہ بات جزو ایمان ہے کہ حضوری کا شرف انہیں کو حاصل ہوتا ہے جن کو رسول خدا یاد فرماتے
ہیں۔ ادھر سے اشارہ نہ ہو تو لاکھ جتن کر کے بھی کوئی اس آستان عالیہ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔
مندرجہ بالا نعت کے چوتھے شعر میں یہی بات کہی گئی ہے ایک اور نعت کے مقطع میں اس کا اعادہ بھی ہوا ہے۔
یہاں نعت کے تمام اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

سلام علیک اے جوار مدینہ جوار سرپا بہار مدینہ
زہے راحت یقظہ دنوم اینجا خوشا لطف لیل و نهار مدینہ
سوید اے دل ہے دل حسن حق کا نہیں یہ شب نور بار مدینہ
مشام تمنا میں خوشبوئے جنت پھرے لے کے ہم یادگار مدینہ
مدینہ چلو کیوں نہ ہر سال حسرت بلائیں جو خود تاجدار مدینہ
ان کی ایک نعت نہایت شاندار ہے جس میں حضور کی سیرت اور اوصاف حمیدہ پر روشنی ڈالی گئی
ہے۔ اس میں شاعر کی قوت تخلیق اور قوت انظہار اپنی تمام توانائیوں کے ساتھ موجود ہیں۔

مظہر شان کبریا صلّ علی محمد ﷺ آئینہ خدا نما صلّ علی محمد ﷺ
موجب ناز عارفان باعث نثر صادقان سرور و خیر انبیاء صلّ علی محمد ﷺ
مرکز عشق دل کشا مصدر حسن جانفزا صورت و سیرت خدا صلّ علی محمد ﷺ
مونس دل شکست گان پشت پناہ خستگان شافع عرصہ جزا صلّ علی محمد ﷺ
حسرت اگر رکھے ہے تو طعش حق کی آرزو درد زباں رہے سدا صلّ علی محمد ﷺ
حسرت کی دیگر نعتیں ذیل میں نقل کی جاتی ہیں کہ اس صنف شاعری میں ان کے درجہ کمال کو
متعین کیا جاسکے جسے تا حال دانستہ نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔

پند شوق ہے آب و ہوا مدینہ کی حجب بہار ہے صلّ علی مدینہ کی
بہ امتیاز و بہ تنصیف خواب گاہ رسول قلوب اہل ولا میں ہے جا مدینہ کی
صعبوں میں بھی اک راحت سز کی ہے شان جو یاد رہتی ہے صبح و سدا مدینہ کی
علاج علت عسیاں کی فکر کیا ہوا ہے جسے نصیب ہو خاک شفا مدینہ کی

سکون خاطر حسرت بنی وہ رانج میں (۱۰)

خبر جو لائی تھی بلا مہینے کی

مدنی صبح کا حجب ہے ظہور قابل دید ہے یہ بارش نور
نظر آتا ہے پیش روئے حضور اہل بیتش کو نور جلوہ طور
آپ کا نم ہے عاشقوں کے لئے فی المثل اک شراب ناب سرد
وائے برحال عاشق محروم پاس ہو کر بھی ہو جو یاد سے دور
مستنیران حسب آل رسول پاک ہیں بلجود فسق و فجور
ذات ان کی ہے مصدر البرکات اس سے انکار دین کا ہے فتور
لمن اغیار پر ہے ناز مجھے کہ میں حسرت ہوں مستغنی قہور

تری یاد بے اختیار آ رہی ہے تمنا کی فصل بہار آ رہی ہے
حرم سے ہوا خوشگوار آ رہی ہے دوائے دل بے قرار آ رہی ہے
ترتے کندہ ملبوس کی دھجی دھجی پئے راحت جاں بکار آ رہی ہے
کہوں حال کیا اس کی جاں پروری کا جو کبے سے خوشبوئے یاد آ رہی ہے

عجب انداز ہے فضل خدا کا مدینے کی ہوائے جاں فزا کا
نگاہ لطف اور ہم سے یہ کار کرم دیکھو حبیب کبریا کا
پڑھے اس روئے روشن سے تمنا سبت بدر الدہی شمس الضحیٰ کا
شمنشاہوں سے بھی ہے بلاہ کے رتبہ ترے کوپے کے اک ادنیٰ گدا کا
بفرط بارش انوار حسرت نہیں کچھ فرق یاں صبح و سدا کا

بہ ملک تمنا بصد طرف کاری ترا شوق کرتا رہے شہریاری
ترے در پہ عشاق اے شاہ خوباں غلامانہ کرتے رہیں جاں نثاری
رضا تیری ثابت ہے اپنی خوشی سے مقدم بہ آئین خدمت گزار
تری نذر کو لائے ہیں نقد جاں ہم بہ صد عذر ذہنی بصد شرم ساری
شرف رعیتی ہے بادشاہی پہ بے شک مدینے کی حسرت غریب الدیاری

یہ حال ہے تو رسول پاک ﷺ کی ثناء خوالی میں وہ کیونکر ان اصولوں اور اقدار سے روگردانی کر سکتے تھے۔ ان کے اشعار عام انسان کے جذبات سے مملو ہیں۔ ان میں سچائی ہے، خلوص ہے، ملامت ہم کو نہیں۔ حسن کاری کی خاطر انہوں نے جذبہ اور تمذیب کی پامالی کو قبول نہیں کیا۔ اسلام اور تمذیب کی خاطر بھی اپنے حراج سیرت اور کردار کو ملحوظ خاطر رکھ کر حضور کی شان میں اشعار کہے۔ ان کی شاعرانہ فنکاری کی چاہے دلونہی جائے اس کے خلوص اور ان کی نیت سے انکار کی کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی۔

حوالے

- (۱) مولانا سید سلیمان ندوی: مضمون "حسرت کی سیاق زندگی" مشمولہ رسالہ فکر و شعور، حسرت سیرت، فروری ۱۹۵۲ء، ص ۱۱۲
- (۲) مولانا جمال میاں فرنگی خلی: مقدمہ کلیات حسرت، مطبوعہ لراہی، طبع چارم ۱۹۶۸ء، ص ۴۸
- (۳) مولانا حسرت موہانی: مشاہدات زندان، قسط نمبر ۱۲ سالانہ اردو کے مطبعی، علی گڑھ، نومبر ۱۹۱۰ء
- (۴) مولانا جمال میاں فرنگی خلی: مقدمہ کلیات حسرت، ص ۴۸
- (۵) مولانا جمال میاں فرنگی خلی: مقدمہ کلیات حسرت، ص ۴۹، مولانا جمال میاں نے خوب دیکھنے کی تہلیل جبری تاریخ ۲۵ ستمبر ۱۹۶۱ء کو لکھی ہے۔
- (۶) ۴۰ مقدمہ کلیات حسرت، ص ۴۹
- (۷) ایضاً
- (۸) ایضاً
- (۹) ایضاً ص ۴۸
- (۱۰) رائے نے بارہ میں کلیات حسرت میں فتنہ نوت میں لکھا ہے کہ "تدکر سے جہود بدو سے مدینہ شریف جانتا ہوئے راستے میں ایک منزل"

حُبِّ آلِ مصطفیٰ و حُبِّ خیر المرسلین
یا رسول اللہ ترے در سے ہمیں نان جویر
یا شفیع اللذنبین یا رحمۃ اللعالمین
آپ کی شان جلوہ فرمائی
پھر بڑھی دل کی تھکی پائی
پھر وہی در وہی جبین سائی
دور پہنچی ہے میری رسوائی
ان کے اکرام کا تمنائی
حُبِّ حق کے ہے برابر حاصل دنیا و دین
من و سلوئی سے بھی ہے بہتر اگر ملتی رہے
حاضر دربار ہے حسرت بہ امید قبول
نظر حسن کی ہے پونائی
پھر قریب آ گیا دیار حبیب
پھر وہی سر وہی ہے شوق نمود
زابدوں میں بہ جرم حُبِّ رسول
بے نیاز دو کون ہے حسرت

پھر یاد جو آئی ہے مدینے کی بلانے
ایسا ہے تو پھر فکر ہے کیوں زاد سفر کی
تماشب کو جو میں حاضر دربار نبوت
کیا یاد کیا ہے مجھے شاہ دوسرا نے
کیا غیب کے کھل جائیں گے مجھ پر نہ خزانے
پھوڑا ہے اثر دل پہ عجب اس کی فضا نے

جب دور سے وہ گنبد خضرا نظر آیا
چار طرف بارش انوار کا عالم
مسجد میں جو تھا متصل روضۃ الطہر
البتہ سلوں بخششی و خوشبوئی کی رو سے
حق بیننی کو اس روضۃ الطہر کا منارا
ہم بجر کے ماروں کو اسی قرب میں یکسر
التمس جو محروم سلوں تھا دل حسرت
اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آیا
موجود اپنے دیدہ بینا نظر آیا
اک قطعہ وہ جنت کا نمونہ نظر آیا
ہر حصہ دنیا سے زالا نظر آیا
ہم مرتبہ عرش معلّا نظر آیا
ہمارے فرقت کا مداوا نظر آیا
آخر وہ ہمیں آ کے ٹھیکیا نظر آیا

حسرت موہانی کے امتیہ کام کے مطالعہ کے ساتھ یہ بات ذہن میں رہنی ضروری ہے کہ ان کی زندگی تصنیع سے بے ملامت سے پاک اور ظاہر داری کے بالکل برخلاف تھی۔ وہ سادگی پسند تھے۔ ایک سیدھے سادے عام انسان کی طرح زندگی گزار دی۔ دنیا داری اور زرگری سے ہمیشہ دور رہے۔ ان کی سادہ مزاجی ان کی تمام شاعری پر حاوی ہے۔ مجازی عشقیہ شاعری میں بھی انہوں نے زیبائش اور لایعنی مضمون آفرینی سے کام نہیں لیا ایک عام انسان کے تجربات احساسات اور جذبات کی ترجمانی کرتے رہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسام نے سچے عہد و کار بھی تھے اور مشرقی تمذیب کے پروردہ بھی۔ انہوں نے "تمذیب رسم عاشقی" کی ہمیشہ پاسداری کی۔ سٹی اور عامیانه خیالات سے ان کی شاعری یکسر خالی ہے۔ جب عام شاعری کا

علیم صبانویدی کا فن نعت گوئی

علیم صبانویدی صوبہ نمل ناڈو کا ایک شرہ آفاق شاعر بلند پایہ محقق اور بے باک نقاد ہے۔ اس کی شاعری ملک کی سرحدوں کو پار کر کے سر صغیر پاکستان میں اپنی شہرت کا سکہ قائم کر چکی ہے۔ وہ جدید لب و لہجہ کا شاعر ہے اس کی شاعری میں عصری تقاضوں کی ترجمانی اور ذاتی تجربات و احساسات کی کار فرمائی نظر آتی ہے۔ وہ شعر و ادب میں اپنی ایک علاحدہ شناخت قائم رکھنے اور اپنے کلام کو تباہی عطا کرنے کے لئے کسی کے نور کا محتاج نہیں بلکہ اپنے ہی ذہن و دل کی ضو فشانہ سے شعر و ادب کی کائنات کو روشن کر لیتا ہے۔ وہ شعر و ادب کے میدان میں تقلید پرستی کا قائل نہیں، ڈوشہ چینی اس کے مزاج و فطرت کے منافی ہے۔ وہ انفرادیت کا حامل جدیدیت کا علم بردار، نئی جتوں کا متاثری اور نت نئے تجربات کو شعر و ادب میں روار کھنے والا ایک عظیم ذکا ہے جس کے شعری تجربات قبول رضا نقوی و امی زیادہ وزنی و وسیع اور مجتہدانہ ہوتے ہیں (۱)۔

فکر و خیال کے نئے زاویوں کا تعین ہو یا فنی قدروں کی شناخت کا مسئلہ وہ دیدہ دلیری سے ان دشوار گزار راہوں کو اپنی شدت طلب سے نہ صرف ہم وار بنا دیتا ہے بلکہ اپنے ارادوں سے حاصل ہونے والی روشنی سے تاریک منزلوں کو اجاگر بھی کر دیتا ہے۔

راہ کتنی ہی کٹھن ہو مگر اسے پایۂ طلب روشنی عزم کی کر دیتی ہے منزل روشن صوبہ نمل ناڈو میں اردو شاعری کی روایت اور تاریخ کا نئی پرانی ہے۔ حضرت قرنی دیوری حضرت ذوقی اور حضرت لطیف آرکانی اس صوبہ کے حقد میں شعر کی فہرست میں اہم مقام کے حامل ہیں۔ اور اپنی ایک علاحدہ شناخت بھی رکھتے ہیں۔ ان شعرا نے اردو شاعری کی روایت کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ سر زمین نمل ناڈو میں اس کی بنیادوں کو مستحکم بھی بنایا۔ ان شعرا کا کلام پیشتر غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی اور تاریخ گوئی پر مشتمل ہے۔ نعتیہ کلام کے جو چیدہ چیدہ نمونے ان شعرا کے دیوان میں مل جاتے ہیں ان کو پڑھنے سے محسوس ہوتا ہے کہ نعت گوئی کو انہوں نے فنی اظہار کے لیے نہیں بلکہ حضور ﷺ کی شان

اقدس میں عقیدت مندی کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنی سعادت اور نجات کا ذریعہ سمجھا۔ اس سے قطعاً نعرہ والا جاہلی خاندان کے حکمرانوں اور نوبان آرکات کے عہد میں یہاں شعر و ادب کو پروان چڑھنے کا موقع ملا۔ شہت سخن کی آمیزی کے لیے اکثر و بیشتر شعرا نے غزل گوئی کو رواج دیا اور بعض شعرا نے مثنوی، قصیدہ، رباعی، تلیعہ اور تاریخ گوئی کو اپنے مذاق کا نشانہ بنایا۔ والا جاہلی خاندان کے چشم چراغ اور تاجدار سلطنت نواب غلام غوث خان کے عہد میں اسان اہل سنت نواب شاطر مدرا سی، مولانا قتل حسین خان ایمان لویا موی (۱) اور پرتو مداری کے یہاں نعتیہ شاعری کے نمونے ہمیں مل جاتے ہیں جو نہایت عقیدت و عزیمت اور روایتی انداز سخن کی غمازی کرتے ہیں۔ ان شعرا نے نعتیہ کلام کی صورت میں بائبل طرز پر اپنا کوئی مجموعہ کلام شائع نہیں کیا۔ البتہ غزل گو شعرا کی ایک طویل فہرست مل جاتی ہے جنہوں نے نعت گوئی میں تہہ کا وہ عقیدہ تابع آزمائی کی ہے۔ ایسے ہی جلیل القدر شعراء میں انیر الشعراء نواب محمد منور خان لویا مداری، سید محمد صہبہ اللہ حسینی القادری، نور مدرا سی، الحاج مرزا غلام عباس علی عباسی مدرا سی (۲)، انیر الشعراء انصر الدین، ڈو مدرا سی، علامہ محی صدیقی، سید ابو الہر کات، نور مدرا سی، پروفیسر دیدر علی خان دیدر مدرا سی (۳)، پروفیسر سید عظمت اللہ مدرا سی، آتم کر نوبی، حیرت القادری، مفتی عبدالعزیز عادل مدرا سی اور پروفیسر محبوب پاشا محبوب (۴) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ عادل مدرا سی نے تریاض عقیدت کے نام سے اپنا شعری مجموعہ شائع کیا۔ اس مجموعہ میں بھی نعتیہ کلام کے علاوہ مناقب المسلمین، سام اخلاقی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ اس لیے عادل مدرا سی کے مجموعہ "تریاض عقیدت" کو خاص نعتیہ کلام کا مجموعہ قرار دینا صحیح نہ ہو گا۔

خاص نعتیہ کلام کو (جو روایتی طرز و اسلوب سے عبارت ہے) ترتیب دے کر شائع کرنے والے شعرا کی فہرست انگریزوں پر تھی جاسکتی ہے۔ شریف مدرا سی نے اپنے نعتیہ کلام کو کتب خانوں کی صورت میں شائع کیا۔ دانش فرازی ایک طویل نعتیہ نظم "مؤمن اعظم" لکھ کر نعت گو شعرا کے زمرے سے وابستہ ہو گئے۔ (۵) عبداللہ شرتقی کے نعتیہ کلام کا مجموعہ نعت گوئی کے میدان میں ایک اضافے کی حیثیت رکھتا ہے۔ "ترتیب القالمین" فرید مدرا سی کی نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہے۔ سہیل راشد کا مجموعہ "منزل نما" نعتیہ شاعری کی منزل کے تعین میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ محبوب اسلم نے "رسائل عرفی" کو شائع کر کے نعت گو شاعر ہونے کا بھر پور ثبوت دیا ہے۔ راہی فدائی کا "مسداق" نعت اور جدید نظموں پر مشتمل مجموعہ

(۱) "تصانف ایمان" ایمان لویا موی کی نعتوں کا مجموعہ ہے۔

(۲) "قائوس خیال" حضرت عباس مدرا سی کی غزلیات اور نعتوں کا مجموعہ ہے۔

(۳) "تاسل فہرست" پروفیسر دیدر علی خان دیدر مدرا سی کی غزلیات اور نعتوں کا مجموعہ ہے۔

(۴) "تصانف محبوب" پروفیسر سید محبوب پاشا محبوب کا شعری مجموعہ ہے۔ اس میں نظمیں بھی شامل ہیں۔

(۵) "شرق و روان" نعتیہ مجموعہ "تاسل عرفی" میں شامل نعتوں کی فہرست کا حصہ ہے۔

زیر طباعت ہے۔ عظیم صبا نویدی کی نگرانی میں یہ مجموعہ مراحل طباعت طے کر رہا ہے۔

صبا نویدی جو شعر و ادب کو جدید پیرائے میں اور نئے نئے تجربات سے ہم کنار کرنے کا قائل ہے، اختر الایمان کی طرح وہ بھی شاعری میں کامیابی کے لیے مذہبی تقدس کو ضروری سمجھتا ہے۔ اس ضمن میں اختر الایمان کا کہنا ہے کہ

”شاعری میرے نزدیک کیا ہے؟ اگر میں اسے ایک لفظ میں واضح کرنا چاہوں تو مذہب کا لفظ استعمال کروں گا۔ کوئی بھی کام جسے انسان ایمانداری سے کرنا چاہے اس میں جب تک تقدس نہ ہو جو صرف مذہب سے وابستہ ہے اس کام کے اچھا ہونے میں ہمیشہ شبہ کی گنجائش رہے گی۔“ (۱)

چنانچہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ صبا نویدی نے اختر الایمان کے اس بیان سے متاثر ہو کر اپنی شاعری کو آفاقیت کی حدود تک پہنچانے کے لیے نعت کو اپنی فکر و آہنگ کا محور بنایا اور چند ہی برسوں کے اندر یکے بعد دیگرے کئی نعتیہ شاعری کے مجموعے شائع کر دیئے۔

”ترسیلے“ نظموں اور نعتیہ ہائیکلوں کا مجموعہ مطبوعہ 1986ء۔ ”شعاع شرق“ خالص نعتیہ ہائیکلوں کا مجموعہ مطبوعہ 1987ء۔ ”سراۃ النور“ نعتیہ کام کا مجموعہ مطبوعہ 1988ء۔ ”نور السموات“ اردو زبان و ادب میں نعتیہ سائینٹ کا پہلا مجموعہ مطبوعہ 1990ء۔ ”ن“ نعتیہ کام کا مجموعہ مطبوعہ 1990ء۔ عظیم صبا نویدی کے مذکورہ بالا مجموعوں کو دیکھنے کے بعد قاری اس کے احساسات اور جذبات کی صلاحیت، خیر و حسن اور صداقت پر ایمان ہی نہیں بلکہ اسے ایک منفرد نعت گو شاعر کی حیثیت سے تسلیم بھی کرتا ہے۔ کیونکہ حمد و نعت جیسی قدیم اصناف کو اس نے اظہار و شعور کے نئے انداز و سلیقے دیئے اور اس میں وسعت و کشادگی پیدا کی۔ نیز اس نے حمد و نعت کی اصناف کو نئی شعری ہیئتوں کا لبادہ پہنا کر نعتیہ شاعری میں دوبارہ زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی۔ عبدالستین نے آزاد نظم میں اور کرم حیدری نے کثیر الجہا پند نظم میں نعتیں کہی ہیں۔ نئی نسل کے شاعروں میں اس نوعیت کے تجربے حسین فراقی، راجح عرفانی اور رشید قیصر آئی بھی کر رہے ہیں۔ انور سدید، مظفر وارثی، حفیظ صدیقی، کوثر ناہید اور پروین شاکر وغیرہم نے بھی آزاد نظموں کی ہیئت میں حمدیں اور نعتیں کہی ہیں۔ لیکن یہ سب کے سب پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔

نعت کوئی انتہائی مشکل اور معظّم فن اور عبادت ہے۔ جتنی عظیم و مکرم وہ شخصیت ہے جس کے طفیل یہ وجود میں آئی اس کی تصدیق اور اس کا اعتراف عرتی جیسے شاعر نے بھی کیا جو اپنے پندار شاعری کے سامنے اور اپنے دعویٰ کی تائید میں رہ رہ کر لوح و قلم کی شہادت پیش کرتا ہے لیکن نعت کی وادی میں قدم قدم پر اپنے کو باخبر رہنے کی تاکید کرتا ہے اور نعت کے فن کو تلوار کی دھار پر چلنے سے تعبیر کرتا ہے۔

عرفی مشابہتیں اس رو نعت ست نہ صحرا آہستہ کہ وہ مدد بق سق قدم را
 ہمدار کہ نخواستن ایک آہنگ مردون نعت شہ کونین و مدح کے دہم را
 یہ کچھ شاعروں ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ ہر مسلمان کی مذہبی اور تمدنی منزلت کا معیار ہے کہ اس کی
 زندگی اور اس کا کردار کس حد تک عشق رسول سے مشرف و مستفیض ہے۔ عشق نبی کا تصور دراصل ہمدار
 ذہنوں میں میاں ناموں اور میاں خوانوں کا دیا ہوا تھا۔ حالی اور اقبال نے اس کو وہاں سے نکال کر مذہب و ملت
 کے اعلیٰ اقدار و روایات کو سمجھنے اس پر عمل کرنے اور اس کی حفاظت کرنے کا حوصلہ دیا۔ خدا اور رسول ﷺ
 کے احکام کی اتباع اور اس پر عمل کرنے کی توفیق کلمتہ اللہ کی دین ہے لیکن ان اوامر اور نواہی کو مانتا اور دل
 نشین کر دینا ان برگزیدہ شعرا کے حصے میں آیا جن کے حروف شیریں کی طرف اقبال نے اپنے بے مثل
 پیرایے بیان میں اشارہ کیا۔

مگر یہ حرف شیریں تریماں تیرا ہے یا میرا
 ہذا نعت گوئی وہ عظیم شاعری ہے جو بول ڈاکٹر سید حامد حسین گری اردات اور عقیدت کے
 تاثرات سے تحریک پاتی ہے۔ اس میدان میں شاعر نہ تو اپنی فکر کو بے لگام چھوڑ سکتا ہے اور نہ ہی موضوع
 سخن کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ اسی لیے اچھی نعتیہ شاعری غزل کی روایتی شاعری
 سے کہیں مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اچھے غزل گو شعرا کی ایک لمبی فہرست ہے جب کہ اچھے نعت گو شعرا
 کے نام انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں (۱)۔

عظیم صبا کا شمار بھی ان معدودے چند شعرا میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی نعتیہ شاعری کے پے در
 پے مجموعے شائع کر کے ایک نعت گو شاعر کی حیثیت سے اپنا مقام شعر و ادب کی دنیا میں تسلیم کروا لیا ہے۔
 اپنی سنجیدگی، فکر پاکیزگی، خیال، تنوع پسند طبیعت اور تازہ کار اسلوب سے نعت جیسی انتہائی مشکل اور معظّم
 صنف میں بھی اس طوطی سخن نے اپنی آواز کی شناخت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لی ہے۔

”ترسیلے“ عظیم صبا کے جدید انداز کی نعتوں پر مشتمل مجموعہ ہے جو قدیم چلبانی صنف
 شاعری ”ہائیکلو“ کے رنگ میں 1986ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعہ میں دو قسم کی ہائیکلو نظمیں شامل
 ہیں۔ (۱) پابند ہائیکلو (۲) نثری ہائیکلو۔ اردو میں صنف ہائیکلو کو پہلی بار صبا نویدی نے نعت گوئی کے مقدّم اظہار
 سے مالا مال کیا۔ ”شعاع شرق“۔ ”ترسیلے“ ہی کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ اس میں تقریباً سارے کے سارے
 پابند ہائیکلو شامل ہیں۔ صبا نویدی نے ہائیکلو کے ایمائی اظہار سے فائدہ اٹھا کر سرور کو نین کی مدح سرائی میں اپنی
 عقیدت مند و اعراض کا اظہار ایک نئے انداز و اسلوب کے ساتھ کیا ہے۔ ہائیکلو کی صورت میں پیش کردہ
 نعتوں میں ایک جامع اشاریت اور بلیغ رمزیت کا احساس ہوتا ہے جو ہائیکلو کی محاکاتی نفا کا مزید تقویت بخشتا

ہے۔ "تریلے" اور "شعاع شرق" میں شامل نعتوں میں شاعر اپنی جوہر طبع سے انظار کے نئے پیکر تراشتا اور ان کو اپنی جستجوز کوششوں سے ایک نیا رنگ و روپ عطا کرتا ہے۔ بالفاظ دیگر عظیم صبا کے یہاں حمد و نعت کے مضامین وحدت کی عبادت ہے جو پورے تصدق کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

☆ آسمانوں کے بھید کا جوہر	☆ ایک سورج وجود میں آیا
☆ سات عالم کے نور کا ماخذ	☆ آدمیت کی روشنی لے کر
☆ ردفق کائنات کا مصدر	☆ نیک لوح وجود میں آیا
☆ ذہن و دل کے سرور کا مرکز	☆ آئینہ دار جوہر ہستی
☆ نقش ہائے شعور سے آگے	☆ اوج تابانی۔ وائٹم
☆ مہر الا شہور کا مرکز	☆ روز و شب کے بتال کی مستی
☆ آپ کے ذہن میں قلم کا سر	☆ آپ ہی آپ اول و آخر
☆ جھک گیا ہند عقیدت	☆ آپ کا فیض روز محشر تک
☆ اور الفاظ دو گئے ہیں کہ	☆ آپ کا نور ساتوں عالم پر (تریلے)
☆ و ایک منبع علم و فن کا جلوس	☆ ذخیر البشر ہے ذخیر الامم
☆ ہے ارض و سما کی نگاہوں کا نور	☆ بتال شعور زئیر آسمان
☆ سر اپا تجلی سر اپا خلوص	☆ وہ ہے جب دھڑکتے دواں کا محرم
☆ وہ ہے ہر کہ کی چمک کا فلک	
☆ سمندر کے جلوؤں کا مرکز آشنا	
☆ اجاگر ہے جس سے صدف کی منک	(شعاع شرق)

"مرآت النور" صبا نویدی کے انقید کلام کا مجموعہ ہے جو 1988ء میں شائع ہوا۔ اس میں شامل نعتوں میں شاعر کی عقیدت رسول ﷺ نے بھرپور تخلیقی انظار پایا ہے۔ مدحت پیغمبر اور عشق رسول ﷺ میں سرشاری کو عظیم دنیا و آخرت کے لیے وسیلہ نجات اور ذات کبریائی سے قرمت کا بیہرین ذریعہ سمجھتا ہے۔

یہ مدحت رسولؐ یہ ذخیرہ اُمم بس اس صبا نویدی بھی زاد راد ہے آزاد، نزل، نثری نظم، ہائیکو، سانیٹ اور دوسرے طرح طرح کے تجربے کرنے والا یہ شاعر جب نعت کوئی طرف رجوع کرتا ہے تو سراپا بجز و انصاری بن کر اپنے فن و جوہر کی جلاپاشی ہی نہیں باسو اپنے نصیب کو بھی روشن کر لیتا ہے۔

لیسا نعت آپ سے رشتہ ہے چاد کا روشن نصیب۔ ہو گیا اپنی نگاہ کا

آپ کا نقش قدم چوم لیا ہے جب سے مجھ سے آگے نہ بھی کوئی زندہ ہے
میں سراپا آئینہ ہوں آئینہ نیرا فن اور نیرا جوہر ہیں ہی
1990ء میں عظیم صبا نے اردو زبان ادب میں انقید سانیٹ کا پہلا مجموعہ "نور السموات" کے

زیر عنوان شائع کر کے سانیٹ کی ہیئت میں نعت کے موضوع کو نئے اسالیب میں ڈھالنے کا سراپا ہی سراپا بنا دیا ہے۔ اپنے عہد کے پیرائے انظار کو انقید مقاصد کے لئے استعمال کرنے میں جو سرعت و رفتار صبا نویدی نے دکھائی ہے اس کے پیش نظر ملی جو آرزوی کہتے ہیں:

"عظیم صبا نویدی ہمارے بے انتہا فعال اور توانا جنوب میں نئی شناختوں کے پرچم لہرا رہے ہیں اور ہماری غیر متعین حدود کو ان نعتوں سے آشنا کر رہے ہیں جو تامل ناز کی پیدا کر دو ہیں۔" (۱)

اور ڈاکٹر حفیظ اللہ نیل پوری اس کی خاتمان صا حیتوں اور نئی تخلیقی فعالیت سے متاثر ہو کر یوں انظار خیال کرتے ہیں:

"عظیم صبا نویدی کی ندرت، تخیل اور تخلیقی سفر میں رکاوٹ اور تھکاوٹ کا شائبہ نہیں۔ جنوب کے اس مجذوب شاعر کو میں کھلی دھوپ کا مسافر کہتا ہوں جو کسی سابع شجر کا مرکز ہون منت نہیں ہے، سفر اور مدام سفر کا قائل ہے۔" (۲)

"نور السموات" کی انقید سانیٹوں میں عظیم صبا نویدی نے اپنے تخلیقی جوہر اور ذہنی کارخانہ صا حیتوں کو بڑی خوبی سے نبھایا۔ اس کی خلافتانہ ذہنیت اور فن کارانہ تخیل کے باوجود اس کا عقیدت مند دل سراپا نیا زبان پر خاص طور خاصان رسل کی مدحت سرانی میں اپنی دکرال وار فطرتی کے سبب گہری تحویت اختیار کر لیتا ہے۔ ان انقید سانیٹوں میں اس کی تخلیقی شخصیت کا متوازن، منظم اور توانا پہلو واضح ہو کر سامنے آجاتا ہے۔

نیرے اس بیان کی تصدیق کے لیے انقید سانیٹ سے مانوہ چید و چیدہ اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں۔
صاحب کون و مکاں سید لولاک ہیں وہ
ان سے ذہنوں میں تجلی کا سماں پھیلا ہے
یہ زمیں پھیلی افق پھیلا جہاں پھیلا
دونوں عالم کے لیے صاحب اور اک ہیں وہ

(۱) ملی جو آرزوی کے تاثرات مانوہ ذرا "تریلے"
(۲) ڈاکٹر حفیظ اللہ نیل پوری ص ۱۰۹ "شعاع شرق"

مطلوب ہے صبا نویدی کی مذکورہ سائٹ اس کی بولتی تصویر ہیں جن میں اخلاص و عاجزی کی صفات انتہائی
 عروج پر ہیں۔ اس نے ایک نعت کو شاعر ہونے کی حیثیت سے خاصاً خاصانِ رسول کی مدح سر لائی جس
 غلو ص و محویت اور جذبہ ایمانی کے ساتھ کی ہے اس سے میرے ایک دیرینہ خیال کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ
 علیم صبا کا اہم کام ہمارے لیے مہمہ حاضر کا ایک ایسا مقدس سرچشمہ ہے جس سے ملت اسلامیہ کے اندر
 رسول عربی سے والہانہ عقیدت مندی اور وارفتگی کا جذبہ بیدار ہو سکتا ہے اور اسی جذبہ سے سرشار ہو کر ملت
 اسلامیہ کا ہر فرد علیم کی طرح دین و دنیا میں ایک خوش نصیب امتی بن سکتا ہے۔
 سچ بچ صبا نویدی دو خوش خنت ہیں بہت خواہوں میں جن کی روشنی دل ہے آپ کی

مرے فکر و فن کا ہے روشن ضمیر
 مرے حوصلوں کی ہے اونچی اڑان
 ہے پاکیزہ سب سے مری آن بان
 میں دربار احمد کا ہوں اک فقیر
 فقیری پہ اپنی مجھے ناز ہے
 نرالا مرا شاہی انداز ہے

جذبہ عشق محمد ﷺ کا سفر ہے نوری
 راہ بر حسن اعظم کے معطر جلوے
 مریاں ذات مقدس کے منور جلوے
 منزلیں جلوہ فشاں راہ گذر ہے نوری
 مدحت شاد زمیں کا ہے نظارہ ہر سو
 پھول ہی پھول ہیں جلووں سے لدی ہے خوشبو

شنشاد دین کا یہ فیضان ہے
 یہ سانسوں کی دھڑکن لہو کا سفر
 یہ ہونٹوں کی جنبش بیابان کے گہر
 محمد ﷺ کا ہر شے پہ احسان ہے
 محمد ﷺ نہ ہوتے تو ہوتے نہ ہم
 نہ انہار ہوتا نہ نقش قلم

ڈب ڈب کو نا حسن جمال دلبر
 آب کوثر میں نمائے ہوئے آئے منظر
 زندگی کرنے لگی ان کے ہی روضہ کا طواف
 باوضو ذات ہوئی نیک ہوئے ہیں اوصاف

نعت کوئی کے دوران عشق احمد میں سرشاری کے لیے جو وارفتگی، عقل و فہم اور علم و آگہی

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
 www.sabih-rehmani.com/books

سیرت طیبہ اور تعلیمات نبوی کا نقیب
 ششماہی
السیرة العالمی (کراچی)
 مدیر: سید فضل الرحمن

☆ ناشر ☆

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز، اے 17/4 ناظم آباد نمبر 4، کراچی 74600

خوش تھیو محمد میر' سبھ رسنخ تھیا
 پڑھی نکاح خوش تھیو' ابو طالب امیر
 خوش تھی پٹھی ملی عاتکہ پیتاؤں کھنڈوں کھیر (۳)

یعنی خوش ہوئے محمد میر ﷺ سب کام آساں ہوئے۔ ابو طالب سردار بھی نکاح پر خوش ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ کی خالہ ملی بی عاتکہ بھی خوش ہیں۔ سب خوشی سے بیٹھا دودھ پی رہے ہیں۔

عبداللہ اداسی

پرنے رات رسول ہے' چمن کھلیا چودھار۔ الا
 بدھا موڑ محبت کھے' صدیق اکبر یار۔ الا
 موڑن سریوں سون جوں' گل گلانی گلزار۔ الا
 مانک موتی جن میں' لعلن لکھ ہزار۔ الا

یعنی آنحضرت ﷺ کی شادی والی رات ہر طرف پھول کھلے ہوئے ہیں۔ محبت کرنے والے رسول کو اپنے دوست صدیق اکبر نے سرابندھا۔ اس سرے پر سونے کی لیس اور لال گلانی پھول گونے لکھے ہیں جن پر لاکھوں ہزاروں موتی اور ہیرے جڑے ہیں۔ (۳)

لدھو

گھوروں گھوٹ متھاں گلزار' عطر عنبر چھنکار
 ' میندی آنداؤں میر لئے' زین چٹکی تھیں رات میں
 سچ دھاریاؤں سو سردار

یعنی دولھے پر پھول' عطر اور عنبر پھنکار کئے جا رہے ہیں۔ اس رات سردار کے لئے میندی خوب سجا کر لائے ہیں پھر ایسے عالی مرتبہ سردار کو سچ پر بٹھایا ہے۔

کپڑا آنداؤں قیمتی' اسباب مڑنی اثباتی
 جن تے منک کستوری مہنکار
 جوڑوں ہزاریں آئوں' اہیاں احمد جام ہے
 گایاؤں گاج ہزار (۵)

یعنی آپ کے لئے قیمتی لباس لائے ہیں اور جو بھی سامان ہے بہترین ہے۔ تمام اسباب سے منک اور کستوری کی خوشبو اٹھ رہی ہے۔ احمد مرسل ﷺ کے حضور ہزاروں جوڑوں نے حاضر ہو کر گیت

سائے ہیں۔

موسیٰ

ٹٹھے محمد موڑ بدھا' جی حضرت لاگ لدھا
 گھوٹ کھلی گھر آہ
 سید کیو سینگار' محمد تھیو مہنار
 جنہیں کھے دھنی پان پر حاہو
 تارن جوت دئی' سچان سچے تاب سی
 آپنی قمر کندھ رہنایو (۶)

یعنی ٹٹھے محمد ﷺ نے سرلابندھا ہوا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے انعام پائے ہیں۔ دولھا گشت کر کے سرال کے ہاں آیا ہے۔ سید سردار ﷺ نے سگھار کیا ہوا ہے اور سردار بنے ہوئے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کو رب پاک نے خود ملبوس فرمایا ہے۔ آپ کے دولھانے پر ستاروں نے بھی آپ کا حسن دیکھ کر اپنی روشنی گنوا دی ہے۔ سورج بھی آپ کے حسن کی تاب برداشت نہیں کر سکا۔ چاند نے حاضر ہو کر سر خم کیا ہے۔

لعل محمد

آئی رات ساگ جی' سبھیں تھیا سینگار
 ملکن منک وڑھایو' جوڑن بدھا حد
 آہو محمد عربی' موڑ بدھی مننول
 لا لن لاؤں لدھیوں' تھیوی سچ تیار

یعنی آج ساگ رات ہے۔ دولھا اور دلہن کو بے شمار سگھار کئے گئے ہیں۔ فرشتے ہراتوں میں خوشبو بانٹ رہے ہیں۔ حوران جنت نے آپ ﷺ کو ہار پہنائے ہیں۔ محمد عربی ﷺ سرلابندھا کر آئے ہیں۔ آپ کو دلہن کے ساتھ نکریں لگائی گئی ہیں اور آپ کے لئے عمدہ سچ بھی تیار کی گئی ہے۔ (نکریں لگانا = شادی کی ایک لوک رسم)

گھوٹ گھوڑے چڑھیو ڈر بدھی دستار
 ڈسی خدیجہ خوش تھی' دوستانو دیدار
 ریزی عربیاؤں آہوں' جوڑ دڈی چسار

نعت نبی ﷺ بلوچی اور برابھوئی میں

بلوچی برابھوئی زبانیں پاکستان کی اہم ترین زبانوں میں سے ہیں جو صوبہ بلوچستان کے وسیع و عریض علاقوں کے علاوہ اندرون پاکستان سندھ اور ڈیرہ جات میں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ برابھوئی زبان کا پھیلاؤ اگر پاکستان میں ہے تو بلوچی زبان پاکستان سے باہر ایران اور افغانستان، گلجی ریاستوں میں بھی عوام کی ایک بہت بڑی تعداد کا ذریعہ اظہارِ بلاغ ہے۔

تاریخی اعتبار سے بلوچی برابھوئی دونوں زبانوں کی قدامت مسلم ہے۔ دور حاضر میں لسانیات کے محققین ان زبانوں کے وجود کو پانچ ہزار سال قبل تک دست دے کر قدیم تہذیبوں سے ان کا رشتہ استوار کرتے ہیں۔ تاہم یہ موقع ایسا نہیں کہ ان زبانوں کی تاریخی قدامت پر گفتگو کے لئے موزوں ہو۔ یہاں ان زبانوں کی ادبی اور شعری استعداد پر نظر ڈالنا مقصود ہے۔ خصوصاً شعری سرمائے میں رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کی نعت ہمارا موضوع ہے۔

بلوچی برابھوئی جن کی قومی تجسیم جدا نہیں صرف زبان کے اعتبار سے الگ الگ زبانوں کے مالک ہیں بالکل اس طرح جیسے پاکستان میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن وحدت کے اعتبار سے پاکستانی ایک قوم ہیں۔ چونکہ دونوں قوموں میں فکری، تہذیبی اور ثقافتی یکسانیت بدرجہ اتم موجود ہے اس لئے ان کا فکری اور اسالیبی ذوق و انداز بھی ایک جیسا ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ ان زبانوں کے بولنے والے اسلام پر پختہ یقین کے مالک ہیں اور اسی سرچشمہ نور سے فیضان پاتے آئے ہیں اس لئے حضور اکرم ﷺ کی مدحت و نعت میں ایک جیسے جذبات کا اظہار ان زبانوں کا خاصہ ہے۔

اس سے پہلے کہ بلوچی اور برابھوئی زبانوں میں نبی ﷺ کی نعت کا ذکر ہو یہ ضروری ہے کہ ان زبانوں کی شعری روایات کا حوالہ دیا جائے جو اردو، فارسی کی شعری روایات کے برعکس ہے۔ اردو فارسی زبانوں میں نعت دوسری اصناف سخن کی طرح ایک علیحدہ صنف ہے جبکہ بلوچی برابھوئی میں بالخصوص قدیم شاعری میں نعت کے اشعار لقم کے حصے بنے ہوئے ملتے ہیں۔ جن اصحاب نے قصیدے کو منظرِ غائر دیکھا ہے

یعنی دو جہاں کے سردار محمد عربی ﷺ دو لہان کرد ستار مبارک پر ہیرے لگا کر گھوڑے پر چڑھ کر آئے ہیں۔ ایسے محبوب کو دیکھ کر اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ خوش ہو رہی ہیں۔ عرب کی عورتیں بڑی بڑی ٹولیوں کی صورت میں جمع ہو کر رسول کریم ﷺ کی شادی کے گیت بلند اور خوبصورت آواز میں سن رہی ہیں۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کس طرح سندھی شعراء نے آپ ﷺ کی شادی کے منظر کو پیش کیا ہے۔ جاپور پر یہ ایک مقامی شادی معلوم ہو رہی ہے ایسی لوگ روایات پیش کی گئی ہیں جو صرف سندھ میں ہی پائی جاتی ہیں۔ شاعر لعل محمد کے مولود میں ایک لوگ رسم "لاؤں" کا ذکر ہے۔

لَاؤں لدریوں، تھیزی سچ تیار

اس رسم میں ڈولھا اور دلہن کو آنے سانسے بٹھا کر عزیز واقارب دونوں کے سروں کو آپس میں ملاتے ہیں۔ ٹکریں لگاتے ہیں۔ یہ خالص سندھی لوگ رسم ہے لیکن شاعر نے محبت میں آپ کو اپنا مقامی تصور کر کے یہ رسم ادا کرتے دکھایا ہے۔ اسی طرح اور بھی کافی باتیں ذکر کی گئی ہیں۔

اردو میں آپ ﷺ کی شادی مبارک کو "نعت" کا موضوع بنایا گیا ہے لیکن "مولود" والی خصوصیت یعنی لوگ روایات کا استعمال نہیں ہے چنانچہ اس کو ہم مولود کی منفرد حیثیت کہہ سکتے ہیں۔

حواشی

(۱) بلوچی نبی بخش خان ڈاکٹر "سندھی جامع لغات" سندھی ادبی بورڈ جاکشور، ۱۹۹۰ء، جلد ۵، ص ۵۳۱

(۲) بلوچی نبی بخش خان ڈاکٹر "مولود" (مرتب) سندھی ادبی بورڈ جاکشور، ۱۹۶۰ء، ص ۲۰

(۳) ایضاً ص ۲۰۸

(۴) ایضاً ص ۲۰۲

(۵) ایضاً ص ۲۸۱

(۶) ایضاً ص ۲۹۱

(۷) ایضاً ص ۲۷۷

اور اس کے فنی موضوعات کا ادراک رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ قصیدہ چار عناصر سے مل کر بنتا ہے یعنی مدح، تشبیب، گریز اور مخلصی۔ بلوچی اور برہوئی شعر یعنی نظم کی ہیئت بھی اس سے ملتی جلتی ہے گو کہ ان زبانوں میں خودداری و پندار قصیدہ گوئی کے متحمل نہیں رہے تاہم قدیم اور کلاسیکی دور کی بلوچی برہوئی شاعری ان مذکورہ درجات میں تقسیم ملتی ہے شاعر اپنی نظم کی ابتدا حمدیہ تعالیٰ سے کرتا ہے اس کے فوراً بعد نبی ﷺ کی نعت کے اشعار لاتا ہے یہاں سے وہ خلفائے راشدین کی منقبت کی طرف گریز کرتا ہے ان مراحل کی تکمیل کے بعد اپنا مقصد بیان کرتا ہے۔ موضوعات خواہ جنگی ہوں، رنجی ہوں، واقعاتی ہوں یا خاص علمی اس روایت کا احترام ہر حال میں کیا جاتا ہے۔

بلوچی قدیم شاعری پر تحقیق جاری ہے اس کی چند ایک تاریخی منظومات میں اس روایت کا التزام نہیں ملتا ورنہ بلوچی شاعری میں متوسطین کا دور تو اس کی صحیح تصویر ہے۔ بلوچی میں درمیانی دور کے شعراء چونکہ عربی فارسی مدارس سے فارغ التحصیل تھے اس لئے ان کی زبان اپنے دور کے رنگ میں رنگی ہوئی ملتی ہے۔ وہ اپنے کلام میں عربی فارسی کے الفاظ بے تکلف لاتے ہیں۔ ان شعراء میں ملاً فاضل رند ملاً قاسم، ملاً ابراہیم، ملاً ابو ہریرہ، ملاً عبد اللہ، ملاً بہادر کے نام قابل ذکر ہیں جن کی نعتوں کے اشعار بالترتیب پیش خدمت ہیں ملاً فاضل اپنے دیوان کی پہلی نظم میں اس طرح ابتدا کرتے ہیں۔

ترجمہ :

میں کہ سبحان احمدی اسرئی سے ابتدا کرتا ہوں

اپنی زبان سے اس ذات پاک کے لئے موتی رولتا ہوں

نبیؐ جو انبیاء کا سردار ہے اس پر درود

سو بار درود اور سلام بھیجتا ہوں

ملاً ابراہیم کا موضوع جنگی اور واقعاتی شاعری رہا ہے انہوں نے طویل اسلامی جنگ نامے نظم

کئے ہیں لیکن ہر نظم میں انہوں نے بھی اللہ جل شانہ کی حمد، سرور کائنات کی نعت سے آغاز کیا ہے۔ ان نعتوں میں شامل ان کی رحمت للعالمین کے لئے دلی محبت واضح نظر آتی ہے۔

ترجمہ :

میں ہر سحر خدا تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں

وہ خدا جو پالنے والا ہے پیدا کئے ہوؤں کا

تو کریم ہے ذوالجلال ہے کبریا ہے

مجھ سے میری یہ دعا قبول فرما

ہر رنج و بلا سے مجھے محفوظ رکھ
حق یاسین، طاہر جو نبی کریم کے القاب ہیں
میں محمد مصطفیٰ کی نعت کا ورد کرتا ہوں
اور بے حساب درود پیش کرتا ہوں

ملاً بہرام کی نعت میں بھی یہی جذبہ آسمانی کار فرما ہے۔ وہ جنگ نامہ حضرت ابراہیمؑ میں کرتے ہوئے اس طرح ابتدا کرتے ہیں۔

ترجمہ :

قُلْ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

پاک رہنم اللہ تو کہ ہے رخصن الرحیم

یا الہی تو ہر روز کی شفا حشا ہے

میں ازل کے بادشاہ سے ایمان کی سلامتی کا طالب ہوں

اس کے بعد نعت سید المراد کرتا ہوں

مدح و اوصاف خلفائے راشدین بیان کرتا ہوں

بلوچی میں نعت کا یہ انداز بہت سے شاعروں نے اپنایا ہے۔ لیکن درمیانی دور میں چند ایسے

شعراء گزرے ہیں جن کا انداز متوسطین، معاصر شعراء سے مختلف ہے۔ ان میں اٹھارویں صدی کا ملک

الشعراء جام درک جس طرح منفرد شاعری کا بانی ہے اسی طرح نعت بھی اس نے رمز و ایجاز کی زبان میں کہی

ہے۔ جام درک ازراہ ادب سرور کونین کا اسم گرامی درمیان میں نہیں لاتا صرف اپنے میان کے ذریعے

اظہار عقیدت کرتا ہے۔

ترجمہ :

ستائش کا سزاوار ہے چاند جیسی جبین والا

سرحد کا نازک ترین محبوب

جو پھولوں سے بڑھ کر نازک ہے

نہ صرف نازک ہے بلکہ بادِ قار بھی ہے

ہم بے وفا ہیں بالیقین کب اس کی ستائش کے قابل

مہربانی کی ہم پر نظر فرما

محبوب جو ناز لور فر سلطان کا مالک ہے

وہ بلاشبہ بادشاہ ہے

تمام بشر کا آغاز اسی سے ہے
 بلوچی شعراء میں مست تو کئی ایک خدا سیدہ صوفی شاعر خیال کئے جاتے ہیں ہر چند کہ جذب و
 مستی طاری رہی ہے مگر توحید و رسالت سے عاری نہیں مست تو کئی کی نعت میں جامی اور قدسی کا سوز ساز پایا
 جاتا ہے۔

ترجمہ :

اے کریم اور سخی بنانے والے 'ستار العیوب
 اپنی خشکوں سے ہم پر رحمت فرما
 تیرے محبوب کے وصل میں بچے راز پنہاں تھے
 وہ محمد ﷺ کہ صداقت میں شیر صفت تھے
 جس کے سر پر نوری طلائی تاج ہے جو سخاوت میں یکتا ہے
 ہمیں تیرے پر نور دیدار کی طلب ہے
 قیامت کے دن ہمیں اپنے دیدار سے نواز

بلوچی کلاسیکی دور کے آخری شاعر ابراہیم جو انسال بگٹی ہیں جن کا پورا کلام اسلامی تعلیمات کا
 بیان ہے جو منکرات سے روکتا ہے اور عبادات کی تلقین کرتا ہے۔ بلوچوں کی جو انسال مرثیہ تعلیم سے بہرہ ور
 نہیں ہو لیکن اس کا وجدان حقیقی اسلامی معاشرے اور صحت مند عمل کو نہایت آسانی سے ذہن نشین کراتا
 ہے جو انسال کی نعت نبی اکرم ﷺ سے دلی محبت کی منظر ہے۔

ترجمہ : محمد ﷺ آپ پر سایہ سر تاج ہے

محمد ﷺ قدرت کا معجزہ ہے

محمد ﷺ دکھ اور درد کی دوا ہے

محمد ﷺ! ہم بہت بلائے گناہگار ہیں

محمد ﷺ! ہمیں آپ کا امید اور سارا چاہئے

محمد ﷺ! حشر کی گھڑی میں مدد فرمائیے

محمد ﷺ! اس روز سورج کی شدت سے چھائیے

محمد ﷺ! اس روز خدا خود قاضی ہوگا

محمد ﷺ! اس روز حقیقی انصاف ہوگا

محمد ﷺ! ہماری نگاہیں آپ کی مٹلاشی ہوں گی

محمد ﷺ! آپ آراستہ کی دھکیری فرمائیں
 محمد ﷺ! آپ ہی امت کے رہنما بن جائیں
 محمد ﷺ! آپ ہماری آنکھوں کا نور ہیں
 محمد ﷺ! آپ منظر نور ہدایت ہیں

جو آپ ﷺ کو نہ مانے وہ ایمان سے تھی ہے

میری جان آپ ﷺ پر فدا ہو

آپ ﷺ کا حامی و ناصر خود خدا ہے

آپ ﷺ خدا کے محبوب نور انور ہیں

عرش پر دو ہی نام ہیں خدا کا آپ ﷺ کا

کوئی عظمت میں آپ ﷺ کے برابر نہیں

آپ ﷺ دلوں کے سردار اور خشک اور پھوار ہیں

براہوئی بلوچستان کی قدیم ترین زبانوں میں سے ہے۔ اسے شرقیہ کے ماہرین کے مطابق
 "خدمت" کے نام سے اس زبان میں پہلی تالیف تیرہویں صدی عیسوی میں لکھی گئی۔ اس علاقے میں
 تعلیم کی کمی کی وجہ سے براہوئی زبان میں تخلیقی سرگرمیاں صرف لوک ادب تک محدود ہیں جو سینہ بہ سینہ
 منتقل ہوتی آئیں تاہم انگریزوں کی عملداری میں جیسے کے ان کی روایت رہی کہ جس علاقے میں وہ قائل
 ہوئے وہاں مشنری سرگرمیوں کو فروغ دیا کرتے بلوچستان میں بھی ایسی سرگرمیوں کی روک تھام کی سہمی
 نے براہوئی کے شعری ادب کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا اور مذہب سے مرگشتہ کرنے والوں کے مقابلے
 میں بلوچستان کے علماء اور صوفیاء آگے آئے اور اپنی شعری تصانیف و تالیف کے ذریعے انگریزی حروں کا توڑ
 کیا۔ ان علماء صوفیاء اور شعراء کی فہرست میں بہت سی نامور ہستیوں کے نام آتے ہیں جن میں علامہ محمد
 قاضی درخانی، مولانا عبدالحی، حاجی تاج جان، مولانا عبدالمجید، حضرت علامہ محمد عمر دستوری، حاجی گل محمد اور
 مشہور صوفی شاعر تاج محمد تاجل نے براہوئی شعری ادب کی آبیاری کی۔ ان بزرگوں نے اسلام کی حقانیت
 کے اظہار کے لئے عام فہم زبان میں شعر و سخن کے ذریعے دینی امور کی تشریح اور ہندو موہلت پر بہت بڑا
 سرمایہ زبان کو دیا۔ یہ تمام کتب مرد لیاہ سے اب نایاب ہیں لیکن موجودہ دور کے محققین نے عوام کی زبانی سن
 کر یا مختلف ذریعوں سے تلاش و جستجو کر کے ان کے حوالے دیئے ہیں۔

براہوئی زبان نے البتہ شعری تخلیقات میں بلوچی شاعری کی قدیم روایت سے ہٹ کر عربی اور
 فارسی کی تقلید میں حمد، نعت، مناقب اور غزل کے علاوہ عتیقہ، عنوانات قائم کئے ہیں۔ قدیم شعری

چونکہ پیش نظر نہیں اس لئے دستیاب حوالوں کی حد تک یہ کہا جاسکتا ہے کہ براہوئی میں نعت کا انداز بھی تقریباً وہی ہے جو فارسی میں شعراء کے سامنے پہلے سے موجود تھا۔ اس میں یہ عنوان سے صرف نظر کریں بھی تو غزل کے اشعار میں ایسے مضامین اور مطالب ملتے ہیں جو سرور کائنات حضرت محمد ﷺ کی محبت اور اور آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ پر دلالت کرتے ہیں۔ علامہ محمد عمر دین پوری کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

ترجمہ :

میں محبوب کی حسن بے مثال کا عاشق ہوں
آپ ﷺ کے در کی خاک میری آنکھوں کا سرمہ ہے
میں تو ایک نظر دیکھ کر ہی ہوش گنوا بیٹھا
اس کی کیا حالت ہو گی جو ہموار نظارہ دید کرے

حاجی عبدالجید چوتوی کی نعت صرف مدحت تک محدود نہیں بلکہ وہ تعلیمات اسلامی کا اعادہ کرتے ہوئے مسلمانوں کو سطحی نظریات سے بچاتے ہوئے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور علم کو عمل سے مشروط قرار دیتے ہیں۔

ترجمہ :

(اے مسلمان) خدا نے تجھے علم عطا فرمایا ہے عمل صالح کر
تا کہ خداوند تعالیٰ اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تم سے خوش ہوں
یہ علم نبی ﷺ کی وراثت ہے جو تم تک پہنچا ہے
اس سے فیض پا کر سنگ پارس کی مانند ہو جا

یہ توچیدہ چیدہ اشعار تھے۔ براہوئی زبان کے بہت سے شعراء کے ہاں نعت کے اشعار اسی انداز میں ملتے ہیں جو موجودہ دور کی روایت کے مطابق ہیں۔ حاجی گل محمد کی کتاب ”تذکرۃ الفقراء“ میں حمد باری تعالیٰ کے بعد نعت رسول ۱۲۵ اشعار پر مشتمل ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف چند اشعار کے حوالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ترجمہ :

خداوند! مجھے دانائی عطا فرماتا کہ میں تیرے رسول کی شاکر ہوں
مجھے اس بات کی تمنا ہے کہ میں محمد ﷺ پر قربان ہو جاؤں
خدا تعالیٰ نے آپ کو پیدا کیا آپ کی شان اس طرح بیان فرمائی
کہ یہ ساری خدائی محمد ﷺ کی خاطر پیدا کی ہے
مجھ میں یہ قدرت کہاں کہ محمد ﷺ کی ستائش کروں

جو سر تاج مرسلین ہے اور جس کی شان بہت بلند ہے

علامہ ابو جان اپنے وقت کے جید علمائے دین میں سے ہیں آپ کی دینی خدمات کا دائرہ تقاضا بیان میں نہیں آتا۔ آپ کی نعت کے یہ اشعار بلوچستان کے عوام نے اب تک حذر جہاں کیے ہیں۔

ترجمہ :

محمد ﷺ نبی کی تشریف آوری ہے ہمیں رہنمائی ملنے کو ہے
امر و نہی کے سلسلے میں ہمیں نبی ﷺ کی پیروی کرنی چاہئے
جو مسلمان ہونے کا مدعی ہے وہ دین کی طرف آئے
محمد ﷺ ہمارے دل و جان ہیں ہمیں نبی کی پیروی کرنی چاہئے

براہوئی شاعری میں تاج محمد تاہل کا مقام اس زبان کے دوسرے شعراء سے بہت بلند ہے۔ تاہل کے تذکرہ نگاروں نے براہوئی شاعری میں اسے سندھ کے عبداللطیف بہٹائی ”سرائیکی کے کچل سر مست“ پنجابی کے حضرت تھے شاہ اور پشتو میں رحمان بیلا کے پائے کا شاعر لکھا ہے۔ اگر اس میں مبالغہ بھی کیا گیا ہو تب بھی یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ تاج محمد تاہل اپنے علاقہ میں ان عظیم صوتی شعراء کی طرح مقبول ہیں جن کا کلام زبان زد عوام ہے۔ تاہل کا میدان طبع چونکہ تصوف کی طرف ہے اور تصوف عبارت ہے توحید و رسالت سے کہ اس کے بغیر تصوف میں معرفت کا رنگ نہیں آسکتا بلکہ میں تاہل کی شاعری میں سوز و گداز، رموز و اسرار اور صداقت کی صدا واضح طور پر سنائی دیتی ہے۔ تاہل کی نعت میں رحمت للعالمین ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر جمیل :

ترجمہ :

ہمیں اپنے مولا سے سدا عشق ہے صدا شکر تیرا مولا
محمد الرسول اللہ آپ کا محبوب گل خوش رنگ
حضرت حسن گلاب کا پھول حضرت حسین ہمارا جد امجد
خاتون جنت بلو قار علی کو لقب سر تاج
ابو بکر صدیق تصدیق اور حضرت عمرؓ مثل لعل درخشاں
حضرت عفاۃ سخوت میں لاہوت علیؓ نسب میں اعلیٰ
سحر کہ غوث اعظم کی یاد حیا روزی اور اولاد
اول و آخر آبادی ہماری طلب ہے
فقیر تاہل کا دلیہ مبرد شکر ہے باطن میں محمد ﷺ
جو ہمارا مربی شانی اور روز شب درد

سریش بھٹ کی ایک مراٹھی نعت کا تجزیہ

”ورفعنا لک ذکرک“ کی صدا قرآن حکیم نے جب سے لگائی ہے اللہ کے پیارے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چار دہائیوں کے عالم میں ہر زمانے اور ہر زبان میں ہو رہا ہے۔ یورپین ممالک کی ترقی یافتہ زبانوں سے لے کر افریقہ اور ایشیائی بعض غیر متدن اقوام کی غیر ترقی یافتہ بولیوں تک میں اللہ کے رسول کا ذکر نہایت والمانہ و عقیدت مندانہ انداز میں کیا جا رہا ہے۔ کہیں لڑائیوں میں ”محمد رسول اللہ“ کی گونج ہے تو کہیں اور اوداؤں کا کار میں نام رسول ورد زبان ہے۔ کہیں محافل و جدوسماع میں ذکر رسول پر سر دھنے جا رہے ہیں تو کہیں میاؤں کے جلسوں میں مدحت حبیب ہو رہی ہے۔ تسبیحات میں درود و صلوة کا ورد ہو رہا ہے تو نمازوں میں صلوة و سلام پڑھے جا رہے ہیں۔ غرض کہ ذکر حبیب مخلوق میں بھی ہے کاشانوں میں بھی۔ خانقاہوں میں اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کا ذکر ہے تو مدارس میں قال اللہ و قال الرسول کی صدا دشت و صحراؤں میں اسی کی بازگشت ہے تو گلزاروں اور کشتزاروں میں بھی اس کی پکار۔ یاد رسول پہاڑوں پر بھی ہو رہی ہے تو میدانوں میں بھی۔ سمندروں کے سینوں پر بھی انسان ذکر رسول میں رطب اللسان ہے تو بیابانوں میں ہواؤں کے دوش پر بھی رسول کی یادوں کا انبساط اور روح کی نشاط۔ اور ہمارا تو یہ عقیدہ ہے کہ نضاؤں سے پرے خلاؤں سے آگے فلک الافلاک سے بہت اوپر اللہ کے عرش پر بھی یاد رسول میں صلوة و سلام کا آواز بلند رہتا ہے۔

برصغیر میں اردو ہندی کے بعد آریں زبانوں میں مراٹھی ترقی یافتہ زبان سمجھی جاتی ہے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ شروع ہی سے یہ زبان ادب بالراست عرب کلچر و زبان سے متاثر ہوئے ہیں۔ چنانچہ بھارت کی صوبائی زبانوں میں مراٹھی ہی ایک ایسی زبان ہے جس میں عربی فارسی کے ذخیل الفاظ اس کے اپنے ذخیرہ الفاظ سے زیادہ ہیں۔ وہ اصناف ادب جو خالصتاً مسلم ادبی کلچر کے مرہون احسان رہے ہیں مراٹھی زبان نے ان میں سے بعض کو جوں کاتوں قبول کر لیا ہے یہی وجہ ہے کہ حمد و نعت اور سلام و مرثیہ جیسی خالص مذہبی اصناف سخن بھی مراٹھی میں ملتی ہیں۔ بھارت کے دیگر صوبوں کے بالقابل مہاراشٹر میں ہندو مسلم

قوموں کا باہمی ربط اور آپسی بھائی چارہ سماجی سطح پر کچھ زیادہ ہی رہا ہے اور اس کے تاریخی شواہد آٹھویں صدی عیسوی سے ملتے ہیں۔ یہاں کے راشٹر کوٹہ خاندان کے بادشاہ (دلہہ رائے گووند سوم ۷۹۳ء۔ ۸۱۳ء اور اموگھ ورشا ۸۱۳ء۔ ۸۷۷ء) مسلمانوں کے شرعی احکام کی جا آوری کے لئے مسلمان قاضی (جنہیں مقامی زبان میں ”ہنرمین کہا جاتا تھا) اپنے درباروں میں رکھتے تھے اور بادشاہان کے فیصلوں پر نکیہ کرتا تھا۔ یہاں ان تاریخی حقائق کو پیش کرنے کا عمل نہیں ہے۔ میری کتاب ”اردو۔ مراٹھی کے تہذیبی رشتے“ میں اس پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ بہر کیف اس رولہا باہمی کے دور رس اور خوش گوار اثرات اردو۔ مراٹھی ہر دو ادب و زبان پر بھی مرتب ہوئے چنانچہ مراٹھی ادب میں نعت کا جو سرمایہ ہے اس کے لئے انہی نقوش مراٹھی کے سنت شاعر ایکناتھ مہاراج (پ ۱۵۳۳ء) کے یہاں ملتے ہیں۔ انہوں نے نعت رسول لکھ کر اپنی عقیدت کو آپ کی ذات سے دلالت کر لیا ہے۔ اس نعت کا خاص وصف یہ ہے کہ یہ کسی ہندو شاعر کی لکھی ہوئی پہلی نعت ہے۔ جس میں شاعر نے رام۔ کرشن اور محمد ﷺ کی تثلیث میں غیر متفصل سلسلہ کو تلاش کر کے ان کا نقطہ اتصال محمد کی ذات میں ڈھونڈا ہے۔ ایکناتھ کے بعد ہندو سنتوں کا طویل سلسلہ ہے جو عمر حاضر کے کلہوجی مہاراج تک پہنچتا ہے۔ اس سلسلے کے کئی شعراء ہیں جنہوں نے مراٹھی میں نعتیں لکھی ہیں یا اپنے مراٹھی اشعار میں حضور سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے لیکن غیر صوتی سنتوں میں سریش بھٹ دور جدید کے ایسے مراٹھی شاعر ہیں جنہوں نے نئے نئے شعر گہن نہیں بلکہ عقیدت نعت رسول لکھی ہے۔ نور احمد میرٹھی کی مرتبہ کتاب ”بہر زمان بہر زبان“ میں یہ نعت اور اس کا اردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے۔ سریش بھٹ مراٹھی کے مشہور ادیب شاعر کالم نویس اور ایک اچھے مقرر ہیں۔ اردو غزل کی روح کو انہوں نے مراٹھی غزلوں میں اتارا ہے بلکہ یوں کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مراٹھی میں صحیح طور پر غزل کو تحارف کرانے والے یہ مراٹھی کے پہلے شاعر ہیں۔ ”یلفار“ ان کی مراٹھی غزلوں کا مجموعہ ہے۔ جیادوی طور پر یہ مراٹھی غزل کے شاعر ہیں لیکن نظمیں بھی کہہ لیتے ہیں۔ ان کی کالم نویسی میں بلا کی روانی اور طنز کے چبھتے نشتر ہوتے ہیں۔ وہ اگرچہ بہن نژاد ہیں لیکن اقلیتوں، ذلتوں اور اچھوتوں کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں۔ ذیل میں ان کی مراٹھی نعت کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔

نعت شریف (مراٹھی)

اجاڑ دیران داڑ دنٹی کھڑ اڑنارا جھرا محمد

جگات لیا دین دکھتا نچا اکھیر چا آرا محمد

اتاج ڈوڑے پوسنی جھالے اتاج می لا گھو بسلیا

اتاج ہا بیٹلا جیواچا سکھا ملاہ سرا محمد

کھرچ تو چند امرتا چا کھرچ تو سورہ حیوانا چا
دشا دشانا پرکاش نارا دے تو جھا چرا محمد

تھیا گھراچی طرح نیاری سان شرمنا دابھکاری
تھیا گھری دے اتا مایا لمان سا کوپرا محمد

جسے تجھے ناؤ کھیے ی تھیا دیے چاگندھ آلا
اجون ہی انترات ماتھیا پھلے تھیا موگرا محمد

بھلے برے پاپیلے کتی ی کتی کھرے ان کتیک کھوٹے
بھلیات ماجھا بھلا محمد کھریات ماجھا کھرا محمد
(سریش بھٹ)

شعری حسن سے عاری لیکن نفس مضمون سے قریب میں نے اس کا منظوم ترجمہ کیا ہے تاکہ
مراٹھی زبان کالب دلجو بکھنے میں دشواری نہ ہو۔

اجاڑ دیران ریگ زاروں میں ”چشمہ بہتا“ ہوا محمد
جمال کے سارے ہی بے ساروں کا آخری امر محمد

ابھی ابھی اشک میں نے پونچھے ابھی ابھی ہنسنے میں لگا ہوں
مجھے ملا جو یہ خندہ برب عزیز از جاں مرا محمد

تو چاند امرت کا ہے یقیناً تو آفتاب حیات بھی ہے
جمال کو ہر سو کرے ہے روشن رخ منور ترا محمد

ترے مکال کی ہے ریت نیاری ہیں سب برابر غنی بھکاری
ترے ہی گھر کا ذرا سا گوشہ مجھے بھی کر دے عطا محمد

زباں پہ تیرا جو نام آیا نفس نفس ہو گیا معطر
ابھی بھی تیرے کرم کا دل میں کھلا ہے اک موگرا محمد

بھلے برے کتنے میں نے دیکھے ہیں کتنے بچے ہیں کتنے جھوٹے
بھلوں میں لیکن بھلا محمد کھروں میں میرا کھرا محمد

(سید یحییٰ اشیلہ)

سریش بھٹ نے نعت کے مطلع میں ”اجاڑ دیران واژونٹ“ کی ترکیب استعمال کی ہے۔ اس کے
معنی ہوتے ہیں ”اجاڑ دیران ریگستان“ یہ ترکیب استعمال کر کے شاعر نے رسالت محمدی کے سلسلہ کو سلسلہ
ابراہیمی علیہ السلام سے جوڑا ہے۔ دور ابراہیم کے مکہ کے لئے قرآن نے ”وادئ غیر ذی زرع“ کی اصطلاح

استعمال کی ہے۔ جسے ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بچوں سے اٹنے والے
چشمہ زمزم نے ”پھلدار“ بنا دیا تھا۔ ہزاروں برس بعد کی زمین جب مولد نبی بنی تو اخلاقی کرکٹ اور شرع
ابراہیمی سے غفلت کا صحرا بنی ہوئی تھی۔ لیکن باہت رسول اس سنگارخ وادی میں چشمہ آب حیات ہوئی۔
جس نے زمین انسانیت کو سیراب کر کے گلزار بنا دیا۔

سریش بھٹ نے آپ کی ذات کے لئے ”کھراڑ ناراجھرا“ کا استعارہ استعمال کیا ہے جس کے
اردو معنی ”بہتا جھرنّا“ یا ”آب جوئے رواں“ ہوتے ہیں۔ آپ کے لئے یہ استعارہ اگرچہ قرآن و احادیث میں
مذکور نہیں لیکن یہ نیا اور نو کھابھی نہیں ہے۔ عربی شاعری میں اسے برتا گیا ہے لیکن جتنا واضح کہنے اور علامہ
اقبال کے یہاں یہ استعارہ مستعمل ہے اتنا عربی شاعری میں نہیں۔ چودھویں صدی عیسوی کے عربی شاعر
جلال الدین لسی کی نعتوں میں ہمیں اس استعارے کے قریب المعنی تراکیب ملتی ہیں۔ انہوں نے آپ کو ایک جگہ
”البحر فی ریم“ (سختوں میں دریا) کہا ہے۔

کالبدری فی شمیم والبحر فی ریم
والزهر فی نعم والدر فی تقم

یعنی آپ اخلاق میں چودھویں کا چاند ”سختوں میں دریا“ احسان بخشی میں پھول اور حق کی
حمایت میں سخت ہیں۔

ابن چچہ الجموی (م ۸۳۹ھ) نے اپنے ”بدیعیہ“ میں آپ کی مدحت سرائی کرتے ہوئے کہا ہے۔

وجزتم بوادئ الجزع فاخضر والتوی
علی خدہ بالینت صدغ منمنم

یعنی آپ جب وادی جزع سے گزرے تو وہ سرسبز ہو گئی اور اس درجہ سرسبز ہو گئی کہ اس وادی
کی پیشانی کا کنارہ لال بوٹے سے بھرا ہوا اس کے چہرے کی روئیدگی سے لپٹ گیا۔ مذکورہ شعر میں آئے
ہوئے استعارہ کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی اپنی کتاب ”عربی میں نعتیہ کلام“ میں
رقطر از ہیں:

”اس استعارہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ جس وادی سے گزرے وہ اگرچہ خشک صحرا
کے مانند تھی مگر آپ کے قدم کی بدولت سرسبز و شاداب ہو گئی۔“

الجموی کے اس نعتیہ شعر میں اگرچہ دریا/بحر کا کوئی قرینہ نہیں لیکن شعر کے مفہوم سے ذہن
میں ”بکتے دریا“ ہی کا تصور متحضر ہوتا ہے۔ اسی بدیعیہ میں ایک جگہ آپ کو شاعر نے ”اے سرچشمہ پاک“
کہہ کر بھی مخاطب کیا ہے۔ عربی کے ایک شاعر شیخ عبدالرحیم البرہی نے اپنے ”قصیدہ تمجید“ میں حضور کو
”متنوع بحر“ سے تشبیہ دی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔

عربی کے یہ تمام استعارے و تشبیہات "کھڑاڑا جھرا" کے قریب المعنی میں استعمال ہوئے ہیں لیکن جرمن شاعر گوٹے (م ۱۸۳۲ء) نے عین اسی مفہوم کا استعارہ اپنی نظم "Mahomet's Ge Sang" میں استعمال کیا ہے۔ وہ حضور کو "Rock Born Stream" (جوئے آب) کہتا ہے جو "کھڑاڑا جھرا" کی ہو بہو ترکیب ہے۔ دو علاحدہ تہذیب و زبانوں کے استعاروں میں اتنی مطابقت دونوں شعراء کے فکری انسلاک اور حضور سے رکھی جانے والی عقیدت میں یکسانیت کی مظہر ہے۔

"کھڑاڑا جھرا" "بحر متعوج" "سر چشمہ پاک" "جوئے آب" اور "Rock Born Stream" یہ سارے استعارے "علامت حیات" ہیں۔ قرآن حکیم میں جہاں بھی حیات انسانی کی تفصیل آئی ہے پانی کا ذکر ضرور ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں کہا گیا ہے:

"وَاِذَا سْتَقِفُ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا ضَرْبٌۢ بِعَصَاكَ الْحَجْرِ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ ثِنْتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اِنْسَانٍۭ مَّشْرَبِهٖمْ" (آیت ۶۰)

یعنی یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعاء کی تو ہم نے کہا کہ فلاں چٹان پر عصا مارو چنانچہ اس سے بارہ چشمے چھوٹے اور ہر قبیلے نے جان لیا کہ کونسی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے۔ اس کے علاوہ قرآن میں بعض جگہ پانی کا ذکر زندگی کی علامت کے طور پر بھی ہوا ہے۔ طبی تحقیق کی رو سے بھی پانی حیاتی عنصر ہے۔ جسمانی خلیوں میں جس کا وجود زندگی کا ضامن ہے۔ جغرافیہ ریگستان میں پانی کو "زندگی" کے معنی میں گردانتا ہے۔ پس یہ ساری قرآنی، علمی، سائنسی، طبی اور جغرافیائی مثالیں پانی کے "مظہر حیات" ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ قرآن میں پانی کو "رحمت" سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا بیش بہا عطیہ قرار دیا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ اس کا چھین لیا جانا سخت محرومی ہی نہیں زندگی کے چھین لئے جانے کے مترادف ہے۔

ان تمام شواہد کی روشنی میں سریش بھٹ کا آپ کی ذات بلذکات کو ریگستان میں "کھڑاڑا جھرا" کہنا یا معنی خیز بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ استعارہ ایک طرف زندگی کی علامت ہے۔ اس معنی میں اس استعارہ کا صریح مطلب ہو گا کہ آپ کی ذات کائنات کی زندگی سے عبارت ہے کہ آپ نہ ہوتے تو یہ کائنات وجود میں نہ لائی جاتی۔ "لولاک لما خلقت الافلاک" کا قول فیصل اس پر دال ہے۔ دوسری طرف "کھڑاڑا جھرا" (سبل رواں) یعنی بہتا پانی "رحمت" بھی ہے۔ اس معنی میں آپ کو شاعر "رحمت" تصور کرتا ہے۔ قرآن نے ان ہی معنوں میں آپ کو "رحمت اللعالمین" کہا ہے۔ تیسری طرف "کھڑاڑا جھرا" حرکی قوت کی تمثیل ہے۔ اس معنی میں آپ کی ذات سراپا عمل اور عوام الناس کے لئے نمونہ عمل ہے۔ اس

طرح سریش بھٹ کی نعت کے مصرع لونی کی ایک ترکیب لفظی میں انسلالات معنی کا ایک مراد اور وسیع سلسلہ ملتا ہے۔

اسی شعر کے مصرع حالی میں شاعر نے آپ کی ذات کو دنیا کے مظلوموں اور ناداروں کا "آسرا" کہا ہے۔ اس سے دونوں مصرعوں میں بوالطیف رہا قائم ہو گیا ہے۔ اردو میں مولانا الطاف حسین حالی نے ایک نعتیہ نظم (مسدس) میں آپ کی اس صفت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

وہ نیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا وہ اپنے پرانے کا نم کھانے والا
فقیروں کا بجا ضعیفوں کا بلائی
قیموں کا دالی غلاموں کا مولا

ان چھ مصارع میں جن اوصاف محمدی کا ذکر ہوا ہے سریش بھٹ کی نعت کے ایک مصرع میں وہ تمام مفہوم سمویا ہوا ہے۔ عربی شاعری میں آپ کے چچا ابو طالب کے چند مدحیہ اشعار ملتے ہیں۔ "سیرۃ النبی" لکن ہشام میں آپ کی توصیف بیانی میں ابو طالب کا یہ شعر نقل ہوا ہے۔

وابيض يستسقى انعمام بوجه شمال اليتامى عصمة للارمل
یعنی وہ روشن اور تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ قیوموں کے والی اور بیواؤں کے سر پناہ ہیں۔ حالی اور ابو طالب نے آپ کو قیوموں / ناداروں اور بیواؤں کو "سارا دینے والا" کہا ہے جبکہ سریش بھٹ نے آپ کی "صفت" کو "اسم" میں بدل دیا ہے۔ یعنی آپ سارا دینے والے ہی نہیں بلکہ خود "آسرا" ہیں۔ انگریزی گرامر کے جاننے والے ایسے جملوں کی شدت معنی کو خوب سمجھتے ہیں۔ اس نعت کے دوسرے شعر کا تعلق مطلع کے مصرع حالی سے جوڑا جاسکتا ہے۔ اس ترکیب سے دوسرے شعر کے معنی از خود کھلنے لگتے ہیں۔

نعت بذا کے تیسرے شعر میں خالفتا ہندی اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں۔ یعنی "چندرا مر تا چا" (مہ آب حیات) اور "سوریہ جیونا چا" (آفتاب حیات)۔ ہندو اسطور میں سورج منبع حیات سمجھا گیا ہے۔ "گاہتری منتر" میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ اقبال نے اس منتر کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے۔ اس معنی میں سریش بھٹ آپ کو "سوریہ جیونا چا" کہہ کر منبع حیات تسلیم کر رہے ہیں۔ اسلامی فکر بھی ایک حدیث کی رو سے آپ کو منبع حیات تسلیم کرتی ہے۔ چنانچہ صاحب مشکوٰۃ نے ایک حدیث نقل کی ہے "کنفت نبیبا والادم بین الماء، والطين" یعنی میں نبی تھا جب آدم پانی اور گارے کے درمیان تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی تخلیق آدم سے قبل موجود تھے۔ گویا آپ منبع انسانیت و مبداء حیات ہیں۔ اس پر دال لولاک لما خلقت الافلاک بھی ہے کہ اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو یہ کائنات وجود میں نہ لائی

جاتی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی ذات وجہ تخلیق کائنات ہے۔ مولانا جاتی نے اسی خیال کی ترجمانی اپنی ایک نعت میں اس طرح کی ہے۔

جنش اول ز محیط قدم سلسلہ جنباں وجود از عدم
مطلع دیباچہ ایں اجدت پیشتریں حرف کہ در احمدت
نقطہ وحدۃ چو قد افراختہ از پے احمد الے ساختہ
صدر نشین اوست دریں بارگاہ "نعت نبیا" بود اورا گواہ
درج بالا نعت میں جاتی کے استعمال کئے ہوئے القاب (جنش اول، مطلع دیباچہ، اجد الف احمد اور صدر نشین بارگاہ) آپ کے وجود اول ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ دوسری طرف چاند اور سورج "نور" کی علامت ہیں۔ قرآن حکیم میں آپ کی ایک صفت نور بھی بتائی گئی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے قد جاءکم من اللہ نور (المائدہ آیت ۱۹) یعنی بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور آیا۔ دوسری جگہ آپ کو "سراج منیر" کہا گیا ہے۔ عقائد اسلامیہ کی کتب میں بعض قول ایسے نقل ہوئے ہیں جن میں آپ کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے۔ صاحب "روح البیان" نقل فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نے حضرت جبرئیل سے دریافت فرمایا "اے جبرئیل! تمہاری عمر کتنی ہے؟" تو جبرئیل نے عرض کیا حضور مجھے کچھ خبر نہیں۔ ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ان فی الحجاب الرابع نجما یطلع فی کل سبعین الف سنة طره راینه اثنتین و سبعین الف مرة۔ یعنی چوتھے جناب میں ایک تارہ ستر ہزار برس کے بعد ایک مرتبہ چمکتا ہے میں نے اسے بہتر ہزار مرتبہ چمکتے دیکھا ہے۔ حضور نے یہ سن کر فرمایا وعزۃ ربی انا ذالک الکوکب یعنی میرے رب کی عزت کی قسم میں ہی وہ تارا ہوں۔ حضور کے نور ہونے پر دلالت کرنے والی ایک روایت "دلائل الہی نعیم" اور طبقات ابن سعد کے حوالے سے مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اپنی کتاب "سیرۃ المصطفیٰ" میں نقل کی ہے:

"حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب عبدالمطلب اپنے فرزند عبد اللہ کو نکاح کے لئے لے کر چلے تو راستہ میں ایک یودی عورت کا گزر ہوا جس کا نام فاطمہ بنت مرقدہ۔ حضرت عبد اللہ کے چہرے میں نور نبوت دیکھ کر اس نے حضرت عبد اللہ کو اپنی طرف مائلت کرنا چاہا لیکن ارکتاب حرام کی طرف آپ مائل نہ ہوئے۔ واپسی پر پھر اس عورت پر گزر ہوا تو اس عورت نے کہا واللہ! میں کوئی بدکار عورت نہیں۔ تمہارے چہرے میں نور نبوت دیکھ کر میں چاہ رہی تھی کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے لیکن اللہ نے جہاں چاہا وہاں اس نور کو ودیعت رکھا۔"

یہ تو نصوص و احادیث کے حوالے ہیں لیکن بعض عرفی شعراء نے آپ کے چہرہ انور کی مدحت سرائی کچھ اس انداز سے کی ہے گویا آپ سر لپا نور ہیں۔ چنانچہ حضرت کعب بن مالک نے غزوہ احد کے موقع پر ایک قصیدہ آپ کی شان مبارکہ میں کہا تھا اس کا ایک شعر یہ ہے۔

فینا الرسول شہاب ثم یتبعہ
نور معنی له فضل علی الشہب

(ہمارے درمیان اللہ کے رسول ایک درخشندہ ستارے کے مانند ہیں جس سے روشنی کی ایک لوتختی ہے جو سب کو روشن کر دیتی ہے اور دوسرے تمام ستاروں کو روشنی بخشتی ہے۔)

ایک دوسرے عرفی شاعر نے کہا ہے۔

علیک صلوة اللہ یا خیر من تلا
وہاد بنور اللہ فی الشرق والغرب

(آپ پر ہزاروں صلوة و سلام اے حمادی اعظم اے مشرق و مغرب میں اجالا پھیلانے والے)

عرفی کے علاوہ فارسی اردو میں بھی آپ کی صفت نور کو شعراء نے مختلف رنگ اور عجیب عجیب ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ ان شعراء نے نعتیہ شاعری میں "نور نامہ" کی ایک الگ صنف ہی قائم کر لی ہے اور اس پر طبع آزمائی کر کے ضخیم "نور نامے" ترتیب دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ نور کو موضوع بنا کر مختلف طریقوں سے اشعار بھی لکھے ہیں جن میں سے بعض تو ضرب المثل بن گئے ہیں۔ غرض کہ آنحضرت کی مدح سرائی میں یہی ایک ایسا موضوع ہے جس کے مختلف گوشوں میں الگ الگ رنگ بھر کے قوس قزح ستواری جاسکتی ہے۔ سریش بھٹ نے بھی عقیدت کی نظر سے آپ کے نورانی حسن کو دیکھا ہے اور فرط محبت میں اشعار کے ذریعہ اس کا ہر ملاحظہ کر دیا ہے۔ چراغ دیر اور شمع حرم کی تابانی میں انہوں نے ایک ہی نور کو جلوہ نکلن دیکھا ہے۔ مذکورہ شعر میں ان کی ہندووی اصطلاح کا استعمال اس قیاس کی مثبت دلیل ہے۔ ان سب کے علاوہ یہ حقیقت ہے کہ شاعر کا خلاق تخیل جو بھی خیال آرائی کرے گا وہ نبی کی وصف میانی میں حقیقت بن جائے گا۔ سریش بھٹ کی مدحت رسول میں خیال آرائی بھی سچائی کے پیکر میں ڈھل گئی ہے۔ صحابہ کرام مشاہدے سے جو بات کہتے تھے ہمارے مداحین شعراء اپنے تخیل سے ان حقائق کو اپنے اشعار میں پیش کر دیتے ہیں وہ بھی اس طرح کہ مشاہدہ اور تخیل دونوں باہم برابر دکھائی دیتے ہیں۔ سریش بھٹ کے خلاق تخیل کا یہ کمال ہے کہ نعت رسول میں ان کے اکثر اشعار دور نبوی کے شعراء کے کلام سے لگا کھاتے ہیں۔

چوتھے شعر میں سریش بھٹ نے آپ کے حسن سلوک سب کے ساتھ یکساں ہر تاؤ اور تفوق و تشریف سے عاری مساواتی رویہ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ساتھ ہی اپنے عجز و انکسار کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اے رسول اللہ! آپ کے گھر (مجلس) کے طریقے بڑے عجیب ہیں۔ یہاں امیر و غریب کے

درمیان کوئی فرق مراتب نہیں، تروکتور اور افضل وارڈل میں حد فاصل کا یہاں تصور ہی نہیں ہے۔ آپ کی شان میں سریش بھٹ کی یہ مدحت طرازی صرف الفاظ کا گورکھ دھند انہیں بکھ اشاروں کنایوں میں سیرت رسول کے تاریخی گوشے سامنے آتے جاتے ہیں۔ ان کی نعت کا لفظ لفظ حقیقت حال بنا ہوا ہے۔ سریش بھٹ کے اس شعر میں اس عظیم واقعہ کی ترجمانی کی گئی ہے جب آپ نے کہا تھا "اگرہ ان امتیز علیکم ان اللہ سبحانہ و تعالیٰ یکرہ من عبده ان یراہ متمیزا بین اصحابہ" (میں امتیاز کو پسند نہیں کرتا اللہ کو یہ پسند نہیں کہ اس کا کوئی بندہ اپنے ساتھیوں کے درمیان امتیاز کے ساتھ رہے) دوسری جگہ آپ نے فرمایا تھا "لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل" (کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں) اس پس منظر میں دیکھئے شعر کے معنی کتنے بلند ہو جاتے ہیں۔ مساوات کا یہ پیغمبرانہ طرز عمل دیکھ کر ہی سریش بھٹ نہایت عاجزی و انکساری سے عرض معروض کرتے ہیں کہ آپ کے گھر کے کسی گوشے میں مجھے بھی سر چھپانے کے لئے تھوڑی سے جگہ مرحمت فرمادیجئے۔

دربار نبوی کا "جارب کس" "غلام" "خدمت گار" وغیرہ کئی اصطلاحات نعتیہ شاعری میں مل جاتے ہیں لیکن عقیدت کی جو فراوانی انکساری کے ساتھ دربار رسول کے کسی گوشے میں تھوڑی سی جگہ مانگنے میں ہے وہ ان اصطلاحات میں نہیں۔ خود حضرت عمرؓ نے مسلمانوں نے دربار نبوی کے ایک گوشے میں ابدی استراحت کے لئے تھوڑی سے جگہ کی تمنا کی تھی۔ سریش بھٹ کا اس گوشہ عافیت میں تھوڑی سی جگہ مانگنا ان کے فکری اور جذباتی سلسلہ کی کڑیوں کو دور فاروقی سے ملاتا ہے۔ نعتیہ اشعار میں ایسی تمنا کرنے والے قاری میں مولانا جاتی اردو میں صحیحہ رحمانی اور مراٹھی میں سریش بھٹ ہی ملے ہیں۔ جاتی تھہ۔ الاحرار کی ایک نعت میں ملتی ہیں۔

از ہمہ آفات تسنیم سلیم
بر در دربار تو جای مقیم

صحیحہ رحمانی فرماتے ہیں۔

پھرے ہیں دربار اے رحمت عالم کرم کردو
سمیٹو قرب کی چادر میں قدموں میں جگہ دے دو
سریش بھٹ کی نعت کا پانچواں شعر حسن شعری کا اچھا مرقع ہے۔ اس شعری تخیل کی تطبیق شیخ عبدالرحیم البرہی کے قصیدہ جمیہ کے اس شعر سے ہوئی ہے۔

وان ذکر والیلو والبنی فائنی

بذکر الحبيب الطیب الذکر الہج

یعنی جب یہ لوگ کسی لیلیٰ یا بنی کا ذکر کرتے ہوں تو میں اس حبیب پاک کی یاد میں نغمہ خواں

ہو تا ہوں جن کا ذکر سر اسر معطر ہے۔

ذکر حبیب سے مشام جاں کا معطر ہونا عشق حبیب میں اخلاص اور محبت پر دلالت کرتا ہے۔ سریش بھٹ کا روم روم بھی یاد حبیب اور ذکر رسول ﷺ سے معطر ہو گیا ہے۔

اس نعت کے آخری شعر میں اگرچہ کوئی خاص مضمون نہیں ہے نہ خیال آرائی ہے نہ خیال آفرینی حسن شعری کی کرشمہ سازی، مرصع و کبداری ہے نہ معنی آفرینی۔ بس سیدھے سپاٹ انداز میں شاعر نے دل کی بات نوک قلم سے شعر میں اتار دی ہے۔ ہاں البتہ اس شعر میں تاریخی حقائق کا اک جہاں آباد ہے۔ بعثت سے پہلے ہی نہیں بعد میں بھی کئی کئی نعتوں آپ کے صادق اور سچے ہونے کی کوئی دیتے تھے اور باوجود نفرت و عدالت کے آپ کے قول کی صداقت کو تسلیم کرتے تھے۔ وجاہت و سرداری کی وجہ سے بظاہر آپ کی تکذیب بھی کرتے لیکن یہ باطن وہ آپ کی سچائی کو ماننے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے۔ تاریخ و سیر کی کتابوں میں بعض ایسی روایات ملتی ہیں کہ آپ کا کھلا دشمن جب آپ کے چہرہ انور کو دیکھ لیتا تو گواہی دیتا کہ "یہ چہرہ کسی جموں نے کا نہیں ہو سکتا" سیر الصحابہ میں آپ کے رخ انور کو دیکھ کر دین کی سچائی پر ایمان لانے والوں کے واقعات بھی ملتے ہیں جو یہ کہتے ہوئے حلقہ بچوش اسلام ہوئے کہ "ہاں! اس شخص کی باتیں جھوٹی نہیں ہو سکتیں۔ ان شواہد کی روشنی میں مذکورہ شعر کو پڑھیں تو پتہ چلتا ہے کہ سریش بھٹ نے تاریخ کو اس شعر کے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

غرض کہ سریش بھٹ کی یہ نعت نہ صرف الفاظ کی بچی کاری کا نمونہ ہے نہ عقیدت کی فرلوانی کا چڑھتا دریا نہ حسن شاعری کا مرقع نہ خیال آفرینی کا طلسماتی جہاں بکھ انہوں نے نہایت جذباتی اور والہانہ انداز میں وہ تمام حقائق اس نعت میں سمیٹ لئے ہیں جن کا سنہرا ہالہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے اطراف پھیلا ہوا ہے۔

ایک باوقار ادبی جریدہ

سہ ماہی عہد نامہ (راٹھی)

مرتب: سرور ساجد

☆ ناشر ☆

پوسٹ بکس نمبر 236 جی پی او، راٹھی-1 (بھارت)

کالی داس گیتنا رضا

(دبستان جوش پر ملیانی میں نعت)

میرے استاد کہ پنڈت تھے
خُن ور تھے بہ شاگردی داغ
نام جوش اُن کا،

سائنس میں جمال شہ بطحا کی
یہ کہتے ہیں بہ تفسیر کلام قدسی

”زشت خوبان عرب، ہیج حسینا عجم
ماہ تاباں سے تو بڑھ کر ہیں حسین تیرے قدم
کیسے حسن رُخ و زخسار کروں زیب رقم
من بے دل بہ جمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی
مرحبا سید کی مدنی العربی“

میرے استاد کے فرزند کہ عرش ان کا نشان
وہ بھی کچھ کم نہ تھے والد سے کہ نعتیں اُن کی
اہل باطن کی نگاہوں میں معظم ٹھہریں
دوسرے وزن میں دو شعر سماعت کیجیے

”سزا وار فیض در مصطفیٰ ہے
سوالی کا دست سوال اللہ اللہ
اُتر آئے خود عرش و کرسی سے جلوے
نبوت کا اوج جمال اللہ اللہ“

ایک اور اونچے خُن ور تھے جگن ناتھ کمال

میرے استاد کے شاگرد مگر خود استاد
نعت جب کہتے تھے، خار و خس و خاشاک تک

جیسے جی اُٹختے تھے، پھولوں میں بدل جاتے تھے
آمد شاہ رُسل کا ہے بیاں اور سننے
کہ یہ اک شاعر ہندو کے ہیں اشعار بلوغ
بجر گو بدلی ہوئی ہے پہ مدھر ہے اتنی
جیسے جنت کی کوئی نہرواں — ہاں سننے

”دنیا پہ جب وہ ساعت اکرام آگئی
اپنی جگہ پہ گردش ایام آگئی
دن ڈھلتے ڈھلتے دھوپ لب بام آگئی
تفسیر والضحیٰ کے لیے شام آگئی
اس جھٹ پٹے میں آنکھ ستاروں کی کھل گئی
آئی جو چاندنی تو اندھیرے میں کھل گئی
فطرت تمام اوس کے پانی میں دھل گئی
کل کائنات سرت جگا کرنے پہ حل گئی
قدرت نے احرام یہ اُس رات کا کیا
سرمہ بنا کے دیدہ دل میں لگا لیا“

میں کہ ادنیٰ سا ہوں شاگرد، مری ہستی کیا
اپنے استاد کے پیروں پہ جی دھول ہوں میں
میں فقط اتنی دعا مانگتا ہوں مولا سے
منہ مرا قابل تو صیف پیبیر ہو جائے
میں نے گلیاں تو مدینے کی نہیں دیکھی ہیں
چاپ تو پائے پیبیر کی سنی ہے میں نے •
عالم خواب میں یہ حکم ہوا تھا مجھ کو
کہ لکھو نعت مگر طرز غزل کی رکھنا
پیش کرتا ہوں غزل آپ کی خدمت میں وہی

نام سے خانہ احمد کا ہے کتنا اچھا
سے کشی اچھی، خمار اچھا، پیالا اچھا

شاکر کنڈال

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم

اور شعرائے جلاپور جنال

جن دنوں میں آزاد کشمیر کی سرحد پر متعین تھا تو ضلع کجرات کے ایک قصبہ جلاپور جنال میں رہائش پذیر تھا۔ شام سے صبح تک اسی قصبہ کے لوگوں میں وقت گزارتا۔ یہ دو سال کا عمر اولی لحاظ سے یادگار دور تھا۔

کجرات سے مشرق کی طرف تقریباً بارہ کلو میٹر کے فاصلے پر قصبہ جلال پور جنال آباد ہے جس کی پہچان پارچہ بانی ہے۔ یہی سڑک نانڈہ اور جمب سے ہوتی ہوئی آزاد کشمیر میں داخل ہو جاتی ہے۔

اسحاق آشفٹ، آریابھٹ کی کتاب ”راج ترنگنی“ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ۳۲۶ قبل مسیح میں سکندر اعظم اور راجہ پورس کے معرکہ میں سکندر نے مفتوحہ علاقوں کو ”تاریخ کوجر“ کے حوالے سے تقسیم کر کے دو قصبوں کی بنیاد رکھی۔ ایک قصبہ دریائے جلم کے نزدیک ضلع کجرات میں موگ کے مقام پر آباد کیا۔ دوسرا قصبہ ”شاکلہ نگر“ کے نام سے دریائے چناب کے کنارے آباد کیا۔ جس کا نام یونانی زبان میں رکھا گیا۔ ”شاکلہ نگر“ کے یونانی زبان میں لغوی معنی ”خوبصورتی کا شہر“ ہیں۔ اس کے بعد جلال الدین خلجی نے جب منگولوں کے حملوں کو روکنے کے لئے مغرب کا رخ کیا تو اس نے اس کے یونانی نام کو ”جلال آباد“ میں تبدیل کر دیا اس کی فوجوں نے کئی روز تک یہاں قیام کیا تاکہ منگولوں کے حملے کا سدباب کیا جا سکے۔ اس کے بعد سکھوں کے زمانے میں اس قصبہ کو خاص تاریخی اہمیت حاصل رہی۔ زبد دست خان اور امیر خان جاٹ سرداروں نے اس قصبہ کا نام جلاپور جنال رکھا جس نام سے یہ آج تک تاریخ اور عرف عام میں معروف چلا آتا ہے۔ (۱)

پروفیسر کلیم احسان لکھتے ہیں ”اس کے نواحی ملحقہ علاقوں کا چور اور اسلام گڑھ کا ذکر تاریخ کی تمام کتابوں میں ملتا ہے..... کلاچور سکندر اعظم کے زمانے میں موجود تھا اور سکندر اعظم نے یہاں نیکسال قائم کی تھی..... اسلام گڑھ جو دراصل ایک قلعہ تھا تاریخ کی کتابوں میں اپنا ذکر محفوظ رکھتا ہے۔ مگر عجیب بات ہے جلاپور جنال کی تاریخ کا تذکرہ قدیم تاریخ میں موجود نہیں اور لگتا ہے کہ یہ ہر دو نڈہ کو رو دیمات کے بعد آباد ہوا۔“ (۲)

آپ جس میں ہوئے ظاہر وہ خرابا اچھا
جس میں نازل ہوئے آیات وہ صحرا اچھا
دین کے ہاٹ میں گو مال تھا اچھا اچھا
درس قرآن کا رہا سودوں میں سودا اچھا
نور باطل سے سجاتے ہو جو محفل اپنی!
یہ اُجالا ہے تو سو بار اندھیرا اچھا
جس نے اورنگ رسالت کی برائی چاہی
آپ ہی آپ اُسے تقدیر نے مارا اچھا
آپ کا بخشا ہوا جام تو کچھ اور ہی ہے
لاکھ کہہ لیجیے ہر جام کو اچھا اچھا
کس لیے بیروی جاہ و حشم؟ سامنے ہے
اُسوہ شاہ زسل صاف انوکھا اچھا
ایسی پرواز بھی کیا؟ اپنے ہی پر چلنے لگیں!
آتش شوق سے ایمان کا شعلا اچھا
جو گھڑی کاٹی طہارت میں، کٹی وہ اچھی
وقت جو گزرا عبادت میں وہ گزرا اچھا
منہ پر کہہ دیتے ہیں بیزار زر و مال کہ ہاں
دین احمد ہے اگر سادہ تو سادا اچھا
اے رضا! کاشف حق نے تجھے عزت بخشی
انتظام آج کیا تو نے غزل کا اچھا

☆☆☆

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

یہ نصبہ جہاں پارچہ بانی کی صنعت 'تحریک پاکستان' جنگ کشمیر 'سیاست' نئی پہلوانی اور موسیقی کے میدان میں اپنی پہچان رکھتا ہے وہاں علم و ادب کے لحاظ سے بھی کافی زرخیز ہے۔

جلاپور جہاں میں شاعری کے حوالے سے پچھلے تین سو سال کی تاریخ کا جب مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں کئی ایسے نام دکھائی دیتے ہیں جن کو ادب کے شیدا کی جانتے تو ہیں لیکن ان کے علم میں یہ بات شاید نہ ہو کہ ان حضرات کا تعلق جلاپور جہاں سے ہے۔ ان حضرات نے تصوفانہ شاعری میں اپنا ایک مقام بنایا اور کئی زبانوں کے علاوہ اردو کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ قدامت اور متوسلین میں جو چند نام معروف ہوئے ان میں سے جان محمد (وفات ۱۲۰۰ھ) جو ۷۸۵ء کے لگ بھگ کا زمانہ ہے اور جن کی مناجات

رسول لریما بہر رسول صلی اللہ علیہ وسلم مرے عیب گنہ کا نہیں انت مول
ہنجالی 'فارسی' اردو اور ہندی کے شاعر احمد یار مرالے والے (۱۷۶۷ء-۱۸۳۵ء) جن کی کتاب "مبیز و فانیہ" حضور نبی کریم ﷺ کے ایک مجزے کو منظوم بیان کیا ہے۔ (۳) تقریباً ایک سو دو کتابوں کے مصنف 'فارسی' عربی 'اردو' کشمیری 'ترکی' اور ہنجالی کے شاعر خواجہ شہناشہد بہر خرابات (۱۸۰۹ء-۱۸۸۰ء)

سری طاق دل اوپر جس صنم کا ماہ تاباں ہے اوس کے نور سے ہر ذرہ میرا پر تو افشاں ہے
فارسی 'اردو' اور ہنجالی کے قادر الکلام شاعر غلام قادر جلاپوریہ جن کا عہد تیرہویں صدی
ہجری کا نصف اول ہے (۳) اور ہنجالی اور اردو زبان کے شاعر جنہوں نے پورن بھکت کے قصے کو "پورن
بھنڈار" کے نام سے منظوم کیا اور تصوف کے رنگ میں

اگر تو ذات واحد کو جدا جانے گا اپنے سے تو بڑھتا جائے گا یہ الٹا معاملہ تیرا
جیسی شاعری کی یعنی چتر داس صوری (منت) (۵) اسی قصبہ جلاپور جہاں سے متعلق تھے۔

یہ تو بات ہو رہی تھی تیسویں صدی سے پہلے کی۔ لیکن جب برصغیر کے مسلمانوں میں ایک نئے
شعور نے گروت لی اور مسلمانوں کی علیحدہ جماعت مسلم لیگ 'علیحدہ وطن کا مطالبہ کرانہی تو شاعری
میں بھی نکھار پیدا ہو گیا اور یوں اس قصبہ کے لوگوں نے عملی سیاست اور تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ فقہی
شاعری کی طرف بھی خاص توجہ دی۔ اور پھر ہر آنے والے وقت کے ساتھ ساتھ نئے گو شعراء کی تعداد
بڑھتی رہی۔ میر ظہور شاہ قادری 'محمد دین میر 'عبدالمجید نجفی 'علامہ حامد وارثی 'مولوی فضل حق 'آفتاب
وارثی اور تبسم کشمیری وغیرہ نے جہاں منہ رسول ﷺ یعنی مساجد میں دین اسلام کے فروغ کے لئے اپنی
زندگیاں وقف کر دیں وہاں شاعری ڈھانچنے کو بھی گل و بلبل اور عشق مجازی کے چکروں سے عشق حقیقی اور
محبت رسول پاک ﷺ کا رنگ دیا اور پھر ان کی تقلید میں نعتیہ اشعار کو نئے رنگ۔

زیر نظر تحریر میں جلاپور جہاں اور اس کے نواحی دیہات جو اس کے حلقے میں داخل ہیں کے

شعراء کے نعتیہ اشعار ان کے مختصر تعارف کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ لطیف مضطر

عبد اللطیف نام اور مضطر تخلص کرتے تھے۔ آپ کے والد شیخ عبدالعزیز اپنے دور کے چند بڑے
لکھے اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔ جناب مضطر ۱۹۱۸ء کے لگ بھگ جلاپور جہاں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۸ء
میں انڈین آرمی میں آپ نے کمیشن حاصل کیا لیکن دو سال بعد ملازمت ترک کر دی۔ عین جوانی میں تپ دق
کے مرض میں مبتلا ہو گئے اور چوبیس سال کی عمر میں اسی مرض میں وفات پائی۔ آپ کا شعری مجموعہ "دیوان
مضطر" کے نام سے شائع ہوا تھا (۶) جو اب نایاب ہے۔

یا محمد ہوں میں شیدا آپ کا مجھ کو کافی ہے مہرور آپ کا
روضہ اقدس دکھا دیجئے مجھے پڑھتا رہتا ہوں دلخیز آپ کا
باغِ بہت کی انہیں خواہش نہیں عاشقوں کا لہر ہے کوچہ آپ کا
میرے دل میں رہتی ہے یاد آپ کی لب پہ جاری نام والا آپ کا
کرتی ہیں نغمہ سرائی بلبلیں دیتی ہیں غنچوں میں نغمہ آپ کا
تھا شبِ معراج حوروں میں یہ شور آؤ دیکھیں چل کے جلوہ آپ کا
کھینچے مجھ پر عنایت کی نظر یا نبی ہوں نام لیا آپ کا
یا محمد حشر میں پڑھتا اٹھے آپ کا مضطر قصیدہ آپ کا

۲۔ پیر ظہور شاہ قادری

جناب حاجی الحرمین شریفین حضرت حافظ میر سید ظہور شاہ واعظ الاسلام حنفی قادری بخاری
سجادہ نشین (۷) اردو 'ہنجالی کے شاعر 'خطیب' مناظر اور مبلغ ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء جلاپور جہاں میں پیدا
ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی۔ قرآن مجید حافظ نور الدین جلاپوری سے حفظ کیا۔ سند
فضیلت بریلی شریف سے حاصل کی۔ آپ کی تصانیف میں ظہور ہدایت 'نور ہدایت 'مرغوب ابوالحسن 'تقر
یزدانی بر سر جلال کیدیانی 'ششیر بر گردن شری 'شرح اسماء الحسنی 'چرخہ حضوری 'ظہور صداقت 'شرح قصیدہ
نوشیہ 'مسائل ضروری 'خطبات ظہوری 'ظہور کرامت 'ظہور حقیقت 'وظائف حضوری 'حسام الحرمین اور
مصصام حنفیہ وغیرہ شامل ہیں۔ آپ نے ہنجالی اور اردو میں نعت کئی ہنجالی میں ظہور اور شاہ ظہور جبکہ اردو
میں نسیم اور عاجز تخلص کرتے تھے۔ (۸) ۱۹۵۳ء میں منارہ ضلع جہلم میں وفات پائی۔
"عالم میں تیری ضیاء کھلی والے ہے گھبرا ترا چاند سا کھلی والے"

کئے چاند باطل کے سب مانند تو نے "میں قربان شمس العلیٰ کملیٰ والے
خدا کی خدائی کا معتقد ہو کر تو کملیٰ ہی میں خوش رہا کملیٰ والے
فقیروں کا بچا' امیروں کا ملائی ضعیفوں کا تو آسرا کملیٰ والے
ہمارے لئے غار میں جنگوں میں تو جا جا کے روتا رہا کملیٰ والے
نہ موزا کبھی تو نے خالی کسی کو ترے در پہ جو آسیا کملیٰ والے
قیامت میں ہم بے کسوں کا وسیلہ نہیں کوئی تیرے سوا کملیٰ والے
تمہی عاجز کی بخشش بہت غیر ممکن مگر تو نے بخشا لیا کملیٰ والے (۸)

۳۔ محمد سلطان گنگوڑ

محمد سلطان نام اور گنگوڑ تخلص تھا۔ ۱۸۷۲ء میں جلاپور جہاں میں پیدا ہوئے۔ بالکل اُن پڑھ
تھے اور اسی وجہ سے آپ کا کلام ضائع ہو گیا۔ صرف پرانے لوگوں کے ذہنوں میں کچھ اشعار محفوظ ہیں۔
ابتدائی زندگی سیانی بن کر گزاری اور شعر بھی عشقیہ کہتے تھے۔ بعد میں حمدیہ، نعتیہ اور صوفی رنگ میں شعر
لکھنے لگے۔ ساری عمر شادی نہیں کی۔ بازار میں چھاندی لگایا کرتے تھے اور اپنے ہی اشعار گایا کرتے تھے جو
لوگوں نے ذہن نشین کر لئے۔ ۳ دسمبر ۱۹۵۵ء میں وفات پائی۔ آپ نے نعتیہ مضامین پنجابی دوہڑوں میں
بہت خوبصورتی سے پیش کئے ہیں۔

آرزو دم بدم اسے مدتوں دی سفر عرب دا میرے نصیب ہووے
خوشی نال جاواں منزل ملے کر دا دل دج درد حبیب حبیب ہووے
نیری عرض کریں منظور مولا حالت ایس توں بھانویں غریب ہووے
دم واہ دج نکل جائے گنگوڑ پر محمد دا روضہ نصیب ہووے
اودوں فلک نے کیتی سی لہم اللہ جدوں گئے سمان حضور دے سن
ہو گئے دست بند اگوں ملک سارے گویا قافلے چلے شعور دے سن
ہر تن تھیں صلّ علیٰ نکلے ایسے شعلے محمد دے نور دے سن
مایا یار نوں یار جد گنگوڑ حل ہوئے مسئلے دور دور دے سن

(۹)

۴۔ مضطر گجراتی

محمد عبداللہ نام اور مضطر تخلص تھا۔ جلاپور جہاں سے پانچ کلومیٹر دور ایک گاؤں عالم گڑھ میں
۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے (۳۳)۔ ۱۹۲۸ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور پھر لاہور میں علمی مدارج ملے

کئے۔ شعری رموز علامہ سہاب اکبر آبادی سے سیکھے (۱۰)۔ ۱۲ دسمبر ۱۹۶۹ء کو درس چھوٹے میاں لاہور
میں فوت ہوئے۔ (۱۱)

ترے بغیر مناظر نظر کشا تو نہ تھے کہ خود نما تھے حاضر خدا نما تو نہ تھے
مجھے جہاں کی غلط بیلیوں پہ ہے انوس حضور دل کی نگاہوں سے بھرا تو نہ تھے
یہ آگہی شبِ اسرئی نے دی نہ ہو ان کو فرشتے رفعت آدم سے آشنا تو نہ تھے
ترے کرم ہی نے ہم عاصیوں کی رکھ لی شرم دگر نہ حشر کے دن مورد جزا تو نہ تھے
سلام آتے ہیں جنت کے حور و غلام کے ہم اس دیار میں مضطر غزل سرا تو نہ تھے (۱۱)

۵۔ محمد دین میر

۱۹۰۰ء میں جلاپور جہاں میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں ہی سیاست میں حصہ لینے لگے۔ ۱۹۲۳ء
میں دفعہ ۱۳۳ کے تحت گرفتار ہوئے۔ جہاں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۷ء تک آپ کی
تین کتابیں مصمص میر، سیف مرید اور ختم نبوت شائع ہوئیں۔ جنہیں حکومت نے ضبط کر کے آپ کو جیل
بھیج دیا۔ تحریک پاکستان کے لئے بھر پور کام کیا۔ آپ کی نعت میں بھی مجاہدانہ جذبہ تھا۔ آپ ۱۹۷۷ء میں
فوت ہوئے (۱۲)۔ پنجابی نعت کارنگ ملاحظہ ہو۔

سر کھانا اسے نبی دی آن اتے ایسہ فرض ہویا مسلمان دے لئی!
کائنات ساری جیہڑی دیکھدے او پیدا کیتی رب نبی دی شان دے لئی
صفت نبی کریم دی لکھنی سی دے جواب پر قلم دوات بیہ گئی!!
کسں لگی توں اوس دی تعریف لکھتا میں جس نوں دیکھ کے ساری ظلمات بیہ گئی

۶۔ فضل حسین فضل

فضل حسین نام اور فضل ہی تخلص کرتے تھے۔ ۲۱ جنوری ۱۹۰۱ء کو پیدا ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں
جلاپور جہاں سے میٹرک کیا اور پھر لاہور سے ٹائپ اور شارٹ ہینڈ کا کورس مکمل کر کے میونسپلٹی میں ملازم
ہو گئے۔ پھر فضل گجراتی نے پنجابی غزل کو ایک نیا رنگ دیا۔ آپ نے پنجابی زبان کو اظہار خیال کے لئے
استعمال کیا۔ ۲۹ دسمبر ۱۹۸۱ء کو وفات پائی۔

ہویاں	ختم	بلدیاں	جگ	دیاں	بلغ	العلیٰ	بکمالہ
چاؤن	لائے	محمد ﷺ	دے	نور ہر	تھال	کشف	بجمالہ
مرکز	خوبیاں	دا	واہ	سجان	اللہ	حسنست	خصمالہ

۷۔ گوہر کا شمیری

خواجہ اللہ دین المعروف گوہر کا شمیری ۱۸۹۷ء میں خواجہ شمس الدین کے ہاں جلالپور جنال میں پیدا ہوئے۔ میٹرک کا امتحان جلالپور جنال سے پاس کیا۔ ۱۹۳۶ء میں آپ خاکسار تحریک سے وابستہ ہو گئے اور مرتے دم تک اس سے منسلک رہے۔ ۱۲ جنوری ۱۹۸۳ء کو آپ نے وفات پائی۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کا ایک شمیری جمعوہ ”گوہر پارے“ کے عنوان سے شائع ہوا۔ جبکہ دوسرا جمعوہ ”دیوان گوہر“ لطاعت کے مراحل میں ہے۔

مقتدی کن کے نمازوں میں ہوئے مرسل تمام کون ہے جن کا فلک پر ہو رہا ہے انتظار کیوں فرشتوں نے پتھانی ہے روئے ککشاں کورنش کو دست بستہ سب مانگ ہیں لڑے فرشتے تا عرش روشن سب ہیں رستے نور کے ہم رکاب و ہم سفر کن کے ہوئے روح الامیں جب سے سرکار دو عالم سر عرش بریں تم بھی سااڑ رسواں پر پڑم لوہر درود کون اقصیٰ میں شب اسری ہوئے سب کے امام منتظر جنت میں غماں اور حوریں نی انیام کس کی آمد کا فلک پر اس قدر ہے اجتمام مر جاصل علیٰ ہیں کہ رہے سب خاص و عام کس معزم نسمماں کے واسطے یہ انتظام کون ہیں جن کے لئے مرکب براق تیز کام عبد اور معبود باہم ہو گئے تھے ہم کام السلام اسے تیز صادق و رہبر السلام (۱۳)

۸۔ علامہ حامد الوارثی

علامہ حامد الوارثی جلالپور سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر آباد ایک گاؤں حاجی والا میں ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے۔ نہایت پھولنی عمر میں اسلول میں استاد مقرر ہو گئے لیکن مزید علم کے حصول کا شوق آپ کو بڑودہ (انڈیا) لے گیا۔ یوپی میں قیام کے دوران ہی طبیعت کا میان شعر کی طرف ہوا اور سیلاب اکبر آبادی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ حضرت وارث علی شاہ صاحب دیواشریف سے روحانی نسبت نے آپ کو وارثی بنا دیا۔ بعد میں ساری زندگی فیصل آباد میں لکڑی اور وہیں ۲۶ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو وفات پائی۔ آپ کے کئی اقتدی جمعوے پنجابی اور اردو فارسی میں شائع ہو چکے ہیں۔ (۱۳)

چاہتے ہر سر میں ہو سوا رسول اللہ کا نقش ہے ہر شے پہ نقش پا رسول اللہ کا مسجرات انار ہے چہرہ رسول اللہ کا تاتہ در تاتہ ہے ہر تاتہ رسول اللہ کا مین دنی حق ہے فرمودہ رسول اللہ کا

جس طرف بھی پائے باز اٹھا رسول اللہ کا اللہ اللہ اسوۂ حسنہ رسول اللہ کا جاری ہے کونین میں سکے رسول اللہ کا کوند جاتی ہے نظر میں ایک جھلی نور کی دلچہ لے سپارہ قرآن کے آئینے میں وہ اس بڑھاپے میں ہے دل میں بس یہی اک آرزو انت کوئی میں جو حامد مجھ کو حاصل ہے کمال

۹۔ مولوی فضل حق ٹھمکوی

مولوی فضل حق ولد عبدالحمید صدیقی ۱۱۲ اپریل ۱۹۰۹ء کو جلال پور جنال کے ایک شہری گاؤں ٹھمہ میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم اپنے گھر میں حاصل کی۔ اور پھر محمدی کی ایک مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرنے لگے۔ کتابت سیکھی اور جلالپور جنال میں اپنا ٹھکانہ بنا کر اسے بھلور پیشہ اپنلا۔ اپنی کئی کتابوں کے مسودہ بھی کتابت کر کے محفوظ رکھے۔ ان قلمی کتب کے نام ”حرفی ہدایت“ ”مکتوبات بے نظیر“ ”جواریوں کا مالہ“ ”مولوی اور جاہلی زمیندار“ اور ”مرزا صاحبان“ ہیں۔ آپ نے ۱۶ جنوری ۱۹۹۳ء کو وفات پائی۔ (۱۶)

پڑھو صلوات ذکر سیدالابرار ہوتا ہے جو فرمان محمد کو پڑھائیں یا سنیں آکر جناب سرور عالم کو وہ محفل پیاری ہے خدا آتا ہے خود ہو کر خریداروں کی صورت میں ملک جن و بشر حور و پری سننے کو آتے ہیں خدا کے واسطے لوگو مدینے لے چلو مجھ کو جگہ جنت سے بہتر ہے جہاں ذکر محمد ہو سر اپا کوش ہو جاؤ بیان یار ہوتا ہے خدا کا پیار ان بندوں پہ سوس پار ہوتا ہے جہاں پڑھنے پڑھانے کا شغل ایسا ہوتا ہے مرے یوسف کا جب سوا سر بازار ہوتا ہے جہاں ذکر جناب احمد مختار ہوتا ہے سنا ہے واں علاج عاشق صدار ہوتا ہے نزول فضل حق کا اس جگہ انبار ہوتا ہے (۱۷)

۱۰۔ ڈاکٹر نادر حسین بھٹی

علیم میاں محمد حسین کے نور بصر نادر حسین المتخلص نادر ۳۰ دسمبر ۱۹۲۳ء کو جلالپور جنال میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ فوج میں ملازمت کی اور پھر ہو میو پیٹھک کورس کر کے والد کے ساتھ حلت کی دکان پر کام کرنے لگے۔ عملی سیاست میں بھی حصہ لیا اور مسلم لیگ سے منسلک

رہے (۱۸)۔ آخری عمر میں نعت رسول مقبول کی طرف دلی طور پر راغب ہوئے اور نعتیہ مشاعروں کی میزبانی بھی کرنے لگے۔ آپ نے ۳ مئی ۱۹۹۳ء کو وفات پائی۔

نور ہی نور ہیں آج ارض و سما وجہ تخلیق کون و مکاں آگئے
 لطف و رحمت کی برسات ہونے لگی ابر بن کر جو رحمت نشان آگئے
 آج دکھیوں کا درمان غم ہو گیا بے ساروں کو راحت میسر ہوئی
 ہم غریبوں کا آخر نصیب کھا آج سب سے بڑے مہرباں آگئے
 روز و شب ذکر جن کا ملائک کریں حور و غلام سدا دم انہی کا بھریں
 وہ جو عالی نسب خاص محبوب رب امت و قوم کے پاساں آگئے
 دین حق پر ہی دنیا لٹائی سدا' راہ بھٹے ہوؤں کو دکھائی سدا
 ہم غریبوں کی خاطر اسی فرش پر صاحب عظمت و عزت و شان آگئے
 دیکھوں کو سارا وہ دیتے رہے در سے کوئی سوالی نہ خالی گیا
 جو بھی مانگا کسی نے اسے مل گیا لے کے دامن میں نقد اماں آگئے (۱۹)

۱۱۔ حافظ بشیر آزاد

جلالپور جنساں کی نواحی آبادی منڈیالہ کے قاضی محمد فاضل کے ہاں محمد بشیر المتخلص آزاد ۸ دسمبر ۱۹۳۵ء کو کوہاٹ میں پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حفظ کیا اور فارغ التحصیل ہو کر وہیں کاروبار کرنے لگے۔ جبکہ آپ کا پورا خاندان اپنے گاؤں والپس لوٹ آیا۔ آپ بھی اکثر گاؤں میں آتے اور کئی کئی روز قیام کرتے۔ ۱۹۹۵ء میں اپنی وفات سے چند دن پہلے یہاں آئے اور جاتے ہوئے اپنی ایک ڈائری چھوڑ گئے۔ ساری زندگی مجرد رہے۔ فارسی اردو اور پنجابی میں شعر کہتے تھے۔ ایک قلمی نعتیہ مجموعہ بھی درٹے میں چھوڑا۔ (۳۶)

چکا دیتی ہے قسمت چشم رحمت کملی والے کی بہت ہی قیمتی شے ہے ارادت کملی والے کی
 دکھا دے یا الٹی مجھ کو صورت کملی والے کی کہ میں بھی دل میں رکھتا ہوں محبت کملی والے کی
 زمیں کے سب خزانوں کی خدا نے کنجیاں دے کر بڑھا دی اور بھی تو قیر و عظمت کملی والے کی
 مرے درد زباں اکثر جو ان کا نام رہتا ہے یہ خاص الخاص ہے مجھ پر عنایت کملی والے کی
 میں جب لا اقلبوا کے فلسفے پر غور کرتا ہوں تسلی مجھ کو دیتی ہے شفاعت کملی والے کی
 مکان حضرت جلد میں جو دیکھی صحابہ نے جہاں کو یاد ہے اب تک وہ برکت کملی والے کی
 زمیں تو کیا فلک والے بھی ان پر ناز کرتے ہیں میسر جن کو ہوتی ہے رفاقت کملی والے کی
 جو ان کی ذات سے آزاد سچا عشق رکھتے ہیں وہ خواہوں میں بھی کرتے ہیں زیارت کملی والے کی

(۲۰)

۱۲۔ زیبادرانی

احسان اللہ خان نام اور زیبادرانی کے قلمی نام سے پچھانے جاتے تھے۔ آپ کے والد کا نام خان شہباز خان تھا۔

زیبادرانی ۱۱۲ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو جلالپور جنساں میں پیدا ہوئے۔ عمد طالب علمی میں شاعری کی طرف راغب ہوئے اور مولانا سیما اکبر آبادی کی شاعر دی اختیار کی۔ بی اے آرز تک تعلیم حاصل کی۔ کجرات شہر میں مقیم ہوئے جہاں ۲۲ دسمبر ۱۹۹۵ء کو وفات پائی اور قبرستان شاہ بلاول میں مدفون ہوئے۔ (۳)

وہ تجاز پہ قربان عرشی و نوری کہ اس کی خاک سے آتی ہے آئے کستوری
 نصیب صبر و سکون ہوں دیار رحمت میں مری دعا کو جو مل جائے خاص مکتوری
 کبھی تو روضہ اقدس کو دیکھ لوں میں بھی ترے گدا کی بھی ہو جائے آرزو پوری
 ترے جمال کی دولت سے جمولیاں بھریں ترے کرم سے سنے کی تجاز کی دوری
 حضور آپ سے کچھ بھی نہیں چھپو شیدہ عیاں ہے آپ پر آقا دلوں کی مستوری
 ترے بغیر نہیں کوئی آسرا زیبا متاؤ کس کو متاؤں میں اپنی تجوری
 (۳۷)

۱۳۔ شبیر صابر

۳۱ اکتوبر ۱۹۹۶ء کو دل کا دورہ پڑنے سے آپ کا انتقال ہوا۔ سن پیدائش ۱۹۳۳ء ہے۔ شبیر احمد جلالپور جنساں میں محمد یونس کے ہاں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ آپ نے زیادہ تر پنجابی زبان کو اظہار خیال کا ذریعہ بنایا لیکن کبھی کبھی اردو میں طبع آزمائی کی۔ آپ کی بیاض میں ایک غزل اور ایک نعت فارسی زبان میں بھی درج ہے۔ اردو کی ایک سادہ سی نعت ملاحظہ ہو۔

در پہ بلا لو شاہ امم مٹ جائیں سب رنج و غم
 سوز فرقت کا عالم آنسو برسیں جھم جھم
 کوئی نہیں ہے مونسِ غم کہنے کو ہیں سب بوم!
 ہم بھی دید کے طالب ہیں ہو جائے اک نظر کرم!
 ساقی کوڑا ایسی پلا میں ٹھکرا دوں جامِ تم
 صدر مشکل ضبطِ فغان آہیں بھرتا ہوں پیچم
 (۲۱)

آفتاب احمد میر المعروف حافظ آفتاب وارثی ۸ دسمبر ۱۹۱۷ء کو جلاپور جنٹلمن میں محمد رمضان میر کے ہاں پیدا ہوئے۔ نڈل تک تعلیم پائی۔ قرآن پاک حفظ کیا اور عربی و فارسی میں دینی علوم حاصل کئے۔ کچھ عرصہ پولیس میں ملازمت کی۔ پھر ایئر فورس میں خطیب ہوئے۔ بعد ازاں مالدیپ میں بھی خطبات کے فراموش انجام دیتے رہے۔ بلاآخر جلاپور جنٹلمن کی ایک مسجد میں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ آپ نے فارسی، پنجابی اور اردو میں نعت کہی۔ تین نمونے شائع ہوئے۔ ”سوز جہاں تاب“ اور ”انوار شہ لولاک“ خالص نعتیہ کام ہے۔ آپ نے اپریل ۱۹۹۷ء میں جلاپور جنٹلمن میں وفات پائی۔ (۳۹)

بادۂ حبیبِ نبی سے دل مرا سرشار ہے لوگ کہتے ہیں کہ تجھ کو وہم کا آزار ہے
ان کے دیوانے ہوئے دانائے راز کُن نکال ہو گیا جب نور عرفاں دل پہ جلوہ بار ہے
ماریت از مریت سے ہوا اعلان یہ دستِ رب العالمین دستِ شہِ امداد ہے
آیا سبحان اللہی اسری بعدہ اس لئے دیکھ لیں منکر کہ نور حق کی کیا رفتار ہے
مرتباً فرمایا حق نے لعلی فلقِ عظیم دشمن جاں کے لئے بھی تیرے دل میں پیار ہے
جس کے جلووں سے ہے رخشاں آفتاب کائنات اس رخِ زیبا کی دل میں حسرت دیدار ہے
(۲۲)

محمد جان نام اور مضطر تخلص ہے۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۳ء کو جلاپور جنٹلمن میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ ہائی اسکول جلاپور جنٹلمن سے میٹرک کرنے کے بعد لاہور کا رخ کیا اور ملی کالج آف کامرس سے بی کام کیا۔ ۱۹۶۳ء میں ایم اے کیا اور درس و تدریس کے شعبے کو اپنایا۔ ذوقِ شعری آپ کو اپنے والد جناب فضل حسین فضل سے درس میں ملا۔ اردو، پنجابی، فارسی اور انگریزی میں شعر کہے۔ اردو کا نام ”وارداتِ قلبِ مضطر“ کے نام سے ترتیب دے دیا ہے (۳۰) جان مضطر نے مارچ ۱۹۹۸ء میں وفات پائی۔

حسن ازل کا پر تو تباہ تھی تو ہے دینِ خدا کے مہر درخشاں تھی تو ہو
روشن ہے تیرے نور سے دیانے ہست و بود میخانۂ حیات کا ساماں تھی تو ہو
کس دل میں تیرے عشق کی آتش نہیں ملی حقا کہ سب کے درد کا درماں تھی تو ہو
جو بھی مریضِ عشق ہے اس کی شفا ہو تم سب عاصیوں کی مرہم عصیاں تھی تو ہو
عرشِ عظیم پر شبِ اسری کی دھوم تھی اس خالقِ کریم کے مہماں تھی تو ہو
رحمتِ لقب مانا ہے وہ تیری ذات ہے سب جانتے ہیں صاحبِ قرآن تھی تو ہو
تم ہی ہمارے حشر میں شائع ہو برما یعنی سکونِ قلب کا ساماں تھی تو ہو

مضطر ہوں، بے قرار ہوں، میں تیرے ہجر میں جس پر خدا ہیں میرے دل و جان تھی تو ہو

حافظ محمد اسحاق کے نورِ نظر محمد مسعود تبسم کاشمیری ۱۱ اپریل ۱۹۲۶ء کو جلاپور جنٹلمن میں پیدا ہوئے۔ میٹرک تک مروجہ تعلیم حاصل کی۔ مزید فاضل درس انٹروی اور غشی فاضل کی اسناد بھی حاصل کیں۔ حصولِ تعلیم کے سلسلے میں جلاپور جنٹلمن کے علاوہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی اور دارالسلام عمر آباد (مدارس) میں بھی زیرِ تعلیم رہے۔ ۲۶ سال کی عمر میں ایلور مدرسہ عملی زندگی کا آغاز کیا اور ۳۳ سال مطبقی سے وابستہ رہے۔ آج کل آپ جامعہ گائے شاہ جلاپور جنٹلمن میں خطیب ہیں۔ ”حال و خیال“ ”نور“ ”منزل و محمل“ آپ کے شعری نمونے ہیں۔ جبکہ ”ہفتِ رحمانی“، ”السلوۃ القامر“ اور ”البرہان فی آدابِ تلاوت و قرآن“ نثری کتابیں ہیں۔ آپ ایک اچھے کاتب بھی ہیں لیکن یہ کام رقم لے کر نہیں کرتے۔ شاعری کی دونوں کتب پر گولڈ میڈل اور سلور میڈل حاصل کر چکے ہیں۔ (۳۰)

چمکے چرا میں آپ کی تصویر کے چراغ سارے جہاں سے سمجھ گئے تکفیر کے چراغ
وحدت کا آفتابِ سرِ بام آگیا سایہ ربا نہ کثرتِ تعبیر کے چراغ
فسق و فجور آگئے خود اپنے دام میں شرک آپ توڑتا کیا تصویر لے چراغ
لوٹ بدی سے فکر و عمل پاک ہو گئے پتکے جو جسم و جان میں تطہیر کے چراغ
تخریب کے اندھیرے سینتے چلے گئے جوں جوں بڑھے جہاں میں تفسیر کے چراغ
مگر کمر جلا رہتے غلامانِ مصطفیٰ انسانیت کی عزت و توقیر کے چراغ
طوقِ گلو سے گردنیں آزاد ہو گئیں قدموں میں منہ کے ٹکڑے گرے تصویر کے چراغ
بیداد کو بصیرتِ الفت ہوئی عطا یوں جھجکائے پیار کی تاثیر کے چراغ
ذوقِ خودی سے بندہ ہوا منظرِ صفات افلاک تک دو لے گیا تخیل کے چراغ
خود آگئی نے بڑھ کے خدائی سمیٹ لی تمہیر کے چراغ تھے تقدیر کے چراغ
انکا حریم ذات سے خود حسنِ منظر لے کر کتابِ عشق کی تفسیر کے چراغ
پھر امتیازِ شاہد و مشہور مٹ گیا باہم جلع تصور و تصویر کے چراغ
مدحت کوئے رسولِ تبسم ہوں اس لئے روشن ہیں دل میں میرے بھی تصویر کے چراغ
(۲۳)

ہاجرہ مشکور ناصرہ ۱۹۲۶ء میں جلاپور جنٹلمن میں پیدا ہوئیں۔ تعلیمی زندگی کا آغاز کیتھولک سے

ہوا۔ لیکن ادبی زندگی میں نکھار لاہور کے ادبی ماحول میں پیدا ہوا اور پروان چڑھا۔ آپ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں میں نثر اور نظم میں اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔ ”دختر کھا“ اور ”جہان آرزو“ آپ کی تصنیفات ہیں جبکہ ”یاد الہ سے پرچھانویں“۔ ”جنت اور اس ہے“ اور ”اپنا درد“ اشاعت کی منتظر ہیں۔ (۲۳)

من کی نیا تو کئی سالوں سے منجد ہار میں تھی اب کناروں کے کچھ آثار نظر آتے ہیں وقت کے ساتھ مقدر بھی بدل جاتا ہے کھل ہی جاتے ہیں جو اسرار نظر آتے ہیں اس سے بڑھ کر بھلا اس خاک کی عظمت کیا ہو مثل کعبہ در و دیوار نظر آتے ہیں جب مدینے کا کبھی نام لیوں پر آیا سامنے آنکھوں کے سرکار نظر آتے ہیں پھول کھلتے ہیں مگر خاندان نظر آتے ہیں سونا چاندی سبھی بیچارہ نظر آتے ہیں جو بھی ہیں اس سے وہ ہزار نظر آتے ہیں اب تو مشکور کے اس حال پر ہو نظر کرم (۲۵)

۱۸۔ اسلم میر

۱۹۳۲ء کے لگ بھگ جلاپور جنٹاں کے میر خاندان میں محمد اسلم پیدا ہوئے۔ تعلیم کے دوران ہی شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا۔ اور پھر جلاپور جنٹاں کی علمی و ادبی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے۔ ۱۹۵۹ء میں فکر معاش آپ کو وطن سے دور لے گئی ”اپنی گلیوں میں اجنبی“ آپ کا شعری مجموعہ ہے جس کے تین حصوں میں سے ایک حصہ ”حسن عقیدت“ حمد و نعت پر مشتمل ہے۔ ”دربار رسالت“ میں کے عنوان سے ایک نعتیہ مسدس ملاحظہ کیجئے۔

شاہوں کا شہ کھوں کہ شہ دوسرا کھوں خاتم کھوں کہ سرور کھل انبیاء کھوں
یا میں ’سراج‘ نور کہ خیر اورئی کھوں محبوب حق کہ زائر عرش علی کھوں
میں ابتدا کھوں تجھے یا انتہا کھوں جی چاہتا ہے نعت رسول خدا کھوں

طلبہ ظلیل یا کہ نوید مسیح کھوں امی کھوں کہ عالم علم فصیح کھوں
جد قاتل شام کہ لہن ذبح کھوں طلع البدر کھوں یا حسن صبیح کھوں
سالار جیش، علیہ غار حرا کھوں جی چاہتا ہے نعت رسول خدا کھوں

دنیا کے بے کسوں کا سارا کھوں جسے انسانیت کو جس نے سنوارا کھوں جسے
رب نے قرآن جس پہ اتارا کھوں جسے اللہ نے جس کو اپنا پکارا کھوں جسے

صل علی کھوں کہ بلغ اعلیٰ کھوں جی چاہتا ہے نعت رسول خدا کھوں

آقا عطا ہو نطق کہ تیری ثنا کھوں آقا عطا ہو سوز کہ اس مسموم ہوا کھوں
آقا عطا ہو عشق کہ یہ جاں فدا کھوں آقا عطا ہو درد نہ جس کی دوا کھوں
آقا تجھے میں مرکز جود و سخا کھوں جی چاہتا ہے نعت رسول خدا کھوں (۲۶)

۱۹۔ اختر حسین شیخ

اختر حسین ۲۷ نومبر ۱۹۳۳ء کو جلاپور جنٹاں کی ایک شیخ قبیلے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ایم بی پرائمری اسکول دائم گنج امرتسر سے حاصل کی۔ اسلامیہ ہائی اسکول گجرات سے مڈل اور اسلامیہ ہائی اسکول جلاپور جنٹاں سے میٹرک کرنے کے بعد ایئر فورس میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۷۳ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد دیہی ایئر فورس جوائن کر لی۔ آج کل لاہور میں مقیم ہیں۔ شاعری طنز و مزاح اقبالیات تراجم اور سوانح کی کئی تصانیف شائع ہو چکی ہیں۔ (۲۷)

سدا سخنرا نشیں کی بات ہوگی فلک پر بھی زمیں کی بات ہوگی
جہاں ہو ذکر ان کے آستان کا وہیں میری جنمیں کی بات ہوگی
رہی طرف سماعت سے جو باہر وہ کیا عرش بریں کی بات ہوگی
صحیفوں کی فصاحت جس پہ نازاں وہ زلف خیریں کی بات ہوگی
تصور جس کا ہے افضل عبادت اسی نور میںیں کی بات ہوگی
نہیں گر دل نشیں ذکر پیہر تو پھر کس دل نشیں کی بات ہوگی
وہی جو نور کے ہالے میں اختر نگاہ نور میںیں کی بات ہوگی (۲۸)

۲۰۔ اختر فتح پوری

علامہ اختر فتح پوری اپنی تحریروں کے حوالے سے نیاز تھیوری اور فرمان تھیوری کے ہم کاتب دیکھائی دیتے ہیں۔ آپ کا نام محمد سلیم ہے۔ ۲۷ مارچ ۱۹۳۵ء کو جلاپور جنٹاں کے نزدیکی گاؤں فتح پور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم فتح پور کھوڑی اور اسلامیہ ہائی اسکول جلال پور جنٹاں سے حاصل کی۔ فاضل عربی کے امتحان میں یونیورسٹی بھر میں اول پوزیشن حاصل کی۔ تفسیر فقہ حدیث تصوف تاریخ صرف ’نحو‘ منطق فلسفہ کام ادب و عروض کے علاوہ مذہب عالم کا بھر پور مطالعہ کیا۔ ۳۵ کے لگ بھگ عربی کتب کا اردو میں ترجمہ کیا۔ جن میں تاریخ ابن خلدون، لہن کثیر، تاریخ المسلمین، دی تاریخ تھیوری جیسی کتب شامل ہیں۔

سورہ یوسف کی تفسیر جدید علوم کے پیش نظر نئے انداز میں کی۔ اردو پنجابی اور عربی میں شعر کہتے ہیں۔

(۳۰)

کتنی اونچی ہے تری شان رسولِ عربیؐ
جان و دل تجھ پہ ہیں قربان رسولِ عربیؐ
تجھ سا پیدا نہ ہوا اور نہ ہوگا کوئی
حق کی تو آخری برہان رسولِ عربیؐ
خطۂ ارض سے تا عرشِ پے پرواز تری
تو ہی عالم میں ہے ذیشان رسولِ عربیؐ
تیری الفت کے سوا رکھا ہے کیا پاس مرے
میں ہوں اک سوختہ سامان رسولِ عربیؐ
جس نے پہچانا تجھے اور خدا کو مانا
من گیا حق کی وہ پہچان رسولِ عربیؐ
ہے یہی میرے لئے فخر جہاں میں اختر
کہ ہوں میں تیرا شاخوآن رسولِ عربیؐ

(۲۹)

۲۱۔ سید عابد حسین نجم

جلال پور جنال میں ادنی چراغ کی لوتیز کرنے والے ماہنامہ ناک کے ایڈیٹر و پبلشر جناب سید عابد حسین نجم، معین الدین پور میں ۱۰ مارچ ۱۹۳۶ء میں سید اکبر حسین شاہ کے ہاں پیدا ہوئے۔ فوٹو گرافر ہیں اور پرنٹنگ پریس چلا رہے ہیں۔ اردو اور پنجابی میں شعر کہتے ہیں اور شعر کہنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

ہار گیا ہوں دھو دھو کر میں من کا میل نہیں جاتا ہے
در پہ بلا لیجئے عاصی کو، دل یاں چین نہیں پاتا ہے
پاک ہے تیری ذات مقدس، حسن کامل درشن دے دو
در در حسن تلاشنے والا پگ پگ ٹھوکر ہی کھاتا ہے
میں نے ساغر توڑ دیا ہے اور بھی سب کچھ چھوڑ دیا ہے
اپنے عشق کا جام پلا دو، میں منگتا ہوں تو داتا ہے
تیرے نام کی جوت جلی تو روشن کر گئی میرے من کو
دیکھ کے دامن داغ بھرا دل جانے کیوں اب شرماتا ہے
آپ سے نسبت بھم کو واپس سیدھے رستے پر لائی ہے
ایک بولا بے راہ ہو کر قائم کب تک رہ پاتا ہے
دو ہود ہے تو محبوب ہے عابد سارے مسئلے حل ہیں
ساتھ اللہ کے آپ کا نام بھی لب پر آخر آجاتا ہے

(۳۰)

۲۲۔ احسان اکبر

اردو پنجابی اور انگریزی کے شاعر جناب احسان اکبر کا تعلق جلاپور جنال کی لودی آبادی نو شہرہ خواجگان سے ہے۔ آپ کے والد محمد اکبر ۱۹۳۸ء میں سپور (گھوپال) میں قیام پزیر تھے جہاں احسان اکبر ۳ جنوری کو پیدا ہوئے۔ آپ نے ایم اے تک تعلیم حاصل کی اور شوہر درس و تدریس سے منسلک ہو گئے۔ حال ہی میں سیلیاٹ ناؤن راولپنڈی سے صدر شعبہ اردو کی حیثیت سے ریٹائر ہوئے۔ پنجابی اردو اور انگریزی میں تنقید، تحقیق، تراجم، شعر، سخن اور تاریخ کی کئی کتب لکھ چکے ہیں۔ (۶)

وہ تخلیق کے دن کا روشن ستارہ ہو جس سے سماں شرارا ہندرا
وہ جس نے نگاہوں کو تویر دے دی وہ جس نے مقدر ستوارا ہندرا

وہ انسانیت کا تمامی نمونہ، اک امکان کلی اک احسان باری
یہ کسے طلسمات کی پالکی میں اترا آئی ہے رمتوں کی سواری

کتاب و قلم ساتھ اترے ہیں جن کے زبان دیہاں جن کی تقدیم میں ہے
جنہیں علم کی تاجداری ملی، جن کو اجہ کی تقویم تقویم میں ہے

خدا پہلی بار آدمی سے مخاطب ہے اور بات کا رابطہ ان کی ہستی
جہاں اپنے معنی مفاتیح پاتا ہے اور فکر کا سلسلہ ان کی ہستی

(۲۸)

۲۳۔ شیخ صدیق ظفر

شیخ محمد صدیق ظفر ولد شیخ الہی بخش ۳ اپریل ۱۹۳۸ء کو جلاپور جنال میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جلاپور جنال سے حاصل کی۔ زمیندار کالج کجرات سے گریجویشن کرنے کے بعد تجارت کو بطور پیشہ اپنایا۔ ۱۹۷۱ء میں اپنے مرشد حضرت عبدالحق کے نام پر جلاپور جنال میں کالج کی جیوار کمی جو آجکل کورنٹ عبدالحق اسماعیہ کالج کے نام سے ایک مثالی تعلیمی ادارہ ہے۔ کورنٹ گریجویٹ کالج بھی آپ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ آپ کی انہیں خدمات کے باعث آپ کو جلاپور جنال کا سرسید کہا جاتا ہے۔ آپ ایک مدرسے سے شہر مدرسہ ہیں۔ شریف تہاہی شرف تلمذ حاصل ہے۔ ایک نعتیہ مجموعہ زیر طبع ہے۔

در حبیب پہ دل کو قرار دتا ہے جہاں پہ جلوہ حسن آشکار دتا ہے
در حضور در مصطفیٰ مری منزل جہاں یہ عشق نبی مشکبار دتا ہے

میں ان کے در کی گدائی پہ ناز کرتا ہوں
مرے لئے یہ زمان و مکان کی دولت
خدا کے گھر میں مری روح کانپ اٹھتی ہے
جو جانتا ہے سائل سکندری کیا ہے
جو ایک بار دیار نبیؐ میں حاضر ہو
نبیؐ کے در کا وہ اک مستقل ملازم ہے

کہ مجھ کو لطف و کرم بے شمار ملتا ہے
زہے نصیب جو در کا غبار ملتا ہے
نبیؐ کے در سے مجھے لطف و پیار ملتا ہے
نبیؐ کے شہر میں وہ شہر یار ملتا ہے
پھر اس دیار میں وہ بار بار ملتا ہے
تمہیں وہاں جو ظفر و دلفگار ملتا ہے
(۳۰)

۲۳۔ صدائے گجراتی

چیمہ خاندان کے چشم و چراغ جناب فصل حسین ولد نواب علی چیمہ جنہیں ادبی حلقوں میں
صدائے گجراتی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ ۳ ستمبر ۱۹۳۸ء کو جلاپور جنٹاں میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم
ہریہ والا میں حاصل کی اور میٹرک زمیندار ہائی اسکول گجرات سے کیا۔ منشی فاضل اور فی اے کرنے کے بعد
اے جی آفس میں آڈیٹر بھرتی ہو گئے۔ نثر اور نظم میں کئی تحریریں تصنیف کیں۔

وہ خیر البشر اہل وصف حمیدہ
ہے نور ان کا خالق کی تخلیق ادنیٰ
قلم مدح آقا میں ہے بسند عاجز
صفات ان کے بیرون حد بیاں میں
یقین کمر نفسی کا کیوں کر دلائے
ہیں الفاظ فانی قلم بھی ہے فانی
قلم ہوں شجر اور سیاہی سمندر
حویب خدا سوائے عشاق دیکھو
غم جہر میں میرا شاہِ دو عالم
بچتے اپنے رونے پہ اب تو بلا لو
کئے ان کے اعداء کی جزیروں خدایا
زہے میں نے قرآن میں واللہ دیکھا
انہیں ہم نشیں کہہ کے اپنی طرح کا
ہیں گل انبیاء سے نبی برگزیدہ
قلم نیستال میں ہے تازہ حمیدہ
شادت میں لایا ہے انگب چیمیدہ
کرے پھر یہ تحریر کیوں کر قصیدہ
ہے چشم قلم دیکھ لو آبدیدہ
کے مدح کیا مدد سرگزیدہ
میاں وصف پھر بھی نہ ہوں چیدہ چیدہ
ہیں شوریدہ سر اور گریباں دریدہ
ہے پژمردہ دل تن سے ہے جاں رمیدہ
کہ فرقت سے قد بھی ہوا ہے خمیدہ
کوئی حرف جیسے کئے خط کشیدہ
شنیدہ نہیں ہوتا مانند دیدہ
صدائے کو خدارا نہ کر آبدیدہ
(۳۷)

۲۵۔ ضیاء جلاپوری

سیاست کے میدان کے نذیر احمد اور ادبی حلقوں کے ضیاء جلال پوری ۱۹۳۸ء میں پیدا
ہوئے۔ آپ کے والد کا نام حاجی عبدالغنی مت ہے۔ ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں مسلم یونیورسٹی کے یونین ہل
میں قائم فری یونین اسکول میں حاصل کی۔ ایف اے اور منشی فاضل کرنے کے بعد رزق کی تلاش میں
برطانیہ جا پہنچے۔ تحریک استقلال کے بنیادی رکن ہیں۔ الیکشن کی گماگمی میں وطن آتے ہیں۔ مقابلہ کرتے
ہیں اور ہار کر واپس چلے جاتے ہیں۔ شعر و سخن سے بھی منسلک ہیں۔ ”شب تار“ اور ”حب وطن“ دو شعری
جموعے شائع ہو چکے ہیں (۳۰)۔

مدینے میں جانے کو جی چاہتا ہے
ترے پاس آنے کو جی چاہتا ہے
بے مدت سے دل میں مرے ایک حسرت
کہ دیدار پانے کو جی چاہتا ہے
زمانے نے مجھ پر ستم جو کئے ہیں
وہ قصہ سنانے کو جی چاہتا ہے
دھڑکتا ہے یہ دل تری آرزو میں
اب آنسو بہانے کو جی چاہتا ہے
بھوکتی ہے فرقت کی جو آگ دل میں
وہ شعلے دکھانے کو جی چاہتا ہے
ضیاء پر گراں ہے ترا بھر آقا
ترے پاس آنے کو جی چاہتا ہے
(۳۱)

۲۶۔ ایم اے شاد

محمد اکبر نام اور شاد تخلص ہے۔ ۶ جون ۱۹۳۳ء کو پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام ملک
امام الدین ہے۔ ابتدائی تعلیم جلاپور جنٹاں سے حاصل کی۔ بمبھر کالج (آزاد کشمیر) سے ایف اے کیا اور فوج
میں بھرتی ہو گئے لیکن جلد ہی اس ملازمت سے فراغت پا کر طبابت کو اپنا پیشہ بنا لیا۔ اپنے والد کے نام پر امام
الدین میو ریل سوسائٹی بنا رکھی ہے جس کے تحت ہر سال اہل علم و ادب کی علمی و ادبی خدمات کے سلسلے میں
انہیں ایوارڈز سے نوازتے رہتے ہیں۔ میاں الدین کے حوالے سے ایک نعت دیکھئے۔ (۳۰)

بہار میں زندگی کی باغ میں آئیں کہ وہ آئے
افق پر رمتوں کی بدلیاں چھائیں کہ وہ آئے
خدا کی نعمتوں کو چاہئے کوئی تمہی دامن
جمال پایا وہیں فوراً سم آئیں کہ وہ آئے
مشرف ہو گئی معراج انسانی سے یہ دنیا
مقدار نے ہزاروں عظمتیں پائیں کہ وہ آئے
منور ہو گئے آفاق میاں محمد ﷺ سے
گھنائیں رمتوں کی جھوم کر آئیں کہ وہ آئے
زمانے میں ہوئی آخر صداقت رو بکار ایسے
ہوں کی حکمتیں کتب نے جھٹلائیں کہ وہ آئے
یہی اے شاد ہے میاں کا مضمون حقیقت میں
فضائیں باغ جنت کی اتر آئیں کہ وہ آئے
(۱۹)

۲۷۔ کعبی بہل پوری

علیم محمد عظیم کے تحت جگر منیر الحق المعروف کعبی بہل پوری ۲۶ جنوری ۱۹۳۶ء کو جلاپور کی نزدیکی بستنی بہل پور میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ ہائی اسکول جلاپور جناس سے میٹرک کرنے کے بعد درس و تدریس سے رابطہ جوڑ لیا۔ ایم اے کیا تو کالج میں لیکچرار مقرر ہو گئے۔ آجکل مسٹنٹ پروفیسر ہیں۔ "سلام رضا" "تضمین" و "تفہیم اور تجزیہ" اور "زرگ خواب" دو کتب شائع ہو چکی ہیں جن میں اول الذکر تنقیدی اور آخر الذکر شعری مجموعہ ہے۔ "حمد" اور "نعت" دو شعری مجموعے زیر طبع ہیں۔

تجھ کو نہیں جو غم کی تاب پھیند دے ذکر آجناپ
مخ تصورات میں صبح سے تا سواد شام
وجہ وجود کائنات ایک نگاہ التفات
خاک در حضور سے لے کر غبار نور سے
چاک ہیں پیر ہن ہوئے، خاک چمن چمن اڑے
دست ستم ہے حکمران جبر ہے ہر طرف رواں
اے کہ ہے تیرے بات میں بخش حیات و کائنات
مرمت تیری اگر ہو نہ ہمارے ہم سفر
دولت حسن خلق بھی آخر کار چمن گئی
دتر وہم دے الٹ ایک نگاہ ناز سے

یاد حضور کے طفیل دل کا مناسب اضطراب
شام سے تا کنار فجر گھوما پھر امیں خواب خواب
میری نگارشات بھی پامیں قبول انتخاب
سوچ ہو میری مستحیر فکر ہو میری مشک تاب
منظر کشاد چرخ، آج وطن کے شیخ و شاب
حیف ہے تیرے نام سے ظلم کا سارا آکتاب
اے کہ تیرا ہی دین ہے ضامن عمر انتقاب
امن ہو منتشر تمام چین ہو سرسبز خراب
امت مسلمہ سبھی بھول چکی وہ اک نصاب
جلوہ نما کہ مطلق ہے پھر سے امیر ارباب

(۳۰)

۲۸۔ ممدی چوہان

ممدی علی خان ولد چوہدری رحمت خان کیم مارچ ۱۹۳۷ء کو موضع ڈڈے نزد جلاپور جناس میں پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم موضع سانگل میں حاصل کی۔ نڈل کا امتحان بیرو شاہ سے پاس کیا۔ اور میٹرک اسلامیہ ہائی اسکول جلاپور جناس سے کرنے کے بعد "معلیٰ کا پیشہ اختیار کیا۔ کم عمری سے ہی شعر کہنے لگے۔ اردو اور پنجابی میں انہما خیال کرتے ہیں۔ آپ جناب دی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ "غریب دی پکار"۔ "شکوہ جواب شکوہ" اور "جبر کے زمانہ میں" آپ کی شعری کاوشیں ہیں۔

حلقہ تحریر سے بالا ہے جس کی داستاں ہے محمد مصطفیٰ وجہ وجود دو جہاں
جس کے قدموں میں ملائک سر سجدہ ہو گئے آدم خانی کے پیکر میں تھا یہ راز نہاں
چہرہ انور چہپائے عہدہ میں لاکھ بار چشم پینا دلچلی لیتی ہے بلا وہم و گماں
آمد سرکار عالم ہے ذرا پردے کی بات استان مشتق ہے یہ از زمیں تا آسماں

۱۷۸

پشیم - عشق دور میں ہو تب نظر آتا ہے وہ
وہ سر پای نور ہے وہ رحمت للعالین
دین و دنیا میں ہے سرمایہ فقط عشق رسول
خالق ارض و سما کا وارث کون و مکان
وہ زمانے کا نگہاں وہ جہاں کا سرپاں
زندگی ممدی سوا جس کے ہے ساری دنیا کاں
(۳۰)

۲۹۔ ندیم جلاپوری

شوکت علی نام اور ندیم تخلص ہے۔ آپ کو شعر و سخن سے کنارہ کے تقریباً اٹھائیس سال ہو چکے ہیں۔ اس لئے جلاپور میں آپ کو حیثیت شاعر کوئی نہیں جانتا۔ آپ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۹ء کو ٹنڈو مظفر کے ہاں جلاپور جناس میں ہی پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ اسلامیہ ہائی اسکول سے میٹرک کرنے کے بعد درس و تدریس کے شعبے کو اپنایا۔ کم عمری میں ہی شعر کہنا شروع کئے تھے اور پھر چند سال تک مقامی اخبارات و رسائل چ اپنی تحریریں یادگار چھوڑ کر جلد ہی اسے ترک کر دیا۔ البتہ تین بیانیوں آپ کے پاس محفوظ ہیں۔ ماہرین الاول کی مناسبت سے اکتیہ رنگ ملاحظہ ہو۔

شاہ والا کی ولادت کا مہینہ آیا
میرے آقا کی غلامی میں یہی تو راز ہے
مشکلوں میں ہوں کرم کی اک نگاہ فرمائیے
تیری بزم ناز کا بھج پر یہی تو ہے اثر
دولت دنیا دین، فکر و عمل ہم کو ملے
تھی جو میری دھڑکنوں میں وہ لیوں پر آئی
اس ندیم بے نوا کے بھی مقدر دیکھئے
کفر اور باطل کے ماتھے پر پسینہ آیا
جو کہ نالاں تھے کبھی ان کو بھی جینا آیا
دہر کے گرداب میں میرا سفینہ آیا
آتے آتے غم اٹھانے کا قرینہ آیا
رحمتوں کے بحر سے کتنا خزینہ آیا
اب سمجھتا ہوں کہ جینے کا قرینہ آیا
خیند کیا آئی کہ سینے میں عینہ آیا
(۳۰)

۳۰۔ افتخار رقم

جلاپور جناس کے نواحی گاؤں "داؤد پور" میں جناب غلام حیدر کے گھر دو بچوں نے جنم لیا۔ محمد انعام راشد اور محمد افتخار الحق۔ اول الذکر ایک مزاح نگار اور مترجم افتخار رقم تخلص کے ساتھ ایک شاعر کی حیثیت سے سامنے آئے۔

محمد افتخار رقم ۳۱ اپریل ۱۹۵۷ء کو پیدا ہوئے۔ پرائمری تک تعلیم گورنمنٹ پرائمری اسکول منڈیال سے حاصل کی۔ اسلامیہ ہائی اسکول جلاپور جناس سے میٹرک کیا۔ زمیندار ڈگری کالج کجرات سے ایف ایس سی اور پنجاب میڈیکل کالج فیصل آباد سے ایم بی بی ایس کرنے کے بعد کلینک کرنے لگے۔ آپ کا اکتیہ مجموعہ "اسم احمد" شائع ہو چکا ہے۔

۱۷۹

وہ امام مرسلین، محبوب رب العالمین
پیشوائے اصفیاء ہیں رہنمائے اذکیاء
وہ سرپا خاکساری، سادگی، پاکیزگی
فخر اول، فخر آخر، فخر حق، فخر امام
بعثت و الہام کا عنوان ان کی ذات ہے
ان کے مداحوں میں اللہ خود سرفہرست ہے
کور چشموں کو انہوں نے کی ہے بینائی عطا
راخ العہد و قوی العزم و شائستہ عمل

انفس و آفاق میں ان ساکبیں کوئی نہیں
وہ رئیس راستیں ہیں وہ امیر مقبلین
نخوت و فخر و تکلف ان میں ذرہ بھر نہیں
فخر عالم، فخر آدم، فخر دنیا، فخر دین
ان کا اٹھنا بیٹھنا تفسیر آیات نہیں
آگے آگے ہے صفِ خدام میں روح الامیں
دہم خوردہ ذہن کو گلے ہیں انوار یقین
دشمنوں کی بھی نظر میں ہیں وہ صادق اور امین
(۳۰)

۳۱۔ اشفاق ایاز

ترجمہ 'افسانہ اور شاعری کا ایک نام محمد اشفاق ایاز ۸ جون ۱۹۵۸ء کو جلاپور جنال میں
پیدا ہوا۔ آپ کے والد کا نام جناب محمد اسماعیل ہے۔ اشفاق نے ابتدائی تعلیم، تعلیم الدین ہائی اسکول جلاپور
جنال سے حاصل کی۔ سرسید کالج کجرات سے ایف ایس سی کیا۔ بعد ازاں بی اے اور ایم اے کیا۔ اردو
ڈائجسٹ روزنامہ نوائے وقت، روزنامہ جنگ کے علاوہ کئی رسائل میں باقاعدگی سے لکھتے رہتے ہیں۔ روزنامہ
مشرق اور روزنامہ امروز میں بھی آپ باقاعدگی سے لکھا کرتے تھے۔ ۵ سال تک ہفت روزہ "صدائے فیصل"
کے چیف ایڈیٹر رہے اور آجکل ماہنامہ "ناوک" کے چیف ایڈیٹر ہیں۔

ہوا نظر کرم کا جب اشارہ چپکے چپکے
زمین سے تا فلک وصل علی کا درد جاری
خدا کو اس قدر پیاری لگی وہ کالی کالی
فراز طور پر بس اک تجلی اور بیتاں پر
کرم کی ایک ہی بارش نے کر ڈالا ایاز
شفاعت کا مری آیا بلاوا چپکے چپکے
خلق کیا خالق کُل کا وظیفہ چپکے چپکے
جہاں کا بن گئی رنگیں لبادہ چپکے چپکے
سبھی پردوں تجابوں سے کنارہ چپکے چپکے
مری ہر یہ بغضی میں اجالا چپکے چپکے
(۳۰)

۳۲۔ کلیم احسان بٹ

پروفیسر کلیم احسان بٹ جلاپور جنال کی ایک متحرک ادبی شخصیت ہیں۔ آپ ۵ دسمبر ۱۹۶۳ء
کو احسان اللہ بٹ کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے قبیلے سے حاصل کی۔ پھر زمیندار کالج کجرات سے
ایم اے کرنے کے بعد لیکچرار شپ اختیار کر لی۔ آپ اچھے شاعر، نقاد اور محقق ہیں۔ "کجرات میں اردو"
شاعری، آپ کی تحقیق کاوش اور "موسم گل حیران کھڑا ہے" شاعری مجموعہ ہے۔

حرف پلہ بھی نہ تھے نعت کے واسطے
کوہ و صحرا میں ذکر نبی عام ہے
پڑھ رہی تھیں ہوائیں درود و سلام
دل پھلوں کے محبت سے لبریز ہیں
جو بھی پیدا کیا، جن، ملائک، فر
اتا روشن رہا دل مرا دوستو
کون ہے اس جہاں میں جو عاجز رہے
یا خدا میری کرنا خطائیں معاف
میں نے موتی بنے نعت کے واسطے
موج دریا چلے نعت کے واسطے
جب پرندے اڑے نعت کے واسطے
رس ٹپکنے لگے نعت کے واسطے
اس نے پیدا کئے نعت کے واسطے
بچنے مضمون طے نعت کے واسطے
خود خدا جب کئے نعت کے واسطے
شعر کم ہو سکے نعت کے واسطے
(۳۰)

۳۳۔ رفیق انجم

محمد رفیق نام اور تخلص انجم کرتے ہیں۔ آپ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۵ء کو محمد امین ڈار کے ہاں پیدا
ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ تعلیم الدین ہائی اسکول جلاپور جنال سے حاصل کی۔ زمیندار ڈگری کالج
کجرات سے کریجویشن اور ایل ایل بی۔ ایم اے (سیاسیات) اور ایم اے (اردو) لاہور سے کیا اور گورنمنٹ
عبدالمتی اسلامیہ کالج جلاپور جنال میں لیکچرار مقرر ہوئے۔ "پلکوں کے سائے تلے" آپ کا مجموعہ کلام
ہے۔

قرار بن کے دقار بن کے صداقتوں کا مینار بن کے
اڑ کے آئے حرا سے آقا، زمانے بھر کا نکھار بن کے
یہ پھاند، تارے پہاڑ، دریا، انہی کے صدقے بنا جہاں یہ
منک رہا ہے انہی کے دم سے جن یہ سارا بہار بن کے
حضور آئے تو ایک کپل میں بدل گئی بے کسوں کی قسمت
نجانے کب سے پڑے ہوئے تھے جو حسرتوں کے مزار بن کے
چا لیں آقا کرم سے اپنے، ہوا ہے دشمن سلج سارا
پڑی ہیں آلائشیں زمانے کی مجھ پہ ساری غبار بن کے
چمک رہا ہے انہی کے دم سے مرا یہ خاکی وجود انجم
انہی کے در کی یہ روشنی ہے جو چھائی مجھ پہ بہار بن کے
(۳۰)

امجد حسین نام اور آسی تخلص ہے۔ آپ ۱۸ مئی ۱۹۶۷ء کو جلاپور جنٹلمن اسکول کی نواتی بستوں داؤد پور میں محمد انور کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسی دیہات سے حاصل کی۔ پھر عبدالحق اسلامیہ کالج جلاپور جنٹلمن اسکول سے ایف اے کیا اور اسکول ماسٹری اختیار کر لی۔ اپنے ارد گرد کے ادبی ماحول سے متاثر ہو کر شاعری اختیار کی اور حافظ محمد اشیر آزاد کی شاگردی اختیار کی۔ ابتداء غزل سے ہوئی لیکن استاد کے لئے اور ان کی توجہ سے نعت کی طرف مائل ہوئے۔ اور اب اکثر نعت ہی کہتے ہیں۔

رسول پاک کی جس انجمن میں بات ہوتی ہے خدا کی رحمتوں کی اس جگہ برسات ہوتی ہے
نعت ان کا تصور جب میری سوچوں کی زینت ہو
جب ہی اس گھڑی کچھ صورت حالات ہوتی ہے
غلامان محمد کے لئے سوگات ہوتی ہے
نبی کے شہر کی مٹی کو بھی چہرے پہ مل لینا
عنايت اور شش کی جہاں خیرات ہوتی ہے
کنگوارو چلو دامن بھریں اپنے وہاں جا کر
سری غم خوار اور مونس نبی کی ذات ہوتی ہے
نہیں ہوتا مصیبت میں کوئی جب پوچھنے والا
وہاں تو اس ضلالت کی اندھیری رات ہوتی ہے
جہاں میاں نبوی کی کوئی محفل نہیں ہوتی
جو دلتے رہے سرکار کے دامن رحمت سے
ہمیشہ جیت جاتا ہے اسے کب بات ہوتی ہے
(۳۰)

۳۵۔ ڈاکٹر شہزادہ پریتی

شہزادہ صفدر نام اور شہزادہ پریتی قلمی نام ہے۔ آپ ۹ دسمبر ۱۹۷۱ء کو مرزا صفدر بیگ کے ہاں جلاپور جنٹلمن اسکول میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ایک عالم اور سلیم تھے لہذا آپ نے بھی گریجویشن کے بعد ڈی ایم ایچ ایس کیا اور حیثیت: ڈیویو پیٹھک ڈاکٹر والد کی وفات کے بعد کلینک سنبھال لیا۔ اور نثر و نظم میں طبع آزمائی کر کے علمی ورثے کی لاج بھی رکھی۔

سبحان اللہ یہ کس کا نام ہو نٹوں پر مرے آیا
سادس اور اندیشے سبھی دل سے گئے میرے
وہ اک قوت اب اپنی ذات میں محسوس کرتی ہوں
سری خوش قسمتی ہے یہ کہ جس در کی میں سائل ہوں
پریتی نام نامی وہ محمد مصطفیٰ کا ہے
کہ ہر اک درد و غم خود آپ مجھ کو چھوڑ کر بھاگا
پوتر نام جب ان کا مرے سینے میں آترا
کہ جی میرا نہیں ظلم و ستم سے آج کھیراتا
شہنشاہوں کو بھی میں نے جھکاتے سر وہاں دیکھا
لوہن کر مری ہر ایک رگ میں جو سویا ہے
(۳۰)

محمد صدیق تخلص بہ ناصح ۱۲ فروری ۱۹۷۲ء کو جلاپور جنٹلمن اسکول میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام رحمت اللہ ہے۔ ناصح نے میٹرک اپنے قصبے سے اور بی اے کجرات سے کیا۔ میندار کالج کجرات سے ایم اے کا امتحان پاس کیا۔

دل میں جو عشق محمد کو بنا لیتے ہیں اپنے سینے کو مدینہ وہ بنا لیتے ہیں
امتی پر ہی نہیں ان کی نگہ لطف و کرم وہ تو فیروں کو بھی سینے سے لگا لیتے ہیں
وہ بھلا کیسے کریں خواہش جنت ناصح میرے سرکار جنہیں در پہ بنا لیتے ہیں
(۳۰)

ان شعرا کے علاوہ ایسے بہت سے نام بھی ادبی دنیا میں سامنے آئے جن کا تعلق جلاپور جنٹلمن اسکول سے تھا۔ لیکن چونکہ نعتیہ حوالے سے ان کی کوئی تحریر نظر سے نہیں گزری اس لئے میں ضروری نہیں سمجھتا کہ ان کے نام تحریر کے جائیں البتہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو باہر سے آئے۔ پتہ غم۔ یہاں رہے اور اپنی پیشہ ورانہ خدمات ادا کر کے چلے گئے۔ مثلاً منظر جمہوری صدیق طالب انوار الحق ظہوری ڈاکٹر خالد عمر ان خالدی ڈاکٹر نبی شش سنگلی محمد ظہور ناصر زبیر ضیافتی۔

باہر سے آنے اور پھر چلے جانے والے ان حضرات کا کام و تعارف طوالت کے باعث پیش کرنے سے اجتناب ہوا تو ان کا البتہ اپنے ایک نعتیہ شعر کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔

روز محشر کیجئے مجھ کو قبول اس شفیع اللہ نہیں پیار رسول ﷺ

مآخذات

- ۱۔ کجرات کی بات۔ اسحاق آشتی۔ ۱۱ مئی ۱۹۹۱ء
- ۲۔ نیاتین اینڈ بیونس ڈائریکٹری جلاپور جنٹلمن اسکول۔ طارق محمود انس نے ۱۹۹۰ء
- ۳۔ مولوی احمد یار گلوتے فن۔ شہباز ملک۔ ۱۱ نومبر ۱۹۸۳ء
- ۴۔ جناب میں اردو۔ محمود شیرانی۔ ۱۱ نومبر ۱۹۷۲ء
- ۵۔ پورن بھینڈار (دوسرا ایڈیشن)۔ چتر داس سواری۔ کجرات ۱۹۲۰ء
- ۶۔ کجرات میں اردو شاعری۔ پروفیسر ظہیر عظیم احسان نے۔ جلاپور جنٹلمن اسکول ۱۹۹۶ء
- ۷۔ سیف اللہ امین علی رؤس الفاسقین۔ نورمانی و عبد الستار سمیرا۔ ۱۱ نومبر ۱۹۲۸ء
- ۸۔ ظہور صدقت (بار دوم)۔ پروفیسر ظہور شاہ۔ ۱۱ نومبر ۱۹۳۱ء
- ۹۔ اخبار کجرات۔ جلاپور جنٹلمن اسکول۔ ۱۹۲۸ء
- ۱۰۔ سیف مرید بر فرقہ پرستی۔ میر محمد الدین۔ ۱۱ نومبر ۱۹۲۳ء

ملحت

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

۹۔ روزنامہ امروز۔ لاہور ۲۲ اپریل ۱۹۸۳ء

روزنامہ امروز لاہور۔ ۲۰ مئی ۱۹۸۳ء

۱۰۔ شمرستان۔ نعمان تاثیر، مظہر صدیقی۔ کراچی ۱۹۵۲ء

۱۱۔ نعت رنگ۔ شمارہ ۶۔ صبحِ رحمانی۔ کراچی۔ ستمبر ۱۹۹۸ء

۱۲۔ پنجابی سلیبس برائے بی اے۔ پنجاب یونیورسٹی

۱۳۔ گوہر یارے۔ خواجہ اللہ دے گوہر کاشمیری جلاپوری۔ کجرات۔ ۱۳۰۳ھ

۱۴۔ خضنگان خاک کجرات۔ ڈاکٹر منیر احمد سلج۔ لورال (کجرات) ۱۹۹۶ء

۱۵۔ نونہ نور۔ علامہ حامد الوارثی۔ فیصل آباد۔ ۱۹۸۶ء

۱۶۔ کجرات و پنجابی شاعر۔ ڈاکٹر منیر احمد سلج۔ غیر منظر

۱۷۔ ماہنامہ ناک۔ جلاپور جنٹلمن۔ ستمبر ۱۹۹۳ء

۱۸۔ اردو ادب اور عساکر پاکستان (جلد اول حصہ اول) شاکر کڈاں۔ کڈاں (سرگودھا) ۱۹۹۷ء

۱۹۔ اردو نعت اور عساکر پاکستان۔ شاکر کڈاں۔ ماہنامہ نعت لاہور۔ نومبر ۱۹۹۷ء

۲۰۔ شان محمد۔ محبت خان بخش۔ کوہاٹ۔ ۱۹۸۳ء

۲۱۔ ذاتی بیاض شہیر سابر (مرحوم) جلاپور جنٹلمن

۲۲۔ انوار شہ لولاک۔ آفتاب وارثی۔ جلاپور جنٹلمن۔ سن

۲۳۔ حال و خیال۔ تبسم کاشمیری۔ جلاپور جنٹلمن۔ سن

۲۴۔ پاکستانی اہل قلم کی ڈائریکٹری۔ اکادمی ادبیات اسلام آباد۔ ۱۹۹۳ء

۲۵۔ جہان آرزو۔ ہاجرہ مشکورہ صبری۔ لاہور ۱۹۹۳ء

۲۶۔ اپنی گلیوں میں اجنبی۔ اسلم میر۔ کراچی۔ ۱۹۸۲ء

۲۷۔ اردو ادب اور عساکر پاکستان (جلد اول حصہ دوم) شاکر کڈاں۔ زیر طبع

۲۸۔ بیار نعت۔ حفیظ صاحب۔ لاہور۔ ۱۹۹۰ء

۲۹۔ کجرات کے اردو نعت گو شعراء۔ ڈاکٹر منیر احمد سلج۔ ماہنامہ نعت۔ لاہور۔ فروری ۱۹۹۸ء

۳۰۔ حب وطن۔ ضیاء جلاپوری۔ جلاپور جنٹلمن۔ ۱۹۹۶ء

۳۱۔ شب تار۔ ۱۹۹۶ء

۳۲۔ پرو فیسر علیم احسان نے کلام فراہم کیا۔

۳۳۔ چوہدری محمد اشرف نمبر دار عالم گزرا سے بات چیت۔

۳۴۔ کلام اور تعارف آپ کے بیٹے جان مضطر نے فراہم کیا۔

۳۵۔ قلمی تحریر محمد اسحق خواجہ ایڈووکیٹ لہ گوہر کاشمیری۔

۳۶۔ تعارف آپ کے بھائی خالد فاروقی (منڈہال) نے فراہم کئے۔

۳۷۔ نعت سید عارف محمود مجبور رضوی سے حاصل کی۔

۳۸۔ نذیر احمد اور شہیر سابر سے بات چیت۔

۳۹۔ تعارف اشفاق شاہین جلاپور جنٹلمن سے حاصل کیا۔

۴۰۔ تعارف اور کلام اور است شعراء کرام سے حاصل کئے۔

جگن ناتھ آزاد (بھارت)

(محفل نعت میں ایک رات)

وہاں کل رات جنت کا نظارا تھا جہاں میں تھا
عجب اک کیف پیہم آشکارا تھا جہاں میں

زمیں کا مرتبہ اس کے سوا اب اور کیا کہیے
کہ ذرہ خاک کا گردوں کا تارا تھا جہاں میں تھا

زمیں سے عرش تک تھا ایک کیف بے خودی طاری
کہ اک نام مقدس جلوہ آرا تھا جہاں میں تھا

منور رات کا دل تھا تجلی خیز نغموں سے
وہاں تلمت کا دامن پارہ پارہ تھا جہاں میں تھا

دلوں کے درد کی آباد تھی دنیا زہانوں پر
سعادت نے عجب نقشہ اتارا تھا جہاں میں تھا

یہ تھی وہ سردی محفل کہ اس محفل کا ہر لمحہ
عقیدت نے محبت سے سنوارا تھا جہاں میں تھا

وہ دانائے سبل، ختم الرسل کا ذکر تھا جس کا
میسر اہل باطن کو سہارا تھا جہاں میں تھا

☆

تابش دہلوی (کراچی)

سڑ جاں جب نظر پہ کھتا ہے
در خیر البشر پہ کھتا ہے
ان کی رحمت سے میرا حرف دعا
کھل کے باب اثر پہ کھتا ہے
سایہ گستر ہے دامن رحمت
یہ نشاں بحر و بر پہ کھتا ہے
طیبہ ہوتا ہے منزل مقصود
جب قدم رہ گزر پہ کھتا ہے
غرفہ وائیل و والیعی کا ہنوز
روز شام و سحر پہ کھتا ہے
جب بھی ذکر رسول کرتا ہوں
اک اچالا سا گھر پہ کھتا ہے
اک تجلی حرم میں ہے ہر سو
یہ بھی منظر نظر پہ کھتا ہے
دیکھنا ہے کہ آسمان حرم
کیا مرے بال و پر پہ کھتا ہے
جوش تعمیر میں وہ دست ہنر
ختہ ہر بام و در پہ کھتا ہے
منفعل اشک ہیں گھر تابش
یہ مری چشم تر پہ کھتا ہے

☆

حرم کا دیدہ بیدار روضۃ الجنۃ
ازل نما، ابد آثار، روضۃ الجنۃ

جہاں پہنچ کے سکوں پائے دیدہ بھی، دل بھی
وہ پر بہار و پر انوار روضۃ الجنۃ

ہر اسطوانہ ہے عہد رسولؐ کا عکاس
ہر آن پایا ضیا بار روضۃ الجنۃ

سدا دکھاتا ہے خیر القرون کے منظر
ہے گویا آئینہ بردار روضۃ الجنۃ

مہک رہا ہے جو انفاس زیت پرور سے
وہ حسن و خیر کا گلزار روضۃ الجنۃ

ریاض خلد سے وہ روضہ جان اہل نظر
نشاط حلقہ ابرار روضۃ الجنۃ
☆

رحمت ذوالجلال
قدسیوں کا جمال
بیکراں بنے مثال

م ح م د

☆☆☆

آسمانوں سا قد
صبح جیسا وجود
پس بھی پیش آفریں
غیب، اصل شہود

جس کی چپ بھی خطیب

جس کا دکھ بھی طیب

جس کی طب بھی کمال

م ح م د

☆☆☆

جس کے دربار میں
حکم قرآن چلے
جس کی رفتار میں
نبض دوراں چلے

رُخ ہواؤں کو دے

ابتداؤں کو دے

خوبصورت مائل

☆☆☆

شاخ گل دے گیا
تازیانے کے ساتھ
فقر بھی رکھ دیا
ہر خزانے کے ساتھ

جب ہوں دکھ سانسے
آئے وہ تھانے
ہجر جس کا وصال
م ح م د
☆☆☆

کبریا کا مرید
انبیا کا امام
اُس پہ لاکھوں درود
اُس پہ لاکھوں سلام
جس کا وعدہ، یقین
جس کی چاہت بھی، دیں
شرح دین، جس کی آل
م ح م د
☆☆☆

دھڑکنوں میں سنوں
اُس کے قدموں کی چاپ
ایک اچھتی نظر
دھوئے عمروں کے پاپ

دید حق جس کی دید
وقت، جس کا مرید
جس کا فردا بھی حال
م ح م د
☆☆☆

صبر اس کی اساس
فقر اس کا لباس
ہاتھ خالی مگر
دو جہاں اس کے پاس
اس کے فائقے رئیس
غم زدوں کا انیس
تہی دستوں کا مال
م ح م د
☆☆☆

صحن فردوس میں
وہ تہجد پڑھے
جہوم اٹھے عرش بھی
جب تشہد پڑھے

حق نماحق جواز
عشق جس کی نماز
حسن، جس کا خیال
م ح م د
☆☆☆

خدا کا شکر کہ مجھ پر ہوا ہے آئینہ
مرے وجود کی تخلیق کا جو ہے منشا
خدا نے اس لیے آنکھیں مجھے ودیعت کیں
کروں حضور کا دیدار، جلوہ در جلوہ
نظر نظر میں اُتاروں کرن کرن وہ جمال
سفر حرا سے کروں تابہ گنبد خضرا
قدم دیئے کہ دیار حبیب میں پہنچوں
جییں، کہ مسجد سرکارؐ میں کروں سجدہ
دماغ و دل مجھے اس واسطے ہوئے تقویض
دماغ و دل پہ رہے اُن کے عشق کا قبضہ
حواسِ شمسہ کے آئینے جڑ دیے مجھ میں
کہا کہ عشقِ نبیؐ ہے ان آئینوں کی جلا
شعور و عقل سے یوں بہرہ ور کیا مجھ کو
کہ اختیار کروں اُن کا اُسوۂ حسنہ
زباں جو دی تو وظیفہ بھی کر دیا تجویز
انھی کا ذکر، انھی کا بیاں، انھی کی ثنا
محیط جاں کو کیا اُن کے عشق سے لبریز
کہ اپنے جوشِ تلاطم سے پر رہے دریا
بس اُن کا عشق، بس اُن کی اطاعت کامل
پہنچنا چاہیں خدا تک تو ہے یہی رستہ
انھی میں محو رہوں اور انھی سے کام رکھوں
الہی مجھ کو یہ توفیقِ مرحمت فرما

☆

سرور ایسا کہ لب ہو سکے نہ لب سے الگ
جمال مصطفویؐ ہے جمال رب سے الگ

ہم ان کے نام پہ ہاتھوں سے آنکھیں چومتے ہیں
عطا کیا ہے خدا نے مقام سب سے الگ

تمام پیکرِ برکت، تمام خیر کثیر
کہ اس کی ذات ہے ہر غیض ہر غضب سے الگ

وقا ورد زباں ان کے نام کی تسبیح
انھیں میں کیسے کروں اپنے روزِ شب سے الگ

نزولِ رحمت پروردگار میرا نصیب
ہے میرا کارہ دل، کارہ طلب سے الگ

یہ مرتبہ تو کسی کے نصیب ہی میں نہ تھا
ہیں انبیائے زمانہ میں آپ سب سے الگ

یہ ان کی ذاتِ گرامی کا فیض ہے محسن
کوئی بھی حرف نہ لکھا گیا ادب سے الگ

☆

جمال پانی پتی (کراچی)

متاع دو جہاں پائی تری مدحت سرائی سے
 کمائی اور کیا دنیا میں اچھی اس کمائی سے
 تمھارا نام آقا دل کی تختی پر لکھا ہم نے
 محبت کے قلم سے آرزو کی روشنائی سے
 نبی کا نور کیا ظلمت سرائے دہر میں چمکا
 ہوا روشن جہاں سارا جمال مصطفائی سے
 ترے نور ہدایت سے زمانے کو ملی منزل
 نشاں حق کا ملا دنیا کو تیری رہنمائی سے
 تری عقدہ کشائی سے کھلے عقدے سبھی دل کے
 ہوئیں سب مشکلیں آساں تری مشکل کشائی سے
 وہ دولت بادشاہوں کے خزانوں میں نہیں ملتی
 جو ملتی ہے گداؤں کو ترے در کی گدائی سے
 پئے گل دستہ نعت نبی چن چن کے لایا ہوں
 ذرا دیکھو تو! کیا کیا پھول باغ مصطفائی سے
 جمال اس سے علوئے مرتبت کا ہو بیاں کیسے
 پرے ہے مرتبہ جس کا تخیل کی رسائی سے

☆

احمد جاوید (لاہور)

چشم تر جلوہ گہہ دوست میں کام آئی نہیں
 منزل دید پہ درکار یہ بینائی نہیں
 دل میں اُس حرف کے مانند ہے نسبت اُن کی
 کہ جو شرمندہ خاموشی و گویائی نہیں
 کون سی راہ ہدایت ہے جو اس ہادی نے
 دل کو دکھلائی نہیں عقل کو سمجھائی نہیں
 دل ہے وہ حجرہ مہمانی دلبر جس میں
 غیر تو غیر ہے اپنی بھی پذیرائی نہیں
 دیکھ اے شمع شبستانِ حرا اپنی لپک
 تپش اظہار نہیں شعلہ سینائی نہیں
 میں نے بھی نذر گزاری تھی متاع دل و جاں
 شکر صد شکر کہ سرکار نے ٹھکرائی نہیں
 آنکھ کا ذکر ہی کیا ہے جو انھیں دیکھ سکے
 دل عارف نے ابھی تک وہ نظر پائی نہیں
 کاش اُس بات سے بیگانہ رہیں یہ لب و گوش
 جو میرے سید و سرکار نے فرمائی نہیں
 چاک پیراہن ہستی کو رُو کرتے ہیں
 اُن کے دیوانے بڑے لوگ ہیں سودائی نہیں

☆

اسلم انصاری (ملتان)

اے شبستان حرا!

اے شبستان حرا

اے دل سنگ میں ٹھہرے ہوئے اک نقش جمیل
اے کہستان جمادات میں جاگی ہوئی تقدیر کی لو
اے نہاں خانہ ہستی کے خزینوں کی ضیا
اے دل آدم و عالم کی دعا

اے شبستان حرا!

صبح آفاق نے مانگی تھی ترے ذروں کی نایدہ کرن
تو نے سیکھا تھا ازل سے درامکاں کی طرح وارہنا
کہکشائیں تری دلہیز سے گزری ہیں زمانوں کی طرح
اور ---- زمانے، جو مہ و سال ہیں ----

سانس رو کے ہوئے

اور سر کو جھکائے ہوئے، آتے ہیں یہاں
فیض روانی کے لیے

سب عبارات و اشارات ہیں خاموش یہاں
حسن معانی کے لیے!

اے شبستان حرا،

اے لب ہستی کی دعا

اے دل آدم و عالم کی تمنا کی مثیل

اے گزرتی ہوئی آنات میں اک قائم و دائم کی دلیل
تو وہ خوش بخت کہ اُس مہر جہاں تاب نے بخشا تجھے جلوؤں کا ہجوم

حسن انفاس کا تزیینہ و تعطر تری محراب کو فردوس نما کرتا تھا،
تیرے دامن میں ہوا صبح رسالت کا طلوع ----

اے دل آدم و عالم کی دعا

اے شبستان حرا!

اے شبستان حرا!

☆☆☆

عنوان چشتی (بھارت)

عشق کی جوت اور دل کا نگینہ تیرے نام
تیرے نام اے شاہ مدینہ تیرے نام

یوں تو فقیر عشق ہے خالی ہاتھ، مگر
کرب کی دولت، غم کا خزینہ تیرے نام

ذڑہ ذڑہ تیرے نور سے روشن ہے
لمحہ لمحہ وقت کا زینہ تیرے نام

عشق دریا موج میں ہے پھر اے ماٹھی
روح کا لنگر، دل کا سفینہ تیرے نام

جینے کے آداب ہیں تیری دین مگر
مرنے کا ہر ایک قرینہ تیرے نام

میرے کفر و دیں کی حقیقت کچھ ہو مگر
ذہن کا کعبہ، دل کا مدینہ تیرے نام

میرے نشاط و غم کا محور تیری ذات
ماہ محرم، عید مہینہ تیرے نام

☆

(☆ اگرچہ بنیادی طور پر، یہ لفظ (مہینا) ہندوستانی ہے۔ مگر اب اس کا الٹا "و" (ہے) سے بھی کیا جاتا ہے۔ مہینہ آخری "و" (ہے) کے ساتھ (مختصر اردو لغت از ترقی اردو بیورو۔ نئی دہلی) میں بھی ملتا ہے۔)

مظفر حنفی (بھارت)

غنجے غنجے کھلا محمدؐ
خوشبو سا پھیلتا محمدؐ

سینے سینے مہک رہا ہے
چاند کرن موتیا محمدؐ

کیسی اٹھلاتی پھرتی ہے
تلی پر لکھ دیا محمدؐ

ریشہ ریشہ دھوپ کے نیزے
سر پر کالی گھٹا محمدؐ

یوم ازل سے روز ابد تک
رحمت کا سلسلہ محمدؐ

سرتاپا عصیاں پیکر ہوں
مجھ کو دیکھنا محمدؐ

مرنے کے لاکھوں حیلے ہیں
جینے کا آسرا محمدؐ

ہر مشکل میں ہر آفت میں
پڑھے صل علی محمدؐ

☆

اے خدا کے آخری پیغامبر تجھ پر سلام
سب سے اونچا ہے خدا کے بعد تیرا ہی مقام

تو نے دنیا کو پڑھایا ہے سبق توحید کا
تو نے بھر بھر کے پلائے ہیں مئے وحدت کے جام

تیری فیاضی نے ذروں کو بنایا آفتاب
بن گئے اُونٹوں کے چرواہے زمانے کے امام

تیرے آنے سے چمن میں آگئی نازہ بہار
تو نے دنیا سے مٹایا کفر و باطل کا نظام

اسود و احمر کی تو نے ختم کر ڈالی تمیز
ایک ہی صف میں بٹھائے تو نے آقا و غلام

تیری امت کیوں نہ پائے ”خیر امت“ کا خطاب
تو ہے جب خیر البشر، خیر الرسل، خیر الانام

تو جہاں میں ہے خدا کا آخری پیغامبر
ختم ہے تجھ پر نبوت، تجھ پہ ہر نعمت تمام

لیلۃ الاسراء میں ”سدرہ“ پر رُکے روح الامین
اور سدرہ سے کہیں آگے ہوا تیرا مقام

شافع روز جزا اور ساقی کوثر ہے تو
تو حبیب کبریا ہے تو رسولوں کا امام

منحصر تیری اطاعت پر ہے انساں کی نجات
تیرا ہر اک حکم ہوتا ہے خدا ہی کا پیام

تو نے دنیا کو دکھایا ہے صراط مستقیم
تو نے دنیا سے مٹائے ہیں ضلالت کے ظلام

جب ہوا تیری نبوت کا زمانے میں ظہور
مٹ گیا کفر و نفاق و شرک و بدعت کا نظام

دونوں عالم کی سعادت ہاتھ آئے گی ظہور
جب بنے گا تو محمدؐ کے غلاموں کا غلام

☆

ہجر کی انتہا وصال، رات کی انتہا ہے دن صلی علی نبینا صلی علی محمد
یاد کو ہم سفر بنا ساعت ماہ و سال گن صلی علی نبینا صلی علی محمد

شوق کا کوئی مرحلہ، فکر کا کوئی زاویہ، علم کا کوئی سلسلہ اصل میں طے نہیں ہوا
آپ کے عشق کے بغیر آپ کے اعتبار بن صلی علی نبینا صلی علی محمد

صفحہ ہست و بود میں خلوت و جلوت حیات آپ کی ایک اک ادا آپ کی ایک ایک بات
لحہ بہ لحہ درج ہے کچھ بھی رہا ہو سال و سن صلی علی نبینا صلی علی محمد

میرے سفر کی شدتیں دشت زمانہ کھا گیا جو بھی پنا کھچا تھا میں آپ کے در پہ آ گیا
جسم بہت ہے پر سکوں روح بہت ہے مطمئن صلی علی نبینا صلی علی محمد

☆

حسن و آرائش دو جہاں آپ ہیں
تابش بزم کون و مکاں آپ ہیں

آپ جلوہ نما ہیں ازل تا ابد
دوسرے لفظوں میں جاوداں آپ ہیں

حد امکان سے آگے ہے نور آپ کا
لامکاں ہی نہیں لازماں آپ ہیں

جہل کی دھند ہے میرے چاروں طرف
حرف ادراک کی کھکشاں آپ ہیں

لو کے جھونکے مجھے چاندنی سے لگے
درد کی دھوپ میں سائباں آپ ہیں

دستیں کچھ ہمیں بھی عطا کیجیے
ہم ہیں محدود اور بیکراں آپ ہیں

اپنی نظریں وہاں تک پہنچتی نہیں
یہ خدا جانتا ہے کہاں آپ ہیں

☆

فلک سے آتے ہیں قدسی پنے سلام رسول
 بہت بلند ہے صل علی، مقام رسول
 ہر ایک عقدہ مشکل کا حل ہے آپ کی ذات
 ہر ایک درد کا درماں ہے درد نام رسول
 بشر ہے قابل تکریم آپ کے دم سے
 بشر پہ فرض ہے تکریم و احترام رسول
 نزول وحی الہی دلیل روشن ہے
 کلام خالق کونین ہے کلام رسول
 مطاف مہر و مہ و کہکشاں رہے گا مدام
 وہ شہر نور کہ ہے عکس صبح و شام رسول
 خدا کرتے کہ مرے عہد میں پلٹ آئیں
 وہ ماہ و سال وہ لمحے وہ صبح و شام رسول
 طواف کرتے ہیں شمس و قمر مرا دن رات
 کہ میرے دل کے مدینے میں ہے قیام رسول
 مری حیات رہ مستقیم پر ہے رواں
 مرے خیال میں ہیں سجدہ و قیام رسول
 میں اک زباں سے محمد کی مدح کیسے کروں
 ہزاروں مدح کا حامل ہے ایک نام رسول
 میں جاؤں گا در خیرالورا پہ نعت بہ لب
 مجھے یقین ہے ضرور آئے گا پیام رسول
 برائے اہل جفا بھی ہے ارمغان دعا
 زمانے بھر سے نرالا ہے انتقام رسول
 ثنائے خواجہ خدا پر ہی چھوڑیے کہ ایاز
 بشر کے بس کی نہیں مدحت تمام رسول

☆

درد درود شام و سحر، روز و شب کریں
 کیا جائیے حضور ہمیں یاد کب کریں
 ہم کو ملے گا اذن حضوری یقین ہے!
 پیدا کچھ اپنے دل میں حقیقی طلب کریں
 ہو جائیں بام و در کبھی روشن، مکان کے
 دل سے رسول پاک کا ہم ذکر جب کریں
 پھر دیکھیے وہاں سے بھی ہوگا ضرور حکم
 دل میں تو آپ قصد دیار عرب کریں
 امت میں ہیں حضور کی نعمت یہ کم نہیں
 ہاں کم ہے جس قدر بھی ادا شکر رب کریں
 بے شک گناہ گار ہوں، اُن کا تو ہوں غلام
 اس میں ہے کیا عجب جو مجھے بھی طلب کریں
 کم تر بہت ہیں، رکھتے ہیں نسبت مگر بڑی
 ہم عاصیوں کا کیوں نہ فرشتے ادب کریں
 ہر لمحہ اُن کے ذکر کی توفیق ادے خدا
 ہم عمر بھر نہ کر سکے جو کام اب کریں
 مل جائے حشر میں ہمیں دامن مصطفیٰ
 اس کے سوا خدا سے قمر کیا طلب کریں؟

☆

یہ ہے آرزو ہماری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
 وہ نظام نور باری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
 وہ سروں کی بے قراری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
 وہ شب دعا گزاری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
 وہ نگہ نگہ صدف میں تری فرقتوں کے موتی
 وہ دلوں کی آہ و زاری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
 جہاں ایک ایک ذرے کو ستارے چوتے ہیں
 یہ شعور خاکساری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
 وہ جو شہر ہاشمی ہے وہ جو غلد بندگی ہے
 وہی جنتوں کی کیاری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
 جہاں چہرہ چہرہ مل کر نظر آئے ایک چہرہ
 وہ جلوس بے شماری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
 وہ مدینہ دو عالم وہ جہاں سے امن جاگا
 وہ فضا کی چار یاری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
 جہاں سب یہ چاہتے ہیں کہ غبار راہ ہوتے
 وہ جنوں کی شہریاری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے
 جہاں حسرت غلامی میں ہے خسروی بھی تسنیم
 وہ دیار تاج داری کبھی ہم بھی دیکھ لیتے

☆

اگر کچھ علم ہے تو بس یہی ہے ا
 محمدؐ کو سمجھنا آگئی ہے
 عجب شان ثنائے احمدی ہے
 ہمارا ہمنوا اللہ بھی ہے
 نظر سوئے مدینہ جم گئی ہے
 تمنا آج پھر مچلی ہوئی ہے
 مدینے ہی کی خوشبو پر یقینا
 مری دنیائے دل مہکی ہوئی ہے
 انھیں کہیے نہ کیوں نور مجسم
 دو عالم میں انھی سے روشنی ہے
 جو اُن کے نام کی لذت نہ پائے
 تو پھر منہ میں زباں کس کام کی ہے
 اگر خالی ہو دل حب نبی سے
 نہیں ہے زندگی، شرمندگی ہے
 ندیم اُن ہی کا بس اک آسرا ہے
 جو اُن کا ہو گیا وہ جنتی ہے

☆

کسی کو کیا بتاؤں کون ہوں کس عہد کا ہوں
کھڑا، ناقہ سواروں کی قطاریں گن رہا ہوں

میں اپنے جسم کو اُس خواب پر قربان کر دوں
میں تیرے شہر کے رستوں کی مٹی ہو گیا ہوں

خدایا موت سے پہلے جھلک روئے نئی کی
خدایا تم کر دے دیکھ میں کیا مانگتا ہوں

یہ دریوزہ گرانِ عمر کیا سمجھیں گے مجھ کو
کہ میں تیرے غلاموں کے غلاموں کا گدا ہوں

زہے پیوند جن کے سامنے اظہار اب بھی
زمانے اور فرشتے دست بستہ دیکھتا ہوں

☆

روضہ شاہ پہ سوغات کے قابل کیا ہے
دو جہاں اُن پہ فدا ایک مرا دل کیا ہے

راہ طیبہ کے مسافر کو نہیں اس سے غرض
موج طوفان ہے کیا، عشرت ساحل کیا ہے

ایک بندے کے تصرف میں دو عالم دے دے
شانِ قدرت کے لیے بات یہ مشکل کیا ہے

کہکشاں تیری بدولت ہمیں ادراک ہوا
نقشِ پائے شہِ والا سے مماثل کیا ہے

دیدۂ قاصدِ امرئی پہ صحیفہ اترے
قابِ قوسین ہے کیا قرب کی منزل کیا ہے

جس کے کشکولِ بصارت کو دُر دید ملے
پوچھیے اُس سے کہ بینائی کا حاصل کیا ہے

اثرِ رعبِ جمالِ شہِ خواباں سے رشیدا
زرد سورج کا ہے چہرہ ماہِ کامل کیا ہے

☆

پروانہ جو بھی شمع رسالت سے دور ہے
منزل سے دور نور ہدایت سے دور ہے

ذکر نبی سے چشم ہی روشن نہیں فقط
دل کا یہ آئینہ بھی کدورت سے دور ہے

جس دل میں آرزوئے مدینہ نہیں وہ دل
مولائے کائنات کی رحمت سے دور ہے

ہے جس کے سر پہ سایہ دامان مصطفیٰ
سمجھو کہ وہ ہر ایک مصیبت سے دور ہے

عابد ہوا ہے جب سے در شاہ کا غلام
دنیاے مال و زر کی محبت سے دور ہے

☆

رحمت فراداں کے جاں فزا مینے میں
آپ کا غلام آیا، آپ کے مدینے میں

دو گھڑی کا جینا بھی کم نہیں مدینے میں
لذتیں ہیں صدیوں کی دو گھڑی کے جینے میں

زائرینِ روضہ ہیں روشِ مہ و انجم
تابِ حسن چہرے پر، موجِ نور سینے میں

آپ ہی سے روشن ہے چشمِ جاں کی بینائی
آپ ہی سے رونق ہے دل کے آئینے میں

اس خیال سے دل کی دھڑکنیں ہوئیں بیتاب
در سے لوٹ جاؤں گا درد کے سفینے میں

جالیاں ہیں روضے کی اب نگاہ میں تمثیل
احتیاط پیدا ہے شوق کے قرینے میں

☆

عجب اک نشہ خود آگئی ذہنوں پہ چھاتا ہے
محمد مصطفیٰ کا نام جب ہونوں پہ آتا ہے

میں شب کی ساعتوں کو ان پہ جب قربان کرتا ہوں
مجھے لگتا ہے جیسے کوئی مجھ میں جاگ جاتا ہے

انہی کی ذات سے ملتا ہے منزل کا نشان سب کو
انہی کا نور ہے جو راستہ سیدھا دکھاتا ہے

نہ خواہش محل کی مجھ کو نہ حسرت ہے مناروں کی
مجھے تو سبز گنبد کملی والے کا ہی بھاتا ہے

کبھی بھی زندگی میں کوئی مشکل پڑ نہیں سکتی
وہ اپنے چاہنے والوں سے یوں رشتہ بھاتا ہے

اسی سے جان لو رتبہ محمدؐ کا جہاں والو
کہ وہ ایسی حقیقت ہے قسم رب جس کی کھاتا ہے

مجھے ہو فکر کیوں اپنی صبا پھر روز محشر میں
محمدؐ سے جو رشتہ ہے محمدؐ سے جو نانا ہے

☆

چہرہ انور تھا بے شک آپ کا رخسارِ قر
جس پہ سو سو جان سے قربان ہوں لعل و گہر

عالم سکون کی تخلیق کا باعث بنی
آپ کی ذات گرامی اے شہ جن و بشر

یہ حقیقت سورہ "والنجم" سے روشن ہوئی
آپ کی ہر بات تھی وحی الہی سر بہ سر

کیسا تاثیر ہے ام گرامی آپ کا
نام لیتے ہی منور ہوتے ہیں قلب و نظر

آپ کی توصیف ممکن ہی نہیں کوئی کرے
ہے ثنا خواں آپ کا خود حق تعالیٰ سر بہ سر

پیش کرنا در گہہ نبویؐ میں بارق کا سلام
اے صبا جب گنبد خضرا سے ہو تیرا گزر

☆

تہی داماں پریشاں حال بے نام و نمو ہو کر
نحیف و ناتواں بے آسرا بے آبرو ہو کر

در اقدس پہ آپہنچا ہوں آقا! اور لوٹوں گا
کرم کی بھیک لے کر سر بلند و سرخ رو ہو کر

ادب سے سر جھکائے آپ ہی کے در پہ آتے ہیں
شہنشاہ و گدا سب بندگان آرزو ہو کر

پہنچتے ہی مدینے ہو گئیں ہیں اشکبار آنکھیں
کہ یہ بھی روضہ اطہر کو دیکھیں با وضو ہو کر

جنہیں عشق محمدؐ کی ملے دولت وہ جیتے ہیں
جہان رنگ و بو میں بے نیاز رنگ و بو ہو کر

میں جن راہوں سے بھی گزروں مہک انھیں وہ خوشبو سے
کہ لوٹوں یوں خیابان حرم سے مشک بو ہو کر

جو دیدار رخ پر نور افضل کو بھی ہو جائے
تو یہ سرکار کو دیکھے ادب سے رو بہ رو ہو کر

گلاب نعت سے سارا جہاں مہکتا ہے
زمیں مہکتی ہے اور آسماں مہکتا ہے

صہیب و روئی و سلمان فارسی و بلال
نبیؐ کے عشق میں ہر رازداں مہکتا ہے

درود پاک سے شام و سحر معطر ہیں
اس ایک ذکر سے سارا سماں مہکتا ہے

سچی ہے محفل نعت نبیؐ ہر اک گھر میں
دُور عشق سے ہر خانداں مہکتا ہے

مہک رہے ہیں در و بام نعت نغموں سے
درود پاک سے ہر آستاں مہکتا ہے

چلی ہے باد صلوٰۃ و سلام طیبہ سے
درود غنچوں سے گلزار جاں مہکتا ہے

اسی کے دم سے معطر ہیں سارے کوہ و دامن
ریاض نعت سے ہر گلستاں مہکتا ہے

حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ اور فروغ نعت

مجدد مسلک اہل سنت 'عاشق رسول ﷺ' محبت صحابہ و آل رسول، خطیب اعظم حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ کو دنیاے اسلام میں مثالی مرتبت و مقبولیت حاصل ہے۔ بلاشبہ وہ مسلک حق اہل سنت و جماعت کے ان علماء میں شمار ہوتے ہیں جو دین و ملت کا افتخار و اعتبار ماننے اور سمجھے جاتے ہیں۔ علماء و مشائخ اور عوام و خواص میں یکساں محبوب و محترم ایسی مذہبی ہستی گزشتہ نصف صدی میں شاید ہی کوئی ہوئی ہوگی۔ ان کی شہرت ان کی منفرد اور بے مثال خطابت ہے۔ انہوں نے تقریباً چار دہائیوں میں اٹھارہ ہزار سے زائد خطبات بیان کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ عالمی ریکارڈ ہے جو کسی اور کے بارے میں تاحال بیان نہیں ہوا۔ انہوں نے متعدد تصانیف بھی یادگار بنائیں اور ان کی ہر کتاب مقبول ہوئی۔ ستموں میں ان کی تقریریں اور تحریروں کی مقبولیت روز افزوں ہے۔ ان کی یادوں اور یادگاروں کا فیضان جاری ہے۔ ان شاء اللہ جاری رہے گا کیونکہ نیکی و بھلائی کے فروغ کے لئے جس ہستی کا قدرت انتخاب کرتی ہے اسے نہ صرف خصوصیات کا ہیکر بناتی ہے بلکہ اسے مرجع خلافت بھی بناتی ہے۔ حضرت شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح فرمایا ہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست

تانه تشدد خدائے عظیمہ

"حضرت مولانا اوکاڑوی" یہ الفاظ لہوں پر آتے ہیں تو ہر سامع کے تصور اور نگاہوں میں ایک ہی شخصیت نمایاں ہوتی ہے۔ اوکاڑو شہر کو بھی ناز ہوگا کہ اسے ایسی عزت و شہرت ملی۔ ملک اور بیرون ملک ایسی مقبولیت اور شہرت کسی دینی و مذہبی شخصیت کو کم ہی ملتی ہے۔ حضرت مولانا کی جائے ولادت کیم کرن (مشرقی پنجاب انڈیا) اور جائے وفات کراچی (سندھ - پاکستان) ہے۔ ۲ رمضان المبارک ۱۳۳۸ ہجری کی سہ پہر سے ۲۱ جب ۱۴۰۲ھ کی سحر تک ان کی ظاہری حیات طیبہ کا سفر شمار ہوا۔ کنتی کے لحاظ سے یہ کوئی بڑی مدت نہیں مگر مولانا نے اس مختصر عرصے میں صدیوں کے کام کئے۔ قابل رشک کارہائے نمایاں انجام

دیئے۔ ان کی خدمات کی ایک تھمیل ہے 'ان کی یاد میں قائم ہونے والے ادارے' مولانا اوکاڑوی اکادمی (الہامی) نے گزشتہ پندرہ برس میں اس حوالے سے قابل قدر اور قابل ستائش کام کیا ہے۔ تحریروں میں بہت کچھ محفوظ ہو گیا ہے۔ حضرت مولانا اوکاڑوی کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا عشق رسول ﷺ ہے۔ ان کی ذات و صفات اور خدمات کا مرکز و محور یہی رہا۔ مجھے حیرت ہے کہ ماہ نامہ نعت اور نعت رنگ نے اور اس موضوع پر کسی بھی جریدے نے حضرت مولانا اوکاڑوی کی فروغ نعت کے لئے انتہائی کارگزاری کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ مشہور نعت خواں جناب سعید ہاشمی نے (سلور جوہلی) یعنی نعت خوانی کرنے کا تقریبی جشن منایا تو جو کتاب شائع کی اس میں جناب میر زادہ شہریار قدوسی کے تاثرات میں حضرت مولانا کا تذکرہ نظر آیا وہ بھی نہایت مختصر! شاید اس میں فروغ نعت سے زیادہ نعت خواں ہی کے بارے میں اظہار مقصود تھا حالانکہ سعید ہاشمی صاحب کو نعت خوانی کا شوق اور نمایاں ہونے کا اعزاز بھی حضرت مولانا اوکاڑوی کی بدولت ملا۔ الحاج صدیق السطیلی، حاجی کلیم سرور، جناب عبدالرؤف بھٹی، صوفی عزیز احمد، الحاج خورشید احمد، یوسف میمن، ثناء اللہ و غیرہ یہ سبھی حضرت مولانا اوکاڑوی کے اجتماعات ہی سے متعارف ہوئے بلکہ بلا مبالغہ و بلا مغالطہ یہ کہا جائے کہ مولانا نے ان سب کو متعارف کروایا اور انہیں مشہور کیا۔ حضرت مولانا اوکاڑوی ۱۹۵۵ء میں پہلی مرتبہ کراچی تشریف لائے تھے اور انہوں نے جامع مسجد آرا مہراج کراچی میں ماہ صیام کی ۲۱ ویں شب میں پہلا خطاب فرمایا تھا۔ مترجم خطاب میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل مدنیوی رحمۃ اللہ علیہ کے کئے ہوئے نعتیہ کلام کا دافر حصہ تھا۔ لہالیان کراچی نے ایسا خطیب پہلی مرتبہ سنا اور دیکھا جس کے جمال و کمال نے سبھی کو مسحور کر دیا۔ چشم دید گو اہوں کا کہنا ہے کہ ۲۱ ویں شب میں مسجد میں اجتماع تین سو افراد کے لگ بھگ تھا۔ ۲۳ ویں شب میں اجتماع پانچ گنا زیادہ تھا اور پھر چاند رات تک حضرت مولانا اوکاڑوی پورے کراچی میں جانی پھپھانی شخصیت تھے اور روز ہی ان کا بیان ہزاروں کا ہجوم سنتا تھا۔ کلام رضا کے لئے علماء یہ جملہ دہراتے ہیں کہ "کلام الامام امام الکلام" اعلیٰ حضرت نے خوب کہا اور مولانا اوکاڑوی نے خوب پڑھا اور کمال یہ تھا کہ شرح فرماتے جاتے۔ جو شعر بھی جس آیت قرآن یا حدیث نبوی ﷺ کی ترجمانی میں ہوتا اسے واضح فرماتے جاتے۔ حضرت شاہ انصار الہ آبادی، جناب میر زاد لکھنوی اور مولانا فیاض القادری سے یہ جملہ بارہا سنا گیا کہ مولانا اوکاڑوی نے اس عمدگی سے کلام رضا پڑھا کہ نہ صرف سننے والوں کو یاد ہو گیا بلکہ حضرت مولانا نے جس طرز اور لے میں پڑھا وہی لے اور طرز اس کلام کے لئے مخصوص ہو گئی۔ نعت خواں وہ کلام پھر کسی اور طرز میں نہ پڑھ سکے یعنی اس طرز کو ایسی مقبولیت مل گئی کہ وہی اس کلام کے لئے خاص ہو گئی۔ ۱۹۵۵ء میں حضرت مولانا ماہ محرم میں اہل سنت و جماعت کی طرف سے مجلس عشرہ کے لئے کراچی مدعو کئے گئے۔ جن لوگوں کو وہ مجالس سننے کا شرف حاصل ہوا کچھ ان سے پوچھیے کہ روزانہ ساڑھے تین سے چار گھنٹے ہزاروں افراد ہمہ تن گوش ہو جاتے اور مولانا کے ترنم اور تکلم

سے روحانی ایمانی تسکین پاتے۔ رات کو سنے ہوئے اشعار اسی طرز میں اگلے روز سامعین تکلتاے۔ ۱۹۵۶ء میں حضرت مولانا کاڑوی مستقل کراچی آگئے۔ نو مین مسجد ایم اے جناح روڈ میں ان کی خطابت نے اس مسجد کو آباد کیا۔ یہ بھی ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اس سے قبل کراچی میں اسلامی تہواروں کے سواروزانہ محافل کاروان نہیں تھانے ہی کوئی ان کا خطیب و عالم تھا جسے سننے کے لئے لوگ یوں دیوانے ہوتے۔ حضرت مولانا کا ان دنوں اندازیوں تھا کہ وہ خطبہ مسنونہ پڑھ کر ایک نعت شریف پڑھتے اور اشعار کے درمیان شرح و تفسیر بیان فرماتے۔ بر محل دیگر اشعار بھی دوران خطاب پڑھتے۔ مثنوی مولانا دروم کلیات جامی کام رضا کلیات اقبال کے اشعار زیادہ ہوتے اور پنجابی کام زیادہ تر حضرت مولانا غلام رسول عالم پوری حضرت بیٹے شاہ تصوری اور صوتی بزرگوں کا پڑھتے۔ گھن گرج کے ساتھ شعلہ نوائی کرنے والے اس عالم ربانی کی آواز میں لگتی کشش تھی کیا سوز و گداز اور کیسی شیرینی و چاشنی تھی یوں جابے کہ جذبہ حب رسول ﷺ سے سرشار کر دیتے تھے۔ نعت شریف کا پڑھنا اسی سے اتنا متاثر کن ہو سکتا ہے جو نعت شریف کو نعت شریف سمجھ کر پڑھے۔ حضرت مولانا آواز سے زیادہ آداب اور نسبت و عشق رسول ﷺ کے جوش سے متاثر کرتے تھے۔

کم نمہ پنے بھی حضرت مولانا کاڑوی کی محافل میں آتے اور حضرت مولانا سے سنی ہوئی سنتوں کو یاد کر کے سنا تے۔ حضرت مولانا ان کی ایسی حوصلہ افزائی فرماتے کہ ہر کسی کا جی چاہتا وہ نعت خوال ہو جاے۔ بان بان پورہ لاہور میں شب میااد مصطفیٰ ﷺ کا سالانہ جلسہ ہوا کرتا تھا حضرت مولانا کاڑوی خصوصاً خطبہ کے لئے کراچی سے مدعو ہوتے۔ ایک چہ گھر سے تیار ہو کر جلسہ گاہ میں آیا اور اپنی کوشش کے مطابق اس نے اپنا حلیہ بالکل حضرت مولانا کا سا بنایا۔ تقریر کے آغاز سے قبل وہ اسٹیج پر حضرت کو سلام کرنے آیا حضرت مولانا نے اس کے شوق پر اس کی ایسی پذیرائی فرمائی کہ لوگ رشک کرنے لگے۔ مولانا نے اس سے خود ہی پوچھا آپ کو کوئی نعت شریف یاد ہے؟ اس نے کہا آپ نے جتنے شعر گزشتہ سال تقریر میں پڑھے تھے پڑھ یاد ہیں۔ حضرت نے خود اس اجنبی سے کا اعلان فرمایا اور اسے مانگ پر سنانے کو کہا۔ اس سے پانچ سات منٹ میں حضرت سے سنے ہوئے اشعار اور ان اشعار کے درمیان کہے ہوئے الفاظ انہی کے انداز میں سنانے اور خوب داد پائی۔ حضرت نے خود بھی اسے پڑھ روپے دیئے۔ کانڈی بازار کراچی کی مجالس حرم ہی میں کمسنی میں الحاج صدیق اسماعیل آیا کرتے تھے اور حضرت مولانا سے سنے ہوئے اشعار اور سلام کو انہی کی طرز میں دہراتے۔ الحاج ذور شید احمد جب کراچی آئے تو انہوں نے حضرت مولانا کاڑوی کی محافل ہی سے نعت خوانی کی ابتدا کی۔ انہی کی بدولت حلقہ رحمانی میں متعارف ہوئے اور پھر عالمی شہر پائی۔ اہل ایمان میں عزت و شہرت پانے والے جانے کتنے نام ہیں جنہیں حضرت ہی کی بدولت نعت خوانی اور خطابت کا شوق ہوا۔ حضرت مولانا کاڑوی نے بچوں بڑوں کو نعت شریف کی ترفیہ دلانے کے لئے جہاں نعت خوال

بنائے وہاں یہ کارنامہ بھی انجام دیا کہ یہاں پہلا سب سے زیادہ مقبول ہونے والا مجموعہ نعت شریف صحیب سلی اللہ علیہ وسلم بھی مرتب فرمایا۔ یہ غالباً ۱۹۵۹ء میں پہلی مرتبہ طبع ہوا اور اس قدر مقبول ہوا کہ اسی مجموعے میں شامل نعتوں کی گونج ہر سوں رہی۔ پھر ایسے اور مجموعے منظر عام پر آنے لگے۔ اپنے خطاب کی ہر محفل میں حضرت مولانا کاڑوی نعت شریف ضرور پڑھواتے۔ نعت خوانی میں ان کے پہلے شاگرد صوتی حاج الدین تاج ہیں جو اوکاڑہ کے مشہور نعت خوان ہیں۔ حضرت مولانا کے پھولے بھائی بھائی صوتی محمد لطیف نقشبندی بھی اپنے برادر بزرگوار سے متاثر ہو کر نعت خوانی کرنے لگے ان سے پھولے بھائی الحاج محمد اکرام بھی مدینہ منورہ میں یہ سعادت پاتے رہے۔ حضرت مولانا کا یہ وصف بھی رہا کہ نعت صحیب میں انہوں نے صرف وہی کام منتخب فرمایا جسے آداب نعت کے مطابق یا قریب پایا وہ نعت خوال طبقہ کی اصلاح سے کبھی غافل نہیں رہے۔ نعت خوانوں کو باوجود ضرورت کی تاکید فرماتے اور جس نعت خوال کو سگریٹ نوشی کرتے ہوئے دیکھ لیتے یا انہیں معلوم ہو جاتا اسے سمجھاتے اور تاکید کرتے کہ بدبو والے منہ سے نعت شریف پڑھنا درست نہیں۔ اچھی طرح منہ صاف کر لیا کرو اور وضو کرنے کے بعد نعت پڑھنے تک سگریٹ نہیں پیا کرو۔ بہتر ہے کہ اس تمباکو نوشی کی عادت کو ترک کر دو۔ جو نعت خوال داڑھی رکھ لیتا اور صوم و صلوات کا پابند ہو جاتا اس پر ان کی شفقت زیادہ ہوتی۔ نعت خوال کو نعت خوانی کرتے ہوئے خود سب سے پہلے کچھ نذرانہ دیتے۔ یوں ان کو دیکھ کر اور لوگ بھی خدمت کرتے اگر کسی جگہ کسی نعت خوال کو نذرانہ ملتا تو اپنی جیب سے حضرت بطور کر ایہ پتہ دے دیتے تاکہ یہ مایوس اور خالی نہ جائے مگر نعت خوانوں سے خطاب کے دوران یہ فرماتے کہ پیسے کے لئے نعت خوانی نہ کیا کرو۔ اپنا مقصود رضائے الہی و رضائے رسول بناؤ۔ پیسے بھی ان کے نام کی برکت سے مل جائیں گے۔ دکھاؤ کے لئے پیسے لٹانے والوں سے خوش نہ ہوتے اور نعت خوانوں سے فرماتے کہ یہ سرکار ﷺ کا صدقہ ہے ان پیسوں کو دیتے اور لیتے ہوئے نامناسب طریقہ اختیار نہ کیا کرو۔ ایک محفل میں ایک نعت خوان نے نعت شریف پڑھی جو نذرانہ اسے ملا وہ نیچے اپنے قدموں کے پاس رکھتا (پھینکتا) رہا اور نعت شریف پڑھ کر رقم اٹھائے بغیر دور جاتھا۔ حضرت نے اسے فرمایا بھائی یہ نذرانہ لے لو۔ وہ نعت خوال اپنی جگہ سے نہ اٹھا حضرت نے اسے پھر فرمایا لے جاؤ۔ اس نے کہا یہاں ہجوا دیں۔ حضرت کو اس کی یہ ادانہ بھائی۔ یہ آداب کے خلاف تھا۔ اس کو اس طرح نہیں کہنا چاہئے تھا۔ وہ تربیت سے شاید محروم تھا۔ بلند آواز سے کہنے لگا کہ آپ فکر نہ کریں لوگ یہ پیسے اکٹھے کر کے مجھے لادیں گے۔ حضرت نے اس لئے اسے کچھ نہیں فرمایا (حالانکہ حاضرین کو اس کا یہ انداز بہت برا لگا)

ہو تا تو یہ چاہئے کہ لوگ جب نعت خوانوں کے ہاتھ میں خود اٹھ کر عقیدت و محبت سے نذرانہ دیتے ہیں تو نعت خوال کو وہ انعام سمجھ کر لینا چاہئے اور اپنی جیب میں رکھ لینا چاہئے۔ اگر جیب میں نہیں رکھتے تو کسی ایسے انداز کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے جو نعت خوال کے شمایاں نہ ہو۔ کتنے نعت خوال حضرات کو دیکھا

کیا ہے کہ وہ بیسوں پر منتظمین جلسہ سے باقاعدہ لڑتے ہیں۔ لفاقہ میں نذرانہ ملنے کی صورت میں رقم طبیعت و خواہش کے مطابق نیا کر لفاقہ پھینک دیتے ہیں۔ اور غلط الفاظ کہتے ہیں۔ کتنے نعت خواں جواب مشہور ہیں حضرت کے جلسوں میں بغیر رقم یعنی نذرانے کے صرف پانچ منٹ کو نعت خوانی کے لئے سفارشیں لاتے تھے۔ کہ انہیں پڑھنے کا موقع مل جائے اور اب وہ پہلے رقم ملے کرتے ہیں اور طرح طرح کے مطالبے کرتے ہیں۔ یہ میرا موضوع نہیں نہ ہی مجھے اس بارے میں زیادہ کہنا ہے۔ حضرت مولانا کاڑوی نے نعت شریف پڑھنے اور سننے کے جو آداب سکھائے تھے وہ ان کی محفلوں کے بعد اب ویسے نظر نہیں آ رہے۔ حضرت مولانا کاڑوی نے نعت خوانی یا خطبہ کو اسے سیکھی نہیں تھی ان کی خصوصیات خدا داد تھیں البتہ محمد یوسف صاحب گجراتی سے انہوں نے ایک مرتبہ فرمایا کہ آپ آواز دانداز کے ماہر ہیں کچھ اس بارے میں مجھے بتائیں۔ یوں محمد یوسف صاحب نے کچھ بتایا تو حضرت مولانا کا یہ دھنک بھی دیکھا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک محفل و عطا میں جمال محمد یوسف صاحب بھی مدعو تھے حضرت مولانا کاڑوی (جالانگہ) آسمان شہرت پر جگمگا رہے تھے مگر اجتماع سے انہوں نے محمد یوسف صاحب کا تعارف کراتے ہوئے بر ملا فرمایا کہ یہ میرے استاد ہیں۔ حضرت مولانا دو نعت خوانوں ستری علی محمد جائد ہری اور محمد علی تریبی کا بہت ذکر کرتے۔ یہ دونوں اپنے وقت کے مشہور نعت خوان تھے۔ وہ نعت خوانوں کو عزت دیتے اور نعت خوانی کو اعزاز سمجھتے تھے۔ حکیم کرن ہی میں انہوں نے کسی میں نعت خوانی شروع کر دی تھی لوریہ شوق آتر تک رہا۔ پاکستان نعت کونسل کے زیر اہتمام آرام باغ میں منعقدہ کل پاکستان محفل نعت میں انہوں نے نعت شریف پڑھی تو جہوم پر وجد حال طاری ہو گیا تھا۔ ریڈیو پاکستان کے بلائے ریڈیو طاہر صاحب نے ان سے فرمائش کر کے کچھ نعتیں ریکارڈ کروائی تھیں۔ جناب حفیظ جائد ہری کے مرتبہ شاہ نامہ اسلام سے رحمۃ اللعالمین کے موضوع پر دس منٹ کے ایک خطاب میں جناب ناصر جمال نے حضرت کی آواز میں کچھ اشعار ریکارڈ کئے۔ ریڈیو پاکستان کے لاہور اسٹیشن نے اس سال ماہ میلاد کے دنوں میں اس خطاب کو روزانہ متعدد مرتبہ نشر کیا۔ مولانا کاڑوی اکادمی العالمی نے متعدد مقامات سے حضرت مولانا کی آواز میں نعتوں کی ریکارڈنگ بھی حاصل کی ہے۔ آج بھی وہ کیشین سننے والے کو متاثر کرتی ہیں۔ حضرت مولانا کے استاد محترم غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ ایک تحریر میں فرماتے ہیں:

”فاضل جلیل حضرت علامہ الحاج مولانا حافظ محمد شفیع اکاڑوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وادخلہ فی دارالبعثان اپنے محاسن میں بے مثال تھے۔ اللہ تعالیٰ نے حسن ظاہری کے ساتھ حسن معنوی سے بھی انہیں نوازا تھا۔ نایاب خوش اخلاق اور منساہت تھے ان کا ہنس کلمہ چہرہ تصویر کی آنکھوں سے کبھی او جھل نہ ہو گا۔ خاندانی شرافت و حریت کے اثرات اور اپنے مشائخ کے فیوض و برکات کے نشانات ان میں پمکتے ہوئے نظر آتے تھے۔ ان کے جذبہ محبت رسول ﷺ کا نظور اس وقت سے ہونے لگا تھا جب سے انہیں نعت شریف

پڑھنے کا ذوق ہوا۔ ان کی زبان سے نعت سن کر کوئی شخص متاثر ہونے لگتا تھا۔ ساتھ ہی انہیں علم دین کے حصول کا ایسا شوق ہوا کہ مختصر عرصہ میں انہوں نے درس نظامی کی تکمیل کر لی۔ ذہن رسا تھا طبیعت موزوں تھی شوق غالب تھا، محنت کی عادت تھی کامیابی کے قدم چومے اور انہوں نے منزل مقصود کو جالیا، تحصیل علم کے دوران تقریر کا شوق بھی رامن گیر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے فن تقریر و خطابت میں وہ بلند مقام عطا فرمایا تھا جس پر دنیا ریشک کرتی تھی بلکہ حسد تک نوبت پہنچ گئی اور اس میں شک نہیں کہ حافظ صاحب محمود الاقرآن تھے۔

حضرت مولانا کو لحن داؤدی سے بلاشبہ وافر حصہ ملا تھا۔ ان کا نعت شریف پڑھنا کسی کو متاثر کرتا تھا۔ حکیم سید احمد حسین امجد حیدر آبادی کی کہی ہوئی ”نبی کی لوری“ میں انہوں نے کئی اشعار کا اضافہ فرمایا اب یہ لوری انہی کے حوالے سے مشہور ہے۔ وہ جب کبھی اسے پڑھتے تو گویا روح جہوم جاتی۔ ”کرتے کا دہرا“ صرف انہی سے سنا گیا۔ وہ اسے پڑھتے تو پورے پورے نکتار نعت خواں بھی دنگ رہ جاتے اور اش اش کرتے۔ مولانا محمد بشیر صاحب کی کہی ہوئی نعت ”شہد سے ٹٹھا محمد نام ﷺ“ ان سے ان کے پیرو مرشد بھی فرمائش کر کے سنا کرتے۔ حضرت مولانا کاڑوی نے نعت گو بھی تھے ۱۹۵۸ء سے ۱۹۶۳ء تک وہ نعتیہ مشاعرے بھی کرواتے رہے۔ مولانا ضیاء القادری، جناب بیڑا لکھنوی، حضرت شاہ انصار ال آبادی ان مشاعروں میں نمایاں ہوتے۔ مولانا عبدالسلام بانہوی کی صدارت میں ایک منقبتی مشاعرہ بھی حضرت نے اپنے مشائخ کی یاد میں منعقد کر دیا۔ کراچی میں پی ای سی ایچ سوسائٹی میں اپنی پہلی تقریر کردہ رہائش گاہ کے افتتاح پر حضرت نے محفل نعت منقذ کی۔ جناب بیڑا لکھنوی حضرت مولانا کے بہت مداح و معتقد تھے انہوں نے اعتقادی و علمی اصلاح حضرت سے اپنے ایک مسودے پر کروائی تھی۔ جناب سکندر لکھنوی حضرت کی محفلوں میں اکثر آتے اور کسی شعر پر حضرت ضروری اصلاح فرماتے تو نہ صرف قبول کرتے بلکہ شکر گزار ہوتے۔ ممتاز شاعر جناب مشتاق حسین چغتائی بھی حضرت کے عقیدت مند تھے اور کبھی کبھی حضرت سے اصلاح لیا کرتے تھے۔ مسجد خوشیہ سوسائٹی میں جمال لوگ صرف رمضان میں مسجدوں میں آتے یا بیوی راتوں میں وہاں حضرت مولانا کاڑوی نے لوگوں میں نعت شریف کا ایسا ذوق و شوق اجاگر کیا کہ ہر ماہ اہتمام سے محافل نعت و میلاد ہونے لگیں۔ نوبتیں مسجد میں جن دنوں حضرت خطبات فرماتے تھے اس مسجد کے قرب و جوار میں سین ہزاروں حضرات کی رہائش زیادہ تھی اور زیادہ تر لوگ تجارت پیشہ تھے مگر حضرت مولانا کاڑوی نے ہر صبح فجر کے بعد درس قرآن اور ایک نعت شریف سنانے کا سلسلہ شروع کیا تو گویا ماحول ہی بدل گیا وہ لوگ جو صرف فرض نماز ادا کرنے مسجد میں آتے تھے وہ دیر تک بیٹھے اور سننے لگے۔ سبھی کو دیدہ ہی نہیں دیوانے ہو گئے۔ گلی گلی اور گھر گھر محفلیں ہونے لگیں اور تجارتی حلقوں کی نشستوں میں بھی نعت شریف لازمی ہو گئی۔ نوبتیں مسجد کے حوالے سے لوگوں کو یہ بات بھی یاد ہو گئی کہ ان دنوں پرنس کریم آغا

خان نو عمر بچہ جو ان تھے نبوی مسجد کے حوالے سے جمعہ کے دن مسجد میں آئے۔ انتظامیہ نے حضرت سے کہا کہ وہ استقبالیہ کلمات کہیں اور خیر مقدم کریں۔ حضرت نے نہ صرف انکار کیا بلکہ سخت برہم ہوئے اور ایمانی غیرت کا بھر پور مظاہرہ کیا۔ انتظامیہ نے سیاسی دباؤ کی وجہ سے حضرت کو خطرات سے الگ کرنے کی دھمکی دی اس وقت حضرت نے فاصلہ بریلوی کا یہ شعر پڑھا اور کچھ اتنے صدق و اخلاص اور جوش سے پڑھا کہ ہر آنکھ نم ہو گئی۔

کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارہ ناں نہیں

مانگ پر حضرت نے فرمایا میں اللہ کے حبیب کریم کا گدا ہوں۔ اور میں اہل دنیا اور اہل ثروت اور بد عقیدہ کی مدح نہیں کر سکتا۔ پونس کریم نے یہ سب منظر دیکھا لیکن (شاید پہلی اور آخری مرتبہ) حضرت کی اقتدا کرتے ہوئے احناف کے طریقے پر نماز ادا کی۔

حضرت مولانا کاڑوئی نے نابالغوں کو اپنی شہر میں روحانی ایمانی انقلاب برپا کیا۔ آج ہر طرف صل علی کی صدائیں گونج رہی ہیں تو یہ ان کی ناقابل تردید خدمات کا نتیجہ ہے۔ عید میلاد النبی ﷺ کے مرکزی جلوس کا سلسلہ انہوں نے شروع کیا تو اس میں جلوس کی ابتداء سے انتہا تک نعتوں کا سلسلہ رہتا۔ مسلک حق کی تبلیغ، فروغ عشق رسول ﷺ، فروغ نعت اعراف اعلیٰ حضرت اور ایمانی عقیدتوں کے فروغ کے لئے حضرت مولانا کاڑوئی کی ذات و صفات اور خدمات ناقابل فراموش اور قابل رشک ہیں۔ آداب نعت اور نعت خوانوں کی تربیت کے لئے ان کی محنتیں بھلائی نہیں جاسکتیں۔ حضرت کے بارے میں اس سعادت کا تذکرہ ان کی عظمت و فضیلت کو نمایاں اور ان سے عقیدت و محبت کو پختہ کرتا ہے کہ ان کی ساعت میں یوم ولادت میں پہلی آواز درود شریف کی پہنچی اور اس دنیا سے رحلت کے وقت بھی جو آخری آواز سنی گئی وہ بھی درود شریف کی تلاوت پر مشتمل تھی۔ نعت شریف اور درود شریف ان کے جنازے کے شرکاء بھی پڑھ رہے تھے اور ۲۲ رجب ۱۳۰۳ ہجری کی سہ پہر جب انہیں گلزار حبیب میں لحد میں اتارا جا رہا تھا اس وقت بھی بآواز بلند درود و سلام پڑھا جا رہا تھا۔ ازابتدائے امتداد درود و سلام ان سے جدا نہ ہوا۔ سچ ہے اس صدی میں کوئی عاشق رسول ﷺ ان سانسے ہوا۔

پروفیسر شفقت رسوی

اردو میں میلاد النبی (تحقیق، تنقید، تاریخ)

ایک جائزہ

میلاد النبی کے بارے میں مسلمانوں کے ایمان کے لازمی اجزاء ہیں۔ یہ دو سو برس سے زیادہ عرصہ سے ہم نثارے رسول میں رطب اعلان ہیں۔ حرفی، فاری، اردو کے علاوہ دیگر مشرقی اور مغربی زبانوں کا ادب آپ کے اس عہد کے اوصاف پسندیدہ اعمال یا لہجہ کے انکار سے ہمراہ ہے۔ پھر بھی کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہاں اور ماسحاتان رسول سے اپنے دل کی تربیتی اور حضمہ ربیب ﷺ کی تاویہ اح کا حق ادا کر دیا ہے۔ ایک طرف احناف ادب کی بیعت ہے، ذوق انہما کی جو الٹی ہے، قوت تحریر میں توجہ ہے اور دوسری طرف، اہل سنت رسول پاک ﷺ کا کمال المل ہے۔ ان کی عظمتیں ہیں، پاییز اور قابل تقلید عمل ہے، خدمت انسانیت کے نذر، شہر میں امتیاز ہے، بیان نرد و مویار ہیں۔ میز ان قتل و انصاف سے کام لینے والے تسلیم کرتے ہیں کہ انہماں آسانیت و تالیفات کے بعد بھی نذر رسول ﷺ کا حق ادا نہ ہو سکا۔ اسے پاکیزہ دلوں اور روحوں کی شان عقیدت اپنی انتہا پر اور حضمہ ربیب ﷺ کی ذات و افعال کا کمال اس درجہ پر کہ جذبہ سپاس بڑھتا ہی جاتا ہے۔ شہر سپاس گزار ہی جاتی ہے اتنی ہی سپاس گزار ہی کی امتیاز جاتی ہے۔ ذوق مدح رسول ﷺ کی بات ہے، اس سے لیا تم ن کا پشیم زہم ہے۔ شہر ہی تالیفات کے حوالے سے ہی بات کی جائے تو کمنا پڑے گا کہ احناف و شیعہ کے باوجود وہ اتنی تعارف کا حق بھی انہیں ہوا ہے۔

مذہبی روایات، اردو زبان کے نمبر میں شامل ہیں۔ شہر ہی تخلیقات ہوں یا شہر ہی تخلیقات ابتدا مذہبی مسائل سے لے کر اور پھر کوئی تصنیف تالیف یا ترجمہ ایسا نہیں جو کلہ حق اعتراف وحدت کے بعد مسودہ ربیب ﷺ کی مدح و ستائش سے شروع نہ ہو، تاہم ہر شہر ہی تصنیف میں ابتدا حمدت اور اس کے بعد نعت لگتی ہے۔ بات صرف اس نکتہ کی روایت سے لہمی نہیں۔ اہل علم نے تحقیق سے کام کیا اور اس سے اتفاق ہے۔ جو بار بار ہوئے شعراء نے ان کے ریزے، ریزے کو چھن کر اشعار میں موتیوں کی طرح جڑوئے۔ اس سے نئے مضامین کا اضافہ ہے اور نئی نئی اصناف کی بار آوری ہوئی۔ ولادت نامے، مولود نامے، میاں شریف نور نامے، شمال نامے، ممبران نامے، لڑکیاں جیسی اصناف ایجاد ہوئیں۔ یہ وسیلے ہیں حضور ﷺ کی یاد دہانی دینے کے۔ یہاں تک کہ یہ ایک طرف تو مذہبی روایات قرار پائیں تو دوسری طرف معاشرتی روایت

پاک بے پناہ وساکی ہیں۔ ان کے بحث کردوزوں میں ہیں جن کا زیاں ہو رہا ہے۔ برخلاف اس کے چہ و سیدہ
تھی دامن 'معاشی طور پر کم حیثیت کے لوگ ہیں جو اردو زبان اور مذہبی لٹریچر کو سارا دے رہے ہیں۔ کوئی حمد
کوئی کر رہا ہے اور اردو میں حمد کوئی کے موضوع پر ریسرچ کر رہا ہے کوئی نعت کوئی کر رہا ہے اور اس پر بھی
ریسرچ کا سلسلہ جاری ہے۔ غرض مذہبی لٹریچر کے جتنے شعبے ہیں بے وسیلہ لوگوں کے ہاتھوں زندہ بھی ہیں
اور پروان بھی چڑھ رہے ہیں۔

اس وقت ہمارے پیش نظر ایک کتاب ہے "اردو میں میاں الدینی" مصنف ہیں اس کے محمد مظفر
عالم جاوید صدیقی جن کا تعلق فیصل آباد سے ہے اور یہ شہر اردو کے بڑے اور اہم مرکزوں میں شمار نہیں ہوتا
ہے۔ ایسے مرکز سے کسی اہم اور بلند پایہ کتاب کی تحقیق، تصنیف اور اشاعت لائق صد ستائش ہے۔ جاوید
صدیقی نے تعارف میں ہر جگہ اس کتاب کے لئے "مقالہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس لئے شبہ ہوتا ہے کہ
شاید یہ کسی جامعہ سے کوئی ذکر حاصل کرنے کے لئے لکھا گیا۔ اگر ایسا ہے اور مقالہ نگار نے دانستہ اس کی
توضیح نہیں کی ہے تو یہ جامعات کے ارباب حل و عقد کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ اب لوگ مقالہ لکھ کر اس کا
سب بتانے میں بھی شرم محسوس کرنے لگے ہیں۔

مقالہ نہایت محنت، محرق ریزی، جانفشانی اور وقت نظر سے لکھا گیا ہے۔ اس کی اہم خصوصیت
یہ بھی ہے کہ مقالہ کو کسی ایک یا چند تاریخی ادوار تک محدود نہیں رکھا گیا۔ اردو کے ابتدائی عہد سے تاحال
جس قدر تحریری ماخذات تک رسائی حاصل ہو سکی ان سب کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اور ہمارا خیال ہے کہ اس
موضوع پر چند فیصد تحریری مواد ہی ایسا ہو گا جن تک مقالہ نگار کی پہنچ نہ ہو سکی۔

میاں الدینی کو مذہبی لٹریچر نہیں سیرت النبوی کی ایک شاخ تصور کیا جاسکتا ہے۔ میاں دانا سے اور اس
سے متعلقہ موضوعات نظم اور نثر دونوں اصناف میں ملتی ہیں مقالہ نگار نے منظوم میاں الدینی کا جامع احاطہ
کرتے ہوئے نثری تحریروں کو نظر انداز نہیں کیا ہے۔

سیرت النبوی سے متعلق شعبوں میں نعت کوئی، قصیدہ نگاری، میاں دانا سے ولادت نامے، شمائل
نامے، نور نامے، معراج نامے، وفات نامے وغیرہ ملتے ہیں۔ مقالہ نگار نے مذکورہ موضوعات میں نعت اور
قصیدہ پر زیادہ توجہ نہیں دی ہے کیونکہ ان پر جداگانہ طور پر کام ہو تا رہا ہے۔ لیکن باقی تمام شعبوں کا محققانہ
اور ناقدانہ جائزہ لیا ہے۔ حالانکہ دو موضوع کے لحاظ سے مقالہ کو میاں دانا سے تک محدود رکھ سکتے ہیں۔ عام
رہنما سے برخلاف مقالہ نگار نے موضوع کو دو سمتوں سے لکھنے کی بجائے ایک ہی سمت سے لکھنے کو سمیٹ لیا ہے۔
اسی طرح ان حضرات میں سے تحریری مواد کی چھان بین میں کوئی کہ انمائیں رکھی ہے وہیں میاں دانی، خائف اور
مجالس کے علاوہ واری دستور روایات اور ان کے لوازمات پر بھی حق تحقیق ادا کیا ہے۔ ان کے بیان کے
مطابق "اولین میاں دانی نشانہ ہی سیرت ابن اسحاق کی روشنی میں لکھی ہے۔ آپ کی ولادت مقدسہ کے بعد

عبدالمطلب آپ کو لعلہ کے اندر لے گئے۔ اس وقت انہوں نے آپ کی ولادت باسعادت پر اللہ کی عطا
شکر یہ ادا کیا۔ اور آپ کی قرمت میں اشعار پڑھے۔" (ص ۱۸)

مخالف میاں دانی ایک مذہبی اور معاشرتی روایت ہے۔ اس میں حضور ﷺ کے ذکر سے روٹ کر
روشن اور ایمان کو تازہ کرنے کی سعادت حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ..... "گرد اور اسامی
اقدار کی تبلیغ کا حق بھی ادا ہوتا ہے۔ ہماری تاریخیں شاہوں کے ذکر سے بھری پڑی ہیں لیکن معاشرتی اور
مذہبی روایات کو محفوظ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی ہیں۔ اب دو دور آپہنچا ہے کہ یہ روایات ہمارے نام
موجود ہیں۔ ماضی کی نسبت ان میں ایمان کی قوت باقی نہیں رہی ہے اس لئے ماضی کے کوائف جمع کرنے
سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے کہ ان کی جانب ایک بار پھر پوری توجہ مبذول کر دی جائے۔

مقالہ کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں عربی، فارسی، دکنی، اردو کی تحریروں سے استفادہ کیا گیا
ہے۔ ان زبانوں کے حوالوں کی نوعیت ثانوی نہیں ہے۔ کو یا مقالہ نگار ان تمام زبانوں پر کامل عبور رکھتے ہیں۔
ان زبانوں میں موجود لٹریچر کا غائر نظر سے مطالعہ کیا ہے اور ان سے مستفیض ہونے کا شعور رکھتے ہیں۔
کتاب آئندہ ابواب پر مشتمل ہے اور کوئی باب سو صفحات سے کم کا نہیں ہے۔

پہلے باب میں (صفحات ۱۳۰ تا ۱۳۰) لفظ "میاں دانی" کے ماخذ "ولد" سے بحث کی گئی ہے۔ قرآن مجید اور
احادیث ہدی میں استعمال اور عربی، فارسی اور اردو لغات میں اس کے مختلف مقامات کی وضاحت کی گئی ہے۔
اس کے علاوہ حضور ﷺ کی تاریخ ولادت، وقت ولادت، اسم پاک کے معنی، شجرہ نسب وغیرہ کے بارے
میں جامع معلومات فراہم کی ہیں۔

دوسرے باب میں (صفحات ۱۳۱ تا ۲۲۲) میاں دانا سے ولادت ناموں کے محرکات و ماخذات بیان کئے گئے
ہیں۔ ان کی نظر میں محرکات کے ضمن میں عقیدت و محبت کا اظہار، اطاعت رسول ﷺ کا جذبہ، امتداد
شفاعت، طلبی، خیر جوئی، حصول ثواب، میاں دانی حضور کی شریعت، آوری کا عقیدہ، صوفیائے کرام کی
میاں دانی میں دلچسپی، علماء کی ترویج میاں دانی میں خصوصی کاوشیں، سالانہ اعراس کی تقاریب، نجی خوشی پر محفل
میاں دانی کا انعقاد شامل ہیں۔ ان کی تفصیلات تحقیق اور دلچسپی کی ہم آہنگی کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔

دوسرے باب کے ایک حصے میں میاں دانا سے ولادت ناموں کا عربی اور فارسی میں پس منظر خاص اہمیت رکھتا
ہے۔ عربی کے سلسلہ میں عرب شعراء کا ذوق مدحت، اہمیت سے قبل آپ کی مدحت و ستائش۔ نمونے
حضرت آمنہؓ کا میاں دانی، قصیدہ، حلیمہ سعدیہ کے میاں دانی، اشعار نبویؐ کی شیماء کے میاں دانی، اشعار حضورؐ کے
کے شعراء کے مناقب کا جائزہ لیا گیا ہے۔

تیسرے باب (صفحات ۲۲۳ تا ۳۵۸) ولادت ناموں سے متعلق ہے جسے قدیم اردو کی تخلیقات کہا
جاتا ہے۔ برکھیل نے مذکورہ عرض کرنا چلوں کہ ۶۰ سال کے مسلسل مطالعہ، جائزہ، غور و فکر کے بعد میں اس

نتیجہ پر پہنچاؤں کہ قدیم دکنی کو قدیم اردو قرار دینا محض خوش فہمی ہے۔ دکنی ایک جداگانہ زبان تھی اور ہے۔
 دکنی زبان کی ہم جوں جی تھی اگر دکنی قدیم اردو ہے تو پنجابی بھی قدیم اردو ہے۔ بلکہ جدید دکنی اور دکن میں اور جدید
 پنجابی پنجاب میں اب بھی رائج ہے۔ چونکہ دکنی ادب کو قدیم اردو قرار دیا گیا ہے اور یہ بات ذہنوں میں بیٹھ
 چکی ہے اس لئے وہ مقالہ نگار کی مجبوری من گئی ہے۔ انہوں نے دکنی زبان میں میاں ناموں اور اس سے متعلق
 شعبوں پر بھی مواد جمع کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا بڑا حصہ شائع نہیں ہوا ہے اور منظومات کی شکل میں بیٹھ
 کسی حد تک محفوظ ہے جو منظومات پاکستان میں موجود ہیں ان سے براہ راست استفادہ کیا ہے اور جو بھارت
 (بالخصوص حیدرآباد دکن) میں ہیں غالباً ان کے بارے میں منظومات کتب خانوں کی توضیحی فہرستوں سے
 حاصل کی گئی ہیں جن کی گاہ گاہ نشان دہی کی گئی ہے۔ ان منظومات کے بارے میں مقالہ نگار کا خیال درست
 ہے کہ ان میں اکثر جگہ غلطیاں ہیں اشعار بحر سے خارج ہیں۔ مقالہ نگار نے من و عن ان کو نقل کرنے پر
 اکتفا کیا ہے۔

پہلے باب (صفحات ۵۹ تا ۶۳) میں شبلی بنہد میں میاں ناموں کے ابتدائی دور کا جائزہ
 ہے۔ اس نے سیاسی اور تمدنی پس منظر کو بیان کرنے کے بعد اسامی اور وہابی سے محسن کا کوری تک
 ۵۰ سے زائد شعراء کے میاں ناموں کے نمونوں پر ادبی تاریخی اور مذہبی نقطہ نظر سے تبصرہ کیا گیا۔ ان
 میں معروف اور غیر معروف تمام شاعر موجود ہیں۔

پانچویں باب (صفحات ۷۷ تا ۸۸) کو میاں ناموں کا دور جدید قرار دیا ہے جو ۱۸۵۷ء سے
 ۱۹۰۰ء تک پھیلا ہوا ہے اس میں بھی دور جدید کی تمدنی سیاسی تبدیلی اور ادبی صورتحال کا جائزہ لینے
 بعد ۸۰ سے زائد شعراء کے میاں ناموں سے بحث کی گئی ہے۔

پہنچاؤ (صفحات ۵۸۹ تا ۶۸۰) دور جدید کا دوسرا حصہ ہے جو ۱۹۰۰ء سے ۱۹۳۷ء کے عہد
 تک محیط ہے جس میں تقریباً ۶۰ میاں ناموں کا تعارف اور ان کے میاں ناموں کے نمونے مع ضروری
 مباحث درج ہیں۔

ساتواں باب (صفحات ۱۹۳۸ تا ۱۹۹۵) کا احاطہ کرتا ہے جسے عصر حاضر کہا گیا ہے اس میں
 ۵۰ شعراء کے میاں ناموں کا ذکر ہے۔

آخری یعنی آٹھویں حصہ (صفحات ۸۰ تا ۸۳) میں خواتین کے میاں ناموں کا معلوم
 مصنفین کے میاں ناموں غیر مسلم شعراء کی میاں ناموں کے علاوہ عید میاں ناموں کے انعقاد کی روایت مذ
 طرہ۔ مذہب منورہ ہند اور ذہنی افریقہ، شہر اریل، لندن، شام، مسلمان، لیبیا، دکن، دہلی، آگرہ، لندن اور پاکستان
 کے مختلف شہروں میں جس شان و شوکت اور اہتمام سے عہد قدیم سے تاحال منائی جاتی رہی ہے اسے مستند
 حوالوں کے ساتھ یکجا کر کے تمدنی و مذہبی تاریخ کو مکمل کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

اس کتاب کے دواں ۱۰۱ شی ہی ۸۰ سے زائد صفحات پر پھیلے ہوئے ہیں۔ جس سے مقالہ نگار
 کی محنت ریزی اور جان فشانی کا اندازہ لیا جاسکتا ہے۔

اردو کی بے ہنگامی کا رد نامہ طور پر روایا جاتا ہے جو دراصل کم علمی بلکہ لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اردو
 قسم کے مضامین اور موضوعات کے اعداد پر قدرت رکھتی ہے۔ سائنس سے لے کر مذہب، مادی علوم سے
 لے کر مادی علوم تک ہر موضوع پر کتابوں کے اعداد موجود ہیں۔ ہمارے مختصر شہ مرحوم کی طرح روایت میں
 مذہب پیچھے نہ جاتے ہیں کہ اردو علمی زبان نہیں ہے، مشکل موضوعات کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ چاہے صدیقی
 نے ایک مختصر سے موضوع پر تحقیق کر کے جو مقالہ لکھا ہے اس سے یہ شہادت فراہم ہو سکتی ہے کہ ہمارا علم
 اپنی زبان اپنی مذہبی اور مادی روایات کے بارے میں کس قدر محدود ہے۔ اگر اسی طرح کے ذہن اور جان
 تحقیق کارانے منظر عام پر آتے رہتے تو اردو کی وسعت اور اہمیت کا سوا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

یار رسول اللہ کی ردیف میں قدیم و جدید شعر کی نعتوں پر مشتمل انتخاب

حبیبی یار رسول اللہ

جلد شائع ہو رہا ہے

مرتب: عزیز الدین خاکی

☆ ناشر ☆

تنظیم استحکام نعت (ٹرسٹ) پاکستان

قادری ہاؤس 620 ایریا 33 بی کورنگی نمبر 21/2، کراچی۔ فون: 5063089

”اردو نعت اور جدید اسالیب“ پر ایک نظر

اوکٹاویو پاز کا خیال ہے کہ تنقید ایک ایسا ضابطہ ہے جو زبان و بیان کو اس کے معنی سے ہم آہنگ رکھتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ جب کوئی معاشرہ خراب ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کے زبان و بیاں ہی سے نقص اٹھتا ہے۔ چنانچہ ایسے میں سماجی تنقید صرف و نحو اور معنی کی تشکیل نو کے کام سے رجوع کرتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس قسم کی بقراطیت اوکٹاویو پاز ایسے دانش ور ہی کو زیب دیتی ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ جس معاشرے کا فرد ہے، ہمارے نقطہ نظر سے وہ خواہ کتنا ہی ”مخرب الاخلاق“ اور ”زوبہ زوال“ کیوں نہ ہو لیکن وہاں اس حالت میں بھی سماجیات و سیاسیات سے لے کر ادب و فنون کے مختلف النوع دائروں تک ایک ضابطہ اور ایک قاعدہ بہر حال کارفرما نظر آتا ہے۔ ہماری صورت حال تو یہ ہے کہ معاشرے کا کوئی ایک آدھ حصہ نہیں بلکہ اب پورا معاشرہ ہی زوبہ زوال ہے۔ میں رجائیت پسند آدمی ہوں، جلد ہار ماننے اور ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں ہوتا اس لیے یہی کہوں گا کہ ہم خرابی کی اس حد کو بہر حال ابھی نہیں پہنچے ہیں کہ جب اصلاح احوال کی گنجائش اور درستی کا امکان یکسر ختم ہو جاتا ہے۔ اب بھی ہم میں دوبارہ جی اٹھنے کی سکت باقی ہے۔ تاہم اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے یہاں زندگی کے ہر شعبے میں ایک سخت تنقیدی اور خود احتسابی کا رویہ پیدا ہو اور ہم اپنی معاشرت اور زندگی کے علمی، ادبی، فکری، سماجی، سیاسی، معاشی، اخلاقی ہر پہلو کا بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے اپنی اصلاح احوال کے کام کا جلد از جلد آغاز کریں۔ ادب اور معاشرے میں تنقید کے اس باضابطہ کردار اور اوکٹاویو پاز کے تصور نقد و نظر کا خیال مجھے عزیز احسن کی کتاب ”اردو نعت اور جدید اسالیب“ کے حوالے سے آیا ہے۔

اردو نعت کے تنقیدی مطالعے میں اس سے پہلے بھی گاہے بے گاہے کچھ مضامین میری نظر سے گزرے ہیں، لیکن عزیز احسن کی کتاب جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مکمل طور پر اسی موضوع کا مطالعہ ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے موضوع پر اس کی مختلف جہات کے سیاق و سباق میں گفتگو کی ہے۔ اس مجموعے میں پہلے سات مضامین نظری نوعیت کے ہیں جب کہ پانچ آخری مضامین شعرا کے فکر و فن کا مطالعہ ہیں۔ یہ امر خوش کن اور امید افزا ہے کہ اب رفتہ رفتہ نعت نگاری کو نئی نئی عقیدت کا معاملہ سمجھنے کا رجحان کم ہو رہا ہے۔ اہل نظر اور ارباب علم و فن نعت کو اب ایک باقاعدہ صنفِ سخن باور کرتے ہوئے اس کے سنجیدہ تنقیدی اور فکری مطالعے کی طرف راغب ہو رہے ہیں۔

عزیز احسن نے اپنے مضامین میں حوالے کے طور پر اساتذہ کے کلام سے بھی نعتیہ اشعار پیش کیے ہیں اور ان پر ادھر ادھر تبصرہ نما گفتگو بھی کی ہے لیکن ان کے مطالعے کا خاص اور وسیع دائرہ معاصر نعتیہ شاعری ہے۔ ہم عصر شاعروں کے نعتیہ فکر و فن کا انھوں نے بالاستیعاب مطالعہ کیا ہے اور تنقیدی نقطہ نظر سے جائزہ لیا ہے۔ وہ جن نتائج تک پہنچے ہیں، ضروری نہیں کہ ان کا ہر قاری بھی ان کے ساتھ ان نتائج پر پہنچ کر مطمئن ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے خیال کی رو اپنے مطالعے کے دوران تجزیے کے لیے کوئی اور نکتہ اخذ کرے اور اپنی الگ راہ نکالے۔ تاہم یہ زاویہ نظر کا اختلاف ہوگا اور ادب و تنقید میں اس کی اپنی الگ قدر و قیمت ہو سکتی ہے۔ اسی طرح بات سے بات آگے بڑھتی ہے۔ عزیز احسن کی رائے اور بعض مقامات پر ان کے تجزیے سے مجھے بھی اتفاق نہیں ہے۔ خاص طور سے ان کے تنقیدی منہاج کی بابت بھی میرے دو ایک بنیادی اعتراضات ہیں جن کا اظہار میں بہر حال کرنا چاہوں گا لیکن پہلے کچھ بات ان کے تصور نعت کے حوالے سے ہو جائے۔

عزیز احسن نے اس کتاب میں اپنا تصور نعت جامعیت اور صراحت کے ساتھ تو کسی مقام پر بیان نہیں کیا ہے لیکن چند مضامین میں انھوں نے ایسے اشارے ضرور کیے ہیں جنہیں باہم مربوط کر کے ہم ان کے نعت نگاری کے فکری اور فنی تصورات و نظریات سے آگاہ ہو سکتے ہیں۔ خاص طور سے ”نعت کے علمی و ادبی افق“ اور ”اردو نعت اور شاعرانہ رویہ“ یہ دو مضامین اس حوالے سے نہایت مفید اور معاون ثابت ہوتے ہیں۔ عزیز احسن کو اردو شاعروں سے شکایت ہے کہ انھوں نے بیش تر عشق رسول اور شاکل مبارک کے بیان ہی کو نعت گوئی کا موضوع بنایا ہے حالانکہ اس کے ساتھ ساتھ انھیں تعلیمات نبوی کے بیان کو بھی اپنے فکر و فن کا حصہ بنانا چاہیے

تھا۔ تاکہ نعت کے ابعاد نئی وسعتوں سے آشنا ہوتے۔ ایسا کیوں نہ ہو؟ عزیز احسن کے نزدیک اس کے کئی اسباب ہیں مثلاً یہ کہ ہمارے یہاں مذہبی شاعری کی تحسین اس کے موضوع کی تقدیس کے حوالے سے ہوئی ہے، فن کی قدر افزائی کے طور پر نہیں، اس لیے شعرا کی توجہ انہی موضوعات پر رہتی ہے جو عوامی پسند اور فہم کے دائرے میں آتے ہیں۔ ایک خاص سبب یہ بھی ہے کہ پیش تر شعرا کا مطالعہ سیرت نہایت محدود ہوتا ہے اس لیے وہ سیرت رسول کے فکری اور علمی پہلوؤں کی طرف آنے کی بجائے محض عقیدت اور جذبے کے زور پر اپنا کلام چلانے میں عافیت سمجھتے ہیں۔

یہ باتیں شاید فن نعت سے وابستہ بعض حضرات کے لیے ناگوار خاطر ہوں گی لیکن ہمیں خوشی ہے کہ عزیز احسن نے اس باب میں جو کچھ محسوس کیا، اسے اخلاص اور ذمہ داری کے ساتھ بیان کیا۔ نعت نگاری کے حوالے سے اپنے نظریات کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

نعت اگر نبی اکرم ﷺ کے جمالِ صوری و حسنِ معنوی کی تعریف ہے تو اس موضوع پر قلم اٹھانے سے پیش تر شعرا کے لیے ضروری ہے کہ وہ مقام رسالت کا عرفان حاصل کریں اور نعت کا یہ تقاضا قرآنِ فہمی کے بغیر پورا نہیں کیا جاسکتا۔

(صفحہ ۱۵)

اس حوالے سے اپنے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے وہ آگے چل کر کہتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی ذات میں ایسے پہلو تلاش کرنا جو شانِ خداوندی سے قریب تر اور مقامِ بندگی سے دور تر ہوں، قطعاً خلافِ شرع ہے۔

(صفحہ ۱۸)

ان خیالات سے عزیز احسن کے راسخ العقیدہ اور پختہ فکر نقاد ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے اور ان کے نظریہ نعت کی بھی صراحت ہوتی ہے۔ یہ بات خوش کن بھی ہے اور خوش آئند بھی کہ اردو نعت کے تنقیدی مطالعے کا کام عزیز احسن ایسے سنجیدہ اور صحیح العقیدہ لوگ سرانجام دینے کے لیے آگے آرہے ہیں۔ اور انہیں یہ خوبی اندازہ ہے کہ ان کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ آغازِ کار ہی میں نعت گوئی کے باب میں فکری مغالطوں اور عقیدے کی ناراستی کے مسائل پر بھی دیانت و متانت کے ساتھ گفتگو اور گرفت کرنا از بس ضروری ہے۔ گو کہ نعت کے تنقیدی مطالعے کا آغاز کئی دہائی پہلے ہو چکا تھا، مولانا اشرف علی تھانوی، محمد حسن عسکری کے تنقیدی

مباحث اور فرمان فتح پوری صاحب کی کتاب ”اردو میں نعت نگاری“ اس مطالعے کے حوالوں کی صورت ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مولانا تھانوی اور حسن عسکری کے مضامین نعت کے فکری اور نظری مسائل کا احاطہ ضرور کرتے ہیں لیکن وہ ایک آدھ بحث تک اپنا دائرہ محدود رکھتے ہیں، جب کہ فرمان فتح پوری کا کام محض تحقیقی قسم کا ہے جو اردو میں نعت نگاری کی تاریخ کے جائزے پر مبنی ہے۔ اس لحاظ سے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے یہاں نعت بہ حیثیت منصفِ سخن اب تک سنجیدہ اور جامع مطالعے کا عنوان نہیں بن سکی۔ خدا کرے کہ اب عزیز احسن اور دوسرے لوگ اس کام کو آگے بڑھا سکیں۔

اب کچھ باتیں عزیز احسن کے تنقیدی منہاج کے حوالے سے۔ عزیز احسن نے جو تنقیدی اسلوب اور ناقدانہ منہاج اختیار کیا ہے وہ قدرے جھلک اور ناہمواری محسوس ہوتا ہے اور اسی وجہ سے نقاد کا موقف پوری وضاحت اور شدت کے ساتھ دو ٹوک انداز میں قاری تک منتقل نہیں ہوتا۔ ان کے وسیع المطالعہ اور ذہین قارئین کو تو شاید یہ مسئلہ درپیش نہ ہو، لیکن مجھ ایسے کم علم لوگ ان کے طرزِ اظہار کے ابہام اور خیال کی پریشاں خاطرگی سے ضرور الجھتے ہوں گے۔ وہ اپنی گفتگو میں غیر متعلق مسائل اور اضافی حوالوں میں جس قدر زور قلم صرف کرتے ہیں، وہ ان کی تحریر کے تاثر کو نہ صرف متاثر کرتا ہے بلکہ موضوع زیر بحث سے بھی ہماری توجہ ہٹا دیتا ہے۔ یہ ایک ایسی کم زوری ہے جو اچھی خاصی تنقیدی کاوش کو بھی ایک غیر مرتبہ جملہ بنا کر رکھ دیتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اس کتاب کے مضامین میں مغربی شعر و تنقید کے حوالے اور اصطلاحیں بہ کثرت آتی ہیں۔ میں ذاتی طور پر انگریزی زبان و ادب سے استفادے کا حامی ہوں اور یہ سمجھتا ہوں کہ یہ عملی طور شعر و ادب کے دامن کو وسعت دینے اور فکر و نظر کے نئے ابعاد روشن کرنے میں مؤثر ثابت ہوتا ہے۔ تاہم اس کے ساتھ ہی ساتھ میں اس امر کا بھی شہود سے قائل ہوں کہ جب بھی کوئی لفظ، کوئی اصطلاح یا حوالہ انگریزی زبان و ادب سے مستعار لیا جائے تو وہ بجائے خود اپنا جواز رکھتا ہو اور بیانیہ میں اس طور داخل ہو کہ گفتگو کا لازمہ محسوس کیا جائے اور عبارت کا جزو لاینفک معلوم ہو۔ عزیز احسن کے یہاں کئی ایک مقام پر حوالے اس طور آئے ہیں کہ وہ نقاد کے موقف کی صراحت اور اس کی دلیل کو محکم کرنے کی بجائے محض اس کے جوشِ بیان اور اظہارِ علمی کی دلیل نظر آتے ہیں۔

نتیجہ یہ کہ وہ مضمون کی طوالت اور گفتگو کے انتشار دونوں میں اضافے کا باعث بنتے ہیں۔ یہاں مثال کے طور پر اس مضمون کو پیش کیا جاسکتا ہے جو ”شعر کے فنی لوازمات“ کے عنوان

سے کتاب میں شامل ہے۔ اس مضمون کی بابت میرا احساس تو یہ ہے کہ یہ شاید کسی اور مضمون کا حصہ تھا جو تدوین یا پروف کی غلطی کی وجہ سے علاحدہ مضمون کے طور پر شائع ہو گیا۔ اس لیے کہ اس کا آغاز تو نعت گوئی کے فن اور موضوع کے حوالے سے جدید اور قدیم روٹیوں کے اختلاف کی بحث سے ہوتا ہے لیکن آگے چل کر یہ مضمون مشرق و مغرب کے تصور شعر کی بحث بن جاتا ہے۔ جدید و قدیم نقد و نظر کے کتنے ہی حوالے دینے کے بعد عزیز احسن اس مضمون کو جس مقام پر لے جا کر ختم کرنے ہیں وہ ابتدا میں اٹھائے گئے نکتے سے کسی طرح مربوط نظر نہیں آتا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جس سرے کو پکڑ کر انھوں نے بات کا آغاز کیا تھا وہ آگے چل کر خود ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور حوالوں کی کثرت انھیں اپنے ساتھ بہا کر کہیں سے کہیں لے پہنچی۔ اسی طرح ایک اور مضمون ”اردو نعت میں آفاقی قدروں کی تلاش“ میں بھی وہ غیر ضروری حوالوں اور طول کلام کا شکار نظر آتے ہیں۔ وسعت مطالعہ کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ اگر نقاد اس کو اپنی گفتگو میں ترتیب و توازن کے ساتھ سنبھال نہ پائے تو وہ طلسمی تیر کی طرح خود نقاد کی طرف پلٹ پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں عزیز احسن نے اکثر مقامات پر انگریزی کے اقتباسات کا ترجمہ اور اصطلاحوں کا اردو متبادل بھی درج کیا ہے۔ اقتباسات کے ترجمے کے حوالے سے میری رائے یہ ہے کہ انھوں نے قدرے عجلت اور سہل انگاری سے کام لیا ہے۔ ترجمے کی ضرورت انھوں نے غالباً اس لیے محسوس کی ہوگی کہ ایسے قارئین تک جو انگریزی سے نابلد ہیں، اس عبارت کا مفہوم پہنچا دیا جائے۔ خیال تو یہ اچھا ہے، لیکن اس کام کو سرسری انداز میں نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے خود نقاد کی integrity داؤ پر لگ جاتی ہے۔ چنانچہ اگر یہ کام کرنا ہی ہو تو اسی متانت اور سنجیدگی سے کیا جائے جس کا کہ یہ مطالبہ کرتا ہے ورنہ پھر اس سے احتراز کیا جائے۔

اسی طرح ایک اور قابل توجہ معاملہ یہ ہے کہ انھوں نے انگریزی کے بعض ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو اصطلاح کے طور پر رائج ہیں۔ عزیز احسن چون کہ انگریزی کے لفظ کے ساتھ ساتھ اس کا اردو متبادل بھی لکھتے ہیں اس لیے ہم نے دیکھا کہ بعض مقامات پر وہ اصطلاح کے طور پر استعمال ہونے والے لفظوں کو ان کے لغوی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ مترادف اس پر یہ کہ مختلف مقامات پر انھوں نے ایک ہی لفظ کے مختلف معانی لیے ہیں۔ یہ سخت بے احتیاطی کی بات ہے۔ لفظ کے لغوی معنی اپنی جگہ اور ان کا استعمال بھی ممنوع نہیں ہے، لیکن جب ایک لفظ اصطلاح کے درجے میں رائج ہو اور اس کا محل استعمال بھی اصطلاحی معنی کو فاقیت دیتا ہو تو اسے برتتے ہوئے زبان کی نزاکت اور بیان کی احتیاط کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔ اس لیے کہ اسے فراموش

کرنا مصنف کی لاعلمی نہیں تو بے احتیاطی کو ضرور ظاہر کرتا ہے۔ مثال کے طور پر signs کا اصطلاحی اردو متبادل نشانات نہیں آثار ہے یا style کے لیے طرز اظہار نہیں اسلوب رائج ہے یا general poetry سے ہمہ جہتی شاعری نہیں عام شاعری مراد ہوتی ہے لیکن عزیز احسن نے ان لفظوں کو مختلف مواقع پر مختلف لغوی معانی میں استعمال کیا ہے۔

بہر حال، ان دو ایک اشارات سے عزیز احسن کے نقطہ نظر سے میرا اختلاف تو ضرور ظاہر ہوتا ہے، لیکن اس سے کتاب کی اہمیت اور قدر و قیمت متاثر نہیں ہوتی۔ اس لیے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب جدید ادب کے تناظر میں اردو نعت کی ادبی قدر کے تعین کی ایک سنجیدہ کوشش ہے۔ میں نے گفتگو کے آغاز میں اوکٹا دیوپاز کا حوالہ دیا تھا، اختتام پر میں اسی سے رجوع کرتے ہوئے کہوں گا کہ عزیز احسن کا یہ کام ان کے سفر کا آغاز ہے۔ ایک بامقصد اور بامعنی سفر کا آغاز، لیکن انھیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ یہ کام اس عہد میں کر رہے ہیں جس میں پاز کے یہ قول تنقید معنی کی تشکیل نو کا فریضہ سرانجام دیا کرتی ہے۔ اس لیے انھیں اپنے کام کی اہمیت اور اپنی تصنیفی ذمہ داریوں کو ہر لمحہ ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا۔ وہ جس راہ کے مسافر ہیں اس کے سفر کا یہ بنیادی مطالبہ ہے...!

☆☆☆

”خوابوں میں سنہری جالی ہے“ کی نعتوں میں موضوع و مواد سے اظہار و اسلوب تک ایک پاکیزہ فضا چھائی ہوئی ہے۔ میں اس مجموعے کا دل سے خیر مقدم کرتا ہوں۔

(پروفیسر عنوان چشتی)

خوابوں میں سنہری جالی ہے

(صبیح رحمانی کے مقبول نعتیہ کلام کا انتخاب)

مرتب: عزیز احسن

☆ ناشر ☆

تاج کمپنی، 3151 ترکمان گیٹ، دہلی 110006 (بھارت)

وہی یسین وہی ظلہ / حفیظ تائب

پڑھتا ہوا درود پاک انھوں بروز حشر میں
نام نبیؐ لیوں پہ ہو ٹوٹے جو دم کا سلسلہ

یہ اظہار یہ ہے عشق نبیؐ میں ڈوبے ہوئے شاعر امروزہ فردا حضرت حفیظ تائب کا جوان
کے تازہ ترین نعتیہ مجموعے ”وہی یسین وہی ظلہ“ سے لیا گیا ہے۔ محترم حفیظ تائب اب نعت گوئی کے اس
مقام پر ہیں جہاں ان کے بارے میں تنقیدی نقطہ نظر سے کچھ کہنا ناممکن تو شاید نہ ہو مگر بہت ہی مشکل ہے
کیونکہ ان کی نعت گوئی کا راجہ براہ راست فیضان نبیؐ سے جڑا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ عشق رسولؐ ان
کے وجود اور شعور میں اس طرح رچ بس گیا ہے کہ حفیظ تائب اور نعت گوئی ایک دوسرے کے لئے لازم و
ملزوم ہو چکے ہیں اور جسے نعت براہ راست دربار نبویؐ سے عطا ہونے لگے اس کے الفاظ پر کوئی صاحب حال
بھی مشکل ہی گرفت کر سکتا ہے ہم جیسے لوگ تو صرف حضرت حفیظ تائب کی نعتوں کو پڑھ کر ان کی خوش
قسمتی پر رشک ہی کر سکتے ہیں۔

”وہی یسین وہی ظلہ“ اول سے آخر تک دربار نبویؐ میں حاضری کی سرخوشی کا آئینہ ہے۔ جس شعر
پر نظر ڈالیں طیبیہ کی کوئی نہ کوئی جملک نظر آتی ہے جس نعت کو پڑھیں گنبد خضراء کے زیر سایہ کسی ہوئی
محسوس ہوتی ہے چند اشعار دیکھئے:

پلکوں پہ تھا لڑاں دل دربار رسالت میں آساں ہوئی ہر مشکل دربار رسالت میں
شوق باریاب ہو گیا وا کرم کا باب ہو گیا
آپ کی نگاہ پڑ گئی ذرہ آفتاب ہو گیا

وہ ہے خدشہ حرم کے در و بام کی جھوک دل کی ہے جس نے بسائی ہوئی
ان نعتیہ مجموعے کا نام میں پتہ نعتیں خصوصی ردیفوں کا اہتمام لئے ہوئے ہیں جیسے ”تازہ“
نعت ”جمال“ دربار رسالت میں کا سلسلہ ”مسجد نبوی“ جنت البقیع اے سید السادات شہر حبیب میں ”لیک
۱۔ صدیک زوشن خیر الامام اور سبز گنبد و غیرہ۔ بظاہر تو یوں لگتا ہے کہ یہ ردیفوں والی نعتیں شعوری کو شش
سے وجود میں آئی ہوں گی لیکن ان نعتوں میں بھی حضرت حفیظ تائب کو بڑی کثرت سے نعتیہ اشعار
منابت ہوئے ہیں جو ان کے مطہر جذبہوں کے آئینہ دار ہیں۔ چند اشعار دیکھئے:

رہتا ہے شب و روز ہر اک مظهر طیبہ آراستہ ہی است اجلا تر
حجرے سے وہ سرکار کا مسجد میں لگنا اس لئے میں ہو کاش رہتی اور کسی نعت
حضور کے ادب و مرتبہ کی آئینہ دار نقیب سید امداد مسجد نبویؐ
انوار سے مہکتی زمیں جنت البقیع جس کی کوئی نظیر نہیں جنت البقیع
اس کے علاوہ اس مجموعے میں تین حمدیں ایک سلام مید سلام حاضری مناجات سپاس دعا
اور تفسیریں بر نعت حضرت قدسی بھی شامل ہے۔ کتاب صوری حسن سے بھی مالامال ہے اور القمر انتر پر انوار
بازار لاہور نے بڑے اہتمام سے سفید کاغذ پر شائع کی ہے اور ہدیہ بھی انتہائی مناسب یعنی صرف 100
روپے رکھا گیا ہے۔

(منصور ملتانی)

☆☆☆

نام بہ نام حمد و ثناء / انوار عزیزی

پروردگار عالم کے حضور منظوم نذرانہ مبودیت بہ حوالہ اسمائے حسنیٰ کی توفیق اس بار محترم شاعر
انوار عزیزی کو ہوئی ہے۔ اس سے قبل بھی اس موضوع پر کام ہوا جن میں لطیف اثر کا صحیفہ حمد اور بیٹھ ناہنجی کی
مُرسل و مُرسل دونوں کتب کراچی ہی سے اشاعت پذیر ہو چکی ہیں۔ لیکن انوار عزیزی صاحب نے قرآن پاک
میں دیئے گئے اللہ تعالیٰ کے ہر نام پر ایک حمد صنعت توشیح میں لکھی ہے جو بڑی اہم کوشش ہے۔ چونکہ اللہ
تعالیٰ کے ہر نام کے شروع میں ”ال“ کا ہونا ضروری ہے اس لئے انوار عزیزی کو صنعت توشیح کے سبب اپنی ہر
حمد کو الف سے شروع کرنے کا موقع ملا اور یوں انہوں نے اپنی ہر حمد کو لفظ الہی سے شروع کرنے کی سعادت
حاصل کی۔

کتاب کے شروع میں شاعر نے اپنا تعارف لکھا ہے۔ خواجہ منیر احمد سروردی (جنہوں نے اس
مبارک کتاب کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا ہے) پر و فیض حسنین کاظمی اور ڈاکٹر عطیہ ظلیل عرب کی تقریظات ہیں۔
پیش لفظ میں شاعر نے حالانکہ ننانوے ناموں کا ذکر کیا ہے تاہم حمدیں ۱۰۵ ناموں پر تحریر کی ہیں۔ ویسے تو
حمدوں میں ناموں کے مفہوم کی مناسبت سے اشعار شامل کئے گئے ہیں۔ پورے نام کہیں مصرعوں میں نہیں
لئے گئے شاید اس کا سبب یہ رہا ہو کہ شاعر نے اس پورے مجموعے کی حمدوں کو ایک ہی بحر میں نظم کیا ہے۔ بلکہ
اسائے الہی مختلف الاوزان ہونے کے سبب لائے نہ جاسکتے تھے۔ اس کے علاوہ چند حمدوں میں مثلاً ”العزیز“
الجلیل اور البیاد وغیرہ کے حوالے سے لکھے گئے اشعار میں ان اسماء کا مفہوم بھی غالباً بیان نہیں ہو سکا ہے۔
اسماء کی مرتبہ ترتیب میں صرف ایک سو ہے کہ العظیم اور القابض کو آگے پیچھے کر دیا گیا ہے۔ السار۔ المسلم۔

الرب۔ المعطی اور القدر کے علاوہ الاحد بھی مروجہ اسماء سے علاوہ ہیں جن پر محاذ اس مجموعے میں شامل ہیں۔ ابتدائی پانچ اسماء پر دو دو حمدیں ہیں جبکہ باقی تمام اسماء پر ایک ایک حمد لکھی گئی ہے یوں کل ۱۱۰ حمدیں اس مجموعے کے زینت ہیں۔

انوار عزمی اس سے قبل "آدم تارحت عالم" کے نام سے شعری مجموعہ پیش کر چکے ہیں۔ جس میں انہوں نے قرآن پاک میں مذکور تمام بیخبروں کے بارے میں مدحت سرائی کی تھی لیکن ان کی موجودہ کوشش شعری اعتبار سے بہتر ہے۔ زیادہ تر اشعار میں روانی ہے اور پوری کتاب ایک ہی بحر میں ہونے کے سبب مسلسل مثنوی کی صورت اختیار کر گئی ہے چند اشعار دیکھئے۔

اللی نام ہے رحن تیرا کرم ہم پر ہوا ہر آن تیرا
دعائیں تو ہی سنتا ہے سبھی کی کیا کرتا ہے مشکل تو ہی آساں
لیوں کو تو نے جھٹے ہیں ترانے دلوں کو درد بھی تو نے دیا ہے
زمیں سے تو نے فصلوں کو اکایا نکالا پیاس کے صحرا سے زم زم
خوبصورت سرورق سے عزتیں یہ کتاب مرکزی انجمن سروردیہ کراچی نے ہدیہ تقسیم کرنے
کے لئے شائع کی ہے۔ (منصور ملتانی)

☆☆☆

جمال جہاں فروز / بشیر حسین ناظم

غالب کی زمینوں میں نعتیہ کاوشیں کافی عرصے سے جاری ہیں۔ سب سے پہلے غالب کی مکمل زمینوں پر نعتیں لکھنے کا اعزاز ساجد اسدی کو حاصل ہوا۔ جن کی کتاب "پیغامبر مغفرت" میں غالب کی تقریباً سبھی زمینوں میں خوبصورت نعتیہ کاوشیں اپنے حسن عقیدت اور عشق رسول کے فیض کے سبب بہت سے خوبصورت اشعار دے گئی۔ پھر ہندوستان سے "مدحت" کے نام سے لہر لڑ کر چوری نے بھی غالب کی مشہور زمینوں کو نعت کے لئے استعمال کیا بعد میں کہنہ مشق شاعر راغب مراد آبادی کا مجموعہ "مدحت خیر البشر" بھی غالب ہی کی زمینوں میں جلوہ گر ہوا۔ حال ہی میں ملتان کے مشہور شاعر لیا صدیقی نے "نمائے محمد" کے نام سے غالب کی معروف زمینوں میں نعتیں کہیں اور مرزا غالب سے ان کے کئی مشہور مصرعے نعتوں کے لئے چھین لئے۔ اب بشیر حسین ناظم صاحب نے شعوری کوشش کے ساتھ "جمال جہاں فروز" پیش کی ہے۔

"جمال جہاں فروز" کا موضوع چونکہ مدحت رسول کریم ﷺ ہے اس لئے اس موضوع کی

خوبصورتی میں کوئی کام نہیں۔ کتاب ظاہری حسن سے بھی پوری طرح مالا مال ہے۔ البتہ نعتیہ اشعار کے حوالے سے چند باتیں قابل اعتراض ہیں جن میں سب سے پہلی بات تو ادق اور غیر مستعمل الفاظ و تراکیب کا استعمال مثلاً "تشت" "تقبیل" "محتوی" "مغض" "واژگون" "ارتیاب" "میادین" "بھابھیر" "دست نکالوں" "مرفوع دست" "انتان" "ملاذ قلب" "مضطرد غیر"۔ ان جیسے بے شمار الفاظ و تراکیب ہیں جن سے یہ نعتیہ مجموعہ بھر اڑا ہے اور بعض جگہوں پر تو محسوس ہوتا ہے کہ شعوری طور پر نامانوس الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جبکہ ان کے حروف نسبتاً آسان الفاظ بھی لئے جاسکتے تھے۔ غالباً بشیر حسین ناظم صاحب کا اپنے قارئین کی طبیعت کے بارے میں اندازہ کچھ خوش فہمی پر مبنی ہے۔

دوسری اہم بات اس مجموعے میں "نہ" کا استعمال ہے جو مد وزن "فعل" کیا گیا ہے اور علم عروض کے چند اساتذہ کی نظروں میں میثوب ہے۔ یوں بہت سے اشعار عروضی اعتبار سے زرد میں آتے ہیں۔ پھر شاعر کے بھول چوکہ اس مجموعے میں شامل تمام نعتیں صرف سات ماہ کے قلیل عرصے میں مکمل ہوئی ہیں اس لئے غالباً غفلت میں نظر ثانی کا موقع بھی کم مل سکا ہے۔ مثلاً یہ شعر دیکھئے۔

دقار آدمی تھا آپ کے تشریف لانے میں وہ جب تشریف لائے رونقیں آئیں زمانے میں
اس شعر کے دونوں مصرعوں میں دو مختلف صیغوں کا استعمال۔ پہلے میں آپ اور دوسرے میں
واحد غائب یعنی وہ؟ اس کتاب میں بہت سے اشعار ایسے بھی ہیں جن کو فرد کے طور پر پڑھا جائے تو ان کا نعت
سے کوئی تعلق نظر نہیں آتا مثلاً یہ دو اشعار دیکھئے جو کسی بھی عام غزل کا حصہ محسوس ہوتے ہیں۔

آزادیاں کہاں ہیں میسر بھلا مجھے خود کو اسیر زلف معتمر کے بغیر
تاکہ جہان عشق کی رونق رہے جواں لازم ہے رہنا حسن کا ناظم نقاب میں
اور ایک شعر تو سمجھ میں نہیں آتا کہ اس مجموعے کی ایک نعت میں کیوں اور کس لئے شامل کیا گیا ہے۔

مرا شرہ ہے جہان ادب و حشمت میں شکر ہے شر مجاہدیل میں مشور نہیں
چونکہ معاملہ نعت کا ہے اس لئے مندرجہ بالا باتوں کا ذکر کرنا اولیٰ دینا تدراری کا تقاضا تھا۔ ویسے
اس مجموعے میں ایسے اشعار کی بھی کمی نہیں۔ خاص طور پر جن میں سادہ زبان استعمال ہوئی ہے۔ ان میں سے
بعض میں بے ساختگی بھی محسوس ہوتی ہے جو شاعر کے جوش عقیدت کا اظہار کرتی ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔
مرے مولا تری رحمت سے پوری ہر تمنا ہو مگر ہے آرزو دل کی مرا مدفن مدینہ ہو
قربان کروں میں جان گرامی ہزار بار ان کے قدوم پاک پر آئیں جو خواب میں

مجھ بے نوا کو کوئے مدینہ میں دیکھ کر سرور اہل عشق و محبت ہوا کے
بہر حال اس کاوش پر بشیر حسین ناظم مبارکباد کے مستحق ہیں۔ (منصور ملتانی)

☆☆☆

تسکین قلب / مسعود چشتی

جس طرح باران رحمت کے نزول کے بعد پوری فضا میں ایک عمومی تبدیلی محسوس ہوتی ہے کہ
بجز زمین بھی بجز سے مالا مال ہو جاتی ہے۔ کچھ اسی طرح اہل کرم کی صورت رسول پاک سے محبت برصغیر
اور خاص طور پر پاکستان پر یوں برس رہی ہے کہ ہر طرف سیرت رسول ﷺ پر کام ہوتا نظر آتا ہے۔ کہیں
نثر کے گلستان سجائے جا رہے ہیں تو کہیں نئے نئے شعراء نعتیہ گلدستے لئے محفل ہستی میں رنگ اور خوشبو
بانٹتے پھرتے ہیں۔ اور ان نواردان کی تعداد میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے کئی ایسے اصحاب کے نعتیہ مجموعے
شائع ہوئے ہیں جنہیں اس توفیق سے قبل ان کے احباب بھی حیثیت شاعر نہیں جانتے تھے۔ پھر ایک جوہر
قابل کی دریافت کا عمل ہوتا ہے اور یوں ایک اور نعتیہ شعری مجموعہ منسہ شہود پر آجاتا ہے۔

زیر نظر نعتیہ مجموعہ "تسکین قلب" نوجوان نعت گو مسعود چشتی کی کاوش ہے۔ مسعود چشتی
صاحب سلسلہ ہیں۔ بنیادی طور پر سائنس کے طالب علم ہیں اور فیصل آباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپنے لئے
خادم الفقراء کے خطاب کو پسند کرتے ہیں۔ اس مجموعہ نعت کے شروع میں مسعود صاحب کے بیروم شد
حضرت صاحبزادہ محمد ضمیر الحق چشتی کے علاوہ راغب مراد آبادی، حفیظ صاحب، سحر انصاری، حفیظ الرحمن
صدیقی، نواز قادر چشتی، زاہد شہید محمود، خالد اطہر، احمد ہدانی، اشفاق الزماں خان، محمد حسین، قرین،
دقار احمد زبیری، طلعت طارق، حسن وقار گل، صادق یوسفی، آصف علی اور افضل الفت کی لکھی ہوئی مختصر
تقریحات ہیں۔ جو غالباً نئے نعت گو کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش ہیں۔ قطعہ تاریخ اشاعت بھی دیا گیا ہے جو
راغب مراد آبادی کی فکر رسا کا نتیجہ ہے۔ کتاب کے آخر میں چہرہ نما کے عنوان سے شاعر کے تمام ضروری
کوائف بھی دیئے گئے ہیں۔ اس مجموعے میں کل (۶۳) تریسٹھ نعتیں ہیں (جو غالباً حضور ﷺ کی عمر ظاہری
کی نسبت سے ہیں) جبکہ شروع میں ایک طرحی حمد ہے اور اس کتاب میں ۷ نعتیہ قطععات بھی شامل ہیں۔

احمد ہدانی کے ہول مسعود چشتی نعت گوئی کے اس داستان سے متعلق ہیں جس میں نعت گوئی کا
حرک جذبہ عقیدت و محبت ہوتا ہے اور مسعود چشتی نے حد درجہ عقیدت و محبت کے باوجود بڑی احتیاط سے
نعت گوئی کا راستہ طے کیا ہے۔ ہم ہدانی صاحب کی اس رائے سے پوری طرح متفق ہیں دراصل یہ پوری
کتاب مسعود چشتی کی عقیدت کے پھولوں کا گلدستہ ہے جس میں بعض اشعار کی منک طبعیہ محسوس ہوتی
ہے۔ مثلاً

تصدق نطق احمد پر کروں میں جان و دل اپنے جو ان کے منہ سے نکلے بات وہ قرآن ہو جائے

نظریں جھکیں ہوں لب پہ کوئی بھی صدانہ ہو احوال اپنے دل کا ادب سے نائے

جو شام و سحر حاضر دربار نبی میں ہیں مسود گداؤں کی تقدیر کا کیا کتا

۱۷۶ صفحات پر مشتمل یہ غیر مجلد کتاب خوبصورت سرورق کے ساتھ سفید کاغذ پر راغب

اکڈمی کراچی نے شائع کی ہے اور اس کا ہدیہ 100 روپے کچھ زیادہ محسوس ہوتا ہے۔ (منصور ملتانی)

☆☆☆

قصیدہ نعتیہ / لالہ سحرانی

لالہ سحرانی نے کچھ عرصے سے شعوری طور پر اس بات کی کوشش کی ہے کہ اردو میں مرد و
تمام اصناف سخن میں نعت گوئی کا شرف حاصل کریں۔ زیر نظر "قصیدہ نعتیہ" اسی کوشش کے ایک حصے کے
طور پر سامنے آیا ہے۔ ۱۰۷ اشعار پر مشتمل یہ قصیدہ اپنے موضوع کے اعتبار سے تو ظاہر ہے انتہائی محترم
ہے کہ اس میں مدحت رسول اکرم ﷺ کی گئی ہے تاہم ہنسی اعتبار سے صرف بنیادی ارکان قصیدہ کے
مطابق ہے یعنی اس میں پہلا شعر مطلع ہے اور باقی تمام اشعار کے دوسرے مصرعے مطلع کے مطابق قافیہ
رکھتے ہیں اور یہ غیر مردف ہے۔ موضوعاتی بیعت کے اعتبار سے فارسی شعراء نے قصیدے کو جن چار اجزاء
یعنی تشبیب، گریز، مدح اور عرض مدعا سے مزین کیا ہے قصیدہ نعتیہ اس ترتیب سے ماوراء ہے۔

لالہ سحرانی نے اس قصیدے کے اشعار میں شعوری ضرورت کے مطابق تعداد اشعار پر زیادہ
توجہ مرکوز کی ہے جس کے سبب مضامین مربوط نہیں محسوس ہوتے اور کہیں کہیں ترتیب میں سو محسوس
ہوتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ موزون طبع کی روانی نے قلم برداشتہ یہ قصیدہ قلمبند کر دیا ہے اور شاعر نے
اس ترتیب کو جو نظر ثانی سے زیادہ بہتر ہو سکتی تھی نہیں کیا ہے۔

مجموعی طور پر یہ قصیدہ جذب و شوق کا اظہار یہ ہے۔ اشعار کی مدد شمس عموماً چست ہیں۔
مضامین بھی خوب ہیں تاہم کہیں کہیں حشو و زوائد سے اشعار کی خوبصورتی مجرد ہوتی ہے مثلاً یہ شعر جو
قصیدہ کا مطلع ہے اور جس پر قصیدے کے حسن کی بنیاد رکھی جاتی ہے کہ مصرع ثانی میں "پھر" کا مقام کیا
ہے؟

حضور لکھوں قصیدہ میں آپ کا کیونکر جو سوچتا ہوں تو جلتے ہیں پھر خیال کے پڑ
کچھ اور ایسے اشعار دیکھتے جن میں خط کشیدہ الفاظ اسی زمرے میں آتے ہیں۔

جو عالم لغت کا ذکر چھڑ جائے کہوں کہ آپ کا سا پیدا ہوا نہ ہوگا لہر

کوئی جو شکوہ کرے گردش زمانہ کا کہوں کہ یہ شب معراج میں گئی تھی ٹھہر
اگر نہ آپ کی طاعت ہو وجہ حمیت کہوں کہ خانہ جاں ہی میں یوں نہ جاؤں بھر
اس کے علاوہ شعر نمبر ۸۵ میں معنوی اعتبار سے بہت بڑا سہو ہے۔ جس پر شاعر سے خصوصی توجہ کی
درخواست ہے۔

کہیں کے رکتے ہو پتے میں کوئی مال بھی کیا؟ کہوں غریب ہوں حُبِ نبی ہے مال و زر
یعنی حُبِ نبی کا مال و زر رکھ کر خود کو غریب کتنا چہ معنی دارد؟ قصیدہ نعتیہ مجموعی طور پر ایک
اجیبی کوشش ہے جس میں کل ۵۲ اشعار ہیں۔ کہیں اور کیوں سے مصرعے شروع کر کے مکالمے کی فضا پیدا
کی گئی ہے۔ چھوٹے سائز پر طبع شدہ یہ کتابچہ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے اور سفید کاغذ پر ہلکے نیلے رنگ کے
سادہ سرورق کے ساتھ مصنف نے ہدیہ تقسیم کرنے کے لئے بلاک نمبر ۶ جانیال ضلع خانوالہ سے شائع
کیا ہے۔ (منصور ملتان)

☆☆☆

فی احسن تقویم / جاوید احسن خان

مندرجہ بالا عنوان پر لکھی گئی کتاب دراصل جاوید احسن خان کا نعت سے متعلق ایک تنقیدی
مقالہ ہے جسے مصنف نے سات ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ اس کتاب کا پیش لفظ سردار حافظ اورنگ زیب
عائیں خان آزرہ کا تحریر کردہ ہے جو مقام دھوا تحصیل تونسہ ضلع ڈیرہ غازی خان میں آباد کیتھران قبیلے کے
سربراہ ہیں۔ انہوں نے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ:

”جاوید احسن خان نے اپنی دستِ مطالعہ سے تقریباً تمام نعت گو شعراء کی ایک
فہرست ہمارے سامنے رکھ دی ہے ورنہ ہم ان کے نام تک نہ جانتے اور یہ ان کی
تخلیقی کاوشوں کے ساتھ زیادتی ہوتی۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اب کوئی
تحقیق مزید محنت کرنا چاہے تو اسے راستہ صاف نظر آ رہا ہے۔ جاوید صاحب نے
ایک اور اچھا کام یہ کیا ہے کہ کچھ غیر معروف شعراء کے مشہور بلکہ زبان زد خلق
اشعار جو لاوارث دولت بنے ہوئے تھے کے متعلق بھی تحقیقی رائے دی ہے کہ وہ
کس کی کاوش ہیں۔“

اس پیش لفظ کی روشنی میں مقالہ کا مطالعہ خاص دلچسپ رہا ہے۔ مصنف نے اپنے ابواب کو مختلف
عنوانات دیئے ہیں۔ باب اول ”نعت کی تعریف“ ہے جس میں حمد، نعت اور منقبت کی تفریقیں اور آپس کا
فرق موضوع بحث ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ اور ہمزہ الیومیری کے عربی نعتیہ اشعار دیئے گئے

ہیں۔ باب دوم ”نعت کے لوازمات سے متعلق ہے۔ جس باب کے عنوان کے نیچے ہی یہ مصرع لکھ کر
موضوع کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ (باخدا دیوانہ باشد با محمد ہو شیر) اس میں دس ذیلی عنوانات بھی ہیں جس
کی ترتیب یوں ہے۔ حفظ مراتب کا ادراک۔ فرق فی الصلیات انبیاء۔ ادب و احترام۔ تشبیہ و استعارہ کا استعمال
انتخاب الفاظ انداز بیان انداز خطاب، حقیقت نگاری، مضامین نعت اور آخری عنوان عشق خدا کا رسول عشق
خدا کا کلام ہے۔

باب سوم میں عربی زبان میں نعت گوئی کی روایت کے تحت کچھ تعارف کے ساتھ (۸۰) سی
شعراء کی فہرست دی گئی ہے۔ باب چہارم میں فارسی نعت گوئی کے موضوع پر بحث کے ساتھ (۶۳)
چونسٹھ شعراء کی فہرست موجود ہے۔ باب پنجم میں ”اردو نعت آغاز و ارتقاء“ موضوع بحث ہے۔ جسے
مصنف نے تین ادوار میں تقسیم کیا ہے یعنی عمد شائسی سے دور غلامی تک۔ تحریک آزادی سے تقسیم ہند تک
اور قیام پاکستان سے لمحہ موجود تک۔ ساتھ ہی تینوں ادوار کے شعراء کی علیحدہ علیحدہ فہرست ہے۔ پہلے دور
کے ۳۳ چیدہ چیدہ شعراء کے نام مع تاریخ و قات درج ہیں۔ پھر دوسرے دور کو اردو نعت کی نئی روایت
کے عنوان سے لکھا گیا ہے اور اس دور میں صرف امیر مینائی، سخن کا کوروی، الطاف حسین حالی اور بریلوی
برادران یعنی مولانا احمد رضا خان اور مولانا حسن رضا خان کا ذکر کیا ہے۔ اس حصے میں مصنف نے خاصے
نمایاں الفاظ میں یہ لکھ کر کہ ”مولانا احمد رضا خان بریلوی کا زیادہ تر کلام فرقہ وارانہ مضامین پر مشتمل ہے۔“
اپنی غیر جانبداری کو مشکوک کر لیا ہے۔

باب ششم میں حدیث دیگران کے عنوان سے غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کو موضوع بنایا ہے
اور بیشتر غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کے بارے میں رائے دی ہے کہ ”ان اشعار میں ہندو ذہن کا فرما ہے
کہ تصوف اور نعت کے ذریعے عام مسلمانوں کے خام ذہنوں کو پرانندہ کیا جائے اور ان کی مذہبی تصورات
میں خلل ڈالا جائے۔“ اس کے علاوہ جاوید احسن صاحب نے کچھ غیر مسلم اہل فکر و نظر کو تعصبات قومی سے
بلند نعت گو شعراء کہا ہے۔ جن میں ہری چند اختر، جگن ناتھ آزاد، کنور مندرا سنگھ بیدی، سحر گرسرن لال
ادیب اور نذیر قیصر شامل ہیں اور ان کی نعتیں شاعرانہ دیانت کی مثالیں کہی گئی ہیں۔ ہاں البتہ مصنف نے اس
کسوٹی کا کہیں تذکرہ نہیں کیا جس پر انہوں نے تمام غیر مسلم شعراء کی نیتوں کو پرکھا ہے اور مندرجہ بالا کو
سرٹیفکیٹ جاری کئے ہیں۔ اس باب میں ایک قطعی غیر مکمل سی غیر مسلم شعراء کی فہرست بھی دی گئی ہے
جو نور احمد میرٹھی کی مرتبہ ”بہر زمان بہر زبان“ کی موجودگی میں غیر اہم ہے۔ اس کے علاوہ اسی باب میں
فاضل مصنف نے اردو نعتیہ شاعری پر ہندو حمیات کے اثرات پر بھی بحث کی ہے۔ باب ہفتم کا عنوان ذوق معنی
ہے یعنی ”اردو نعت کا دور اقبال“ اس میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خان اور علامہ محمد اقبال کا تذکرہ
ہے اور اس کے بعد اسی باب میں ”نعت رسول کا عمد جدید“ کے عنوان سے پہلے تو نواب بہادر یار جنگ بیدم

شاہ دارٹی، علامہ سیماکبر آبادی، مولانا حسرت موہانی، محمد اسد خان، اسد ملتانی، مولانا ماہر القادری، بہار اور لکھنوی اور حفیظ جالندھری کا مختصر تذکرہ کیا ہے۔ پھر اس کے بعد لمحہ موجود کے اہم شعراء میں احمد ندیم قاسمی، مظفر وارثی، نصیر الدین نصیر، حفیظ تائب، نعیم صدیقی، اقبال عظیم، عاصی کرنالی، لالہ صحرائی، خالد محمود نقشبندی اور حافظ لدھیانوی کو سراہ کر فرست رکھا ہے۔ اس کے بعد نمایاں ناموں کی ایک طویل فہرست ہے جو ۲۳۰ ناموں پر مشتمل ہے۔

جاوید احسن صاحب کے اس مقالے میں نعت کے خاصے موضوعات کو چھوا گیا ہے بلکہ محسوس ہوتا ہے کہ فاضل مصنف نے تنقید نعت کے اہم عنوان کو بھاری پتھر کی طرح محسوس کیا ہے اس لئے اسے اٹھانے کی بجائے جھک کر عقیدت سے چومے اور آگے بڑھ گئے ہیں۔ تاہم ڈیرہ غازی خان جیسے دور افتادہ مقام سے اس کتاب کی اشاعت قابل قدر جرات ہے جس کے لئے مصنف و ناشر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ کتاب کی کلمت ترتیب و اشاعت ذرا سی محنت اور توجہ سے بہت بہتر ہو سکتی تھی۔ ۱۳۳ صفحات پر مشتمل یہ غیر مجلد کتاب سلیمان اکیڈمی، ڈیرہ غازی خان نے شائع کی ہے اور اس کی قیمت 100 روپے رکھی گئی ہے جو کچھ زیادہ محسوس ہوتی ہے۔ (منصور ملتانی)

☆☆☆

جذبات و جیہہ / شاہ و جیہہ الدین احمد خان قادری

یہ مختصر نعتیہ کتاب حضرت مولانا شاہ و جیہہ الدین احمد خان قادری مجددی کے کلام پر مشتمل ہے۔ جسے اب تک چار بار ”جذبات و جیہہ“ کے نام سے شائع کیا جا چکا ہے۔ پہلی بار شاعر کی حیات ہی میں اور باقی تین بار ان کے نواسے مولوی مظاہر اللہ خان کی کاوشوں سے۔ اس کتاب میں ایک حمد ۲۶ نعتیں بہ انداز غزل، دو مخمس، تین مسدس، زبان اردو ہیں اس کے علاوہ دو فارسی نعتیں اور ایک عربی نعت بھی ہے۔

اس کتاب کی سب سے اہم بات اس میں موجود علیحدہ حصہ ”مدح قرآن“ ہے۔ جس میں چھ مدحیہ غزلیں اور ایک مسدس ہے۔ مدح قرآن موضوع کے اعتبار سے بالکل الگ اور اچھوتا حصہ ہے۔ آج تک مجھ ناقص علم رکھنے والے کی نظر میں کسی شاعر نے اس خصوصیت کے ساتھ اس موضوع پر اشعار تخلیق نہیں کئے ہیں قرآن کی فریاد کے عنوان سے چند اشعار تو ملتے ہیں جیسے

طاقتوں میں سجایا جاتا ہوں سینے سے لگایا جاتا ہوں
دغیرہ۔ لیکن اتنی خوبصورتی سے پیغام قرآن کہیں اور نظر نہیں آتا کہ
ہر اک سورۃ علاج نفس آدہ کا نسخہ ہے ہر اک آیت ازالہ ہے دلوں کی ناتوانی کا
یابہ کہ۔

خدا نے بھر دیا دریائے رحمت ایک کوزہ میں یہ وہ کوزہ ہے جس سے شان اچھاری نمایاں ہے حضرت وجیہہ الدین کی اعلیٰ سوچ کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ نعتوں میں روایتی پن بہت نمایاں ہے۔ زمین بھی مروج ہی استعمال ہوتی ہیں ہاں البتہ جذلوں اور محسوسات کی گہرائی قابل غور ہے۔ چند اشعار دیکھئے۔

طریقت باطن کی مشعل ہے روح حضرت کی اک تجلی شریعت ظاہر اکارستہ انہی کے قدموں کی اک ڈگر ہے
زمین پر مختصر ٹوٹا سا حجرہ ادھر قدموں میں فردوس بریں ہے
ترے عشق کا ہے معاملہ تری نیتوں پہ مدار ہے شہ دو جہاں کی شعاع رخ نہ قریب ہے نہ دور ہے
نبی ترساں ملک حیراں کوئی مشغول سجدہ ہے جہاں کی شان کتنی ہے یہ تفسیر شفاعت ہے
کل ۵۶ صفحات پر مشتمل یہ کتاب سفید کاغذ اور سادہ گہرے زرد رنگ کے سرورق کے ساتھ مکتبہ وزیریہ انٹوری باغ رامپور (یو پی) انڈیا نے شائع کی ہے۔ (منصور ملتانی)

☆☆☆

کفیل غریب /

یہ رسالہ معروف بہ آفتاب نعت سلسلہ قاسمیہ مصطفائیہ، فضل رحمانیہ کے سجادہ نشین حاجی سید محمد شمشاد حسین ہاشمی قاسمی مصطفائی فضل رحمانی بریلوی کی فرمائش پر محمد تقی فضل حسین و محمد عبدالرحیم قاسمی مصطفائی فضل رحمانی قادری چشتی سروردی نقشبندی خادم و نعت خواں خانقاہ مصطفائیہ عالیہ قدسیہ نے ترتیب دے کر خانقاہ ہی سے شائع کیا ہے۔ سرورق سادہ بہ رنگ سبز ہے۔ کفیل غریب عنوان باتاریخ یعنی ۱۳۵۲ھ رکھا گیا ہے کیونکہ اسے پہلی بار ۱۳۵۲ھ میں ہی پیر و مرشد کے حکم پر ان کی خوشنودی کے پیش نظر ان کی حیات ظاہری ہی میں شائع کیا گیا تھا۔ یہ بات پیش لفظ میں بیان کر دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ پیش لفظ میں یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ یہ مجموعہ کلام حاجی صاحب کے ان محدودے چند مریدوں کی نعتوں اور مقبول پر مشتمل ہے جن پر خاص طور پر حاجی صاحب نے نظر بہ غایت اصلاح ڈالی تھی۔

اس مجموعے میں (۷) سات حمدیں (۱۲۲) ایک سو بائیس نعتیں ہیں۔ نعت گو حضرات میں سر فرست حمایت اللہ قاسمی مصطفائی فضل رحمانی ہیں جن کی (۲۹) غزلیہ نعتیں اور سات نعتیہ مخمس اس مجموعے میں شامل ہیں۔ دوسرے نمبر پر عبدالرحیم قاسمی مصطفائی فضل رحمانی ہیں جن کی (۲۷) غزلیہ نعتیں اور دو نعتیہ مخمس اور ایک نعتیہ مثلث اس میں موجود ہے۔ مجموعی طور پر اس رسالے میں تیس شعراء کا کلام شامل ہے جن میں تین خواتین بھی ہیں۔ اس مجموعے میں گو کہ روایتی شاعری اپنی پوری جلوہ سامانیوں

کے نشان "اور ۱۹۷۹ء میں شائع شدہ مجموعے "تصویر کمال محبت" کے تمام کلام کو نئے کلام کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں ان کی مشہور زمانہ نعتیں بھی شامل ہیں جن کے اشعار محتاج تعارف نہیں۔

خدا کا ذکر کرے ذکر مصطفیٰ نہ کرے ہمارے منہ میں ہو ایسی زبان خدا نہ کرے

رحمت کا در کھلا ہے دربار مصطفیٰ میں بن مانگے مل رہا ہے دربار مصطفیٰ میں

ایسا بھی ہو یا سید ادرار کسی دن ہو جائے مری حاضری سرکار کسی دن

ترتیب کے اعتبار سے یہ مجموعے ترتیبی کا شکار نظر آتا ہے۔ شاعر کے شائع شدہ مجموعے ہائے

کلام زبانی ترتیب کے اعتبار سے مکمل شائع کئے جانے چاہئے تھے تاکہ شاعر کے شعوری اور فنی ارتقاء کی

خوبصورت تصویر واضح ہو جاتی۔ موجودہ صورت میں یہ کسی بھی ترتیب کے بغیر یکجا کئے گئے کلام کی شائع شدہ

کتاب ہے جس میں یہ معلوم ہی نہیں ہو سکتا کہ کونسی تخلیق پہلے کی ہے اور کونسی بعد کی۔ پھر کسی غزلیہ نعت

پر عنوان ہے تو بیشتر بغیر عنوان ہیں۔ ایک نعت کو دوسری سے علیحدہ و ممتاز کرنے کا بھی کوئی طریقہ اختیار

نہیں کیا گیا۔ لہذا میں حسن ترتیب میں کہیں عنوان نعتیں دیا گیا ہے تو کہیں خالی مستدس یا نظمیں گویا غزلیہ

نعتوں کے علاوہ باقی اصناف میں نعتیں نہیں ہیں؟ کتاب کی کثمت و طباعت میں بھی جتنی توجہ اور عرق ریزی

درکار تھی غالباً غفلت یا مصروفیت کے سبب اس پر پورا دھیان نہیں دیا گیا۔

ایک اہم بات کہ مرتب نے کسی بھی قسم کی وضاحت کے بغیر شاعر کے ایک شعر کو منتخب کر کے

لہذا میں پورے صفحے پر خدا معلوم کس لئے شائع کیا ہے۔ اس شعر کو نعتیہ مجموعے کی لہذا میں فرد کی

حیثیت سے پڑھ کر حیرت ہوئی ہے۔

پھول کی پتی سے نازک تھا مرا طرز کلام تلخی ایام اس کو کر گئی آتش

صفحہ نمبر ۱۵۶ پر ایک نعت کے نیچے منظوم وضاحت ہے جس میں اپنی ایک نعت کے مطلع کو

سر قذ کرنے کا ذکر ہے مگر اظہار کی زبان بہت پست ہے جو جناب ادیب رائے پوری کے معیار سے پست تر

ہے۔ عشق احمد میں ڈوبے ہوئے اشعار لکھنے والا اگر یہ لکھے کہ "بحری مشک اگر دے سکتی مر جائے آہو" تو اچھا

محسوس نہیں ہوتا۔

۲۰۰ صفحات پر مشتمل یہ خوبصورت کتاب مدحت پبلشرز نے کراچی سے شائع کی ہے۔

(منصور ملتانی)

☆☆☆

ذوق عرفان / اسرار احمد سہاوری

پروفیسر اسرار احمد سہاوری نے اپنے نعتیہ دیوان کا دیباچہ اور مقدمہ خود قلم بند کیا ہے اور اپنے

ارے میں انہوں نے خود اتنا کچھ کہہ لیا کہ دوسروں کے کہنے کے لئے کچھ بھی باقی نہیں چلا۔ ان کے چند جملے بطور اقتباس نقل کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔

"اس کتاب کا میں نے نام "ذوق عرفان" تجویز کیا ہے۔ عرفان کا مطلب روحانی باتیں عالم قدس کا ذکر خدا اور رسول کی یاد آوری"

"میں نے حمد و نعت اور نظم کو بھی نعتوں کے بہت قریب لانے کی کوشش کی ہے۔"

"میں نے ان نعتوں میں فکر و فن، خیال آرائی اور جذبہ طرازی کی نمود پیدا کرنے کی کوشش کی ہے"

"میں نے پورے شعور کے ساتھ جدت اور جدت خیال کو بہم آوری کا اہتمام بھی کیا ہے۔"

"میں نے نعت اور حمد کی ترسیل اور لبلاغ میں حسن خیال اور حسن بیان دونوں کے استخراج کو ملحوظ رکھا ہے۔"

"زبان دیباچہ میں سلاست روانی ہے، تکلفی اور نعتی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔"

"میں نے جدید معاشرتی، معاشی، ثقافتی اور سیاسی رجحانات کی بھی عکاسی کی ہے۔"

"رنگ و آہنگ، لبلاغ و ترسیل میں غالب کے انداز بیان کی پیروی کرنے کی کوشش کی ہے۔ میرے خیال میں غالب کی عمومی پیروی کی وجہ سے تمام مندرجہ نظموں کے اظہار و لبلاغ میں ایک نیا پیمانہ

طرقتی، پہلو داری ضرور پیدا ہو گئی ہے۔"

"حمد و نعت چونکہ بیاد کی طور پر قصائد ہیں اس لئے اظہار میں نعتوں کے ساتھ قصیدے کی شوکت الفاظ بلند آہنگی، تراکیب اور خیال کی بلند پروازی کو بھی کافی دخل حاصل ہو گیا ہے۔"

"اب آپ میری مندرجہ بالا گزارشات کے حوالے سے کتاب کے مندرجات کو ملاحظہ فرمائیے۔"

میں نے مصنف کی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے کتاب کے مندرجات میں ان کے دعویٰ کی دلیل تلاش کرنے کی کوشش کی تو پتا چلا کہ ان کے یہ سارے بلند بانگ دعویٰ کافی حد تک درست ہیں اور

ساتھ ہی ان کے کلام میں خلوص کی بڑی چاشنی ملتی ہے جو حمد و نعت کی ضرورت ہے مگر وہی بات کہ یہ ساری باتیں دوسروں کے کہنے کی تھیں جو انہوں نے خود کہہ لیں اب ہم کیا کہیں۔

ناشر: فروغ ادب اکادمی سٹیٹسٹ ٹاؤن کوہ جراتوالہ (حنیف اسعدی)

☆☆☆

تجلی / حسین سحر

پچھلے دنوں پروفیسر حسین سحر کی "تجلی" کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس کتاب کو مصنف نے خود ہی دینی شاعری کہا ہے۔ کتاب میں زیادہ تعداد نعتوں کی ہے۔ شروع میں ۳۲ عدد کیف و اثر میں

ڈولی ہوئی حمدیں ہیں۔ کچھ مقبتیں اور کافی تعداد میں "سلام"۔ اس اعتبار سے بھی خالصتاً یہ دینی کتاب ہے کہ اس میں دنیا شامل ہی نہیں "جگلی" ایک ایسی کتاب ہے جو مرد و تہ اصولوں سے ہٹ کر بغیر کسی تمہید، تقریظ، مقدمہ یا دیباچہ کے اچانک شروع ہو جاتی ہے۔ حسین سحر نے اس تکلف سے خود کو یکسر پاک رکھا ہے۔ نہ اپنے متعلق خود کچھ لکھانہ کسی دوسرے سے لکھوایا حتیٰ کہ اپنا بابو ڈپٹا تک پیش نہیں کیا۔ دراصل اس کی ضرورت بھی نہ تھی۔ حسین سحر دنیائے ادب کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ اب انہیں کسی تعارف کی ضرورت نہیں۔ ان کی یہ خود اعتمادی مجھے بہت اچھی لگی۔ انہوں نے جو کچھ کہا اسے جمع کیا اور قارئین کے سامنے کے سامنے پیش کر دیا۔ مقدمے اور تقریظ اپنی بہت سی خوبیوں کے باوجود ایک کمزور پہلو بھی رکھتے ہیں۔ قاری کو دوسروں کی رائے کی روشنی میں مطالعہ کی پیشکش زبردستی کلام اور صاحب کلام کی تعریف و توصیف پر اکسانے اور مجبور کرنے کا عمل ہے جو میری رائے میں کسی طرح پسندیدہ نہیں۔

حسین سحر کی "جگلی" آنے والی کتابوں کے مصنفین کے لئے مشعل راہ کا کام دے سکتی ہے اگر لوگ اس اقدام کو مستحسن قرار دینے کی جرأت کر سکیں۔

حسین سحر تدریسی شعبہ سے وابستگی کے سبب ایک معتبر صاحب علم اور ادیب و شاعر ہیں۔ ان کو زبان اور میان پر قدرت بھی ہے اور اعتماد بھی۔ عقیدت کا حسن اس پر مستزاد ہے۔ اللہ کریم ان کے ذہن کو مزید رسا اور ان کے قلم کو اور رواں کرے۔ آمین

ناشر: کتاب گھر آرکیڈ، ملتان کینٹ

(حنیف اسعدی)

☆☆☆

احترام / کالی داس گپتارضا

کالی داس گپتارضا کی یہ تصنیف صرف ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے جو بھارت کے شہر ممبئی سے شائع ہو کر پاکستان تک پہنچی۔ اس کتاب میں چند رباعیاں، کچھ قطعات اور چند نعتیں شامل ہیں جو سب کی سب انتہائی عقیدت کا مظہر ہیں اور شاعر کی ہنر کوئی کی اچھی دلیل بھی فراہم کرتی ہیں۔ بقول مصنف اس کتاب کا بہت سا کلام ان کی کتاب "آجائے" میں جو ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی تھی چھپ چکا ہے۔ اس اعتبار سے "احترام" گوباب رسالت کا دوسرا ایڈیشن سمجھنا چاہئے جو کچھ اضافوں کے ساتھ پیش خدمت ہے۔

بڑی حیرت اور مسرت کی بات ہے کہ بڑے صغیر پاک و ہند کے غیر مسلموں نے جس میں کثیر تعداد اہل ہند کی ہے آقائے دو جہاں کی خدمت میں گلمائے عقیدت پیش کئے ہیں۔ ہندو شعراء نے اتنی نعتیں کہیں ہیں کہ اب تک نہ جانے کتنے گلدستے مرتب ہو چکے ہیں اور یہ سلسلہ تاحال جاری ہے مگر یہ امر اس طرح حیرت کا نہیں رہتا کہ جس ذات ہند کا ت کی مدحت سرائی میں انہوں نے علاوہ غیروں نے بھی

حصہ زیادہ ذات ہے ہی اتنی ارفع و اعلیٰ اور عظیم و مکرم کہ اس کی مدح و ثنا کرنے میں اپنے پرانے سب شریک ہیں۔ کالی داس گپتارضا بھی ان خوش نصیبوں میں سے ہیں جن کے قلب کو نور رسالت سے روشنی نصیب ہوئی۔ انہوں نے حالانکہ حضور ﷺ کو نہ اپنا ہادی مانا اور نہ ان کی پیروی کی۔ نہ اسلام کی آغوش میں پہنچی مگر حضور اقدس ﷺ کے کردار اور شخصیت ان کے اسوہ سے اتنے متاثر ہوئے کہ ان کو اس طرح تسلیم کیا۔ نہ نماز آتی ہے مجھ کو نہ دعا آتی ہے میرے ہونٹوں سے مگر حق کی صدا آتی ہے حق کی یہی صدا انہوں سے لے کر غیروں تک کے دلوں کو جگمگا گئی اور حضور ﷺ اسلام ہی کے نہیں انسانیت کے رہبر و رہنما ٹھہرے۔

پبلشر: ساکار پبلشرز پرائیویٹ لمیٹڈ، جولی بھون نمبر ۱۰، امیرین لائنز، ممبئی ۴۰۰۲۰

(حنیف اسعدی)

☆☆☆

یہ تو کرم ہے ان کا ورنہ / کوثر بریلوی

کوثر بریلوی کا مجموعہ نعت میرے پیش نظر ہے۔ اسے حرافہ و ٹریشٹن پاکستان نے بڑی خوبی و خوشنمائی کے ساتھ شائع کیا ہے گویا یہ مجموعہ معنوی حیثیت کے ساتھ ساتھ صورتی حیثیت سے بھی قابل توجہ اور لائق تحسین ہے۔

کتاب خدائے بزرگ و برتر کی تعریف (حمد) سے شروع ہوتی ہے اور نعتوں کے ایک ایسے خاصے ذخیرے کے بعد کچھ محبتوں پر ختم ہوتی ہے۔

کوثر بریلوی صاحب ایمان شخصیت ہیں۔ ان کی تعلیم و تربیت مذہبی اور دینی ماحول میں ہوئی۔ شریعت اور طریقت ایک جگہ جمع ہو جائیں تو مسلمان مومن کے منصب پر فائز ہو جاتا ہے۔ ان سب عوامل کی روشنی ان کے کلام کے حرف و حرف سے جھلکتی ہے۔

نعت گوئی عقیدت بھی ہے اور فن بھی۔ بغیر اس سعادت کے نہ نعت کہی جاسکتی ہے نہ سمجھی جاسکتی ہے بلکہ یہ وہ شرط اولیٰ ہے جس کے بغیر نعت گوئی ممکن ہی نہیں۔ جہاں تک عقیدت کا معاملہ ہے وہ کوثر بریلوی کے جسم و جان کا معاملہ ہے۔ وہ گئی فن کی بات تو اس کے لئے علم، معلومات، زبان و ادبی اظہار بیان کی قوت، اسلوب، لفظی دروہست جیسے اہم عوامل کی ضرورت ہے جس کے نتیجے میں تاثیر اپنا جاو و جگاتی ہیں اور دل سے نکلی ہوئی بات دلوں تک پہنچتی ہے۔ انہیں عوامل کی کمی پیشی یا بیچ اونچ کلام کو مؤثر یا غیر مؤثر بناتی ہے اور اسی طریق کار کی روشنی میں کلام اور صاحب کلام کی سطح اور حیثیت متعین کی جاتی ہے۔

عقیدت کے اعتبار سے تو کوثر بریلوی پاکیزہ طبع اور راہ مستقیم کے راہی ہیں۔ اب رہ گئی دوسری

شرط تو اس اعتبار سے بھی کوثر صاحب نے کبھی اپنے قاری کو مایوس نہیں کیا۔ کوثر بیوی کا شعری، تہ معتبر سفر ہے۔ ان کی نعتوں میں بڑی خوبی و دلآویزی ہے۔ ان کے دل سے نکلی ہوئی یہ ساختہ بات سیدھی دلوں کو کیفیت سے سرشار کرتی ہے مگر یہ عقیدت منقبت تک آتے آتے بہت عام ڈگر پر آ نکلتی ہے اور عام اہل طریقت کی طرح انتہا پسندی تک جا پہنچتی ہے۔ بزرگان دین کا ذکر وہاں بڑی عقیدتوں اور بہت محبتوں کا معاملہ ہے مگر اس سلسلے میں ایسا مبالغہ جو احتیاط کی حدود کو پھیلا کر جانے کسی طرح مناسب نہیں۔ اللہ والے اللہ کے مدد سے ہیں ان سے ایسی کرامات منسوب کرنا جو صرف اللہ کا منصب ہے شدید ترین اور خطرناک مبالغہ ہے۔ اللہ ہم سب کو اس بے احتیاطی سے محفوظ رکھے۔

(حنیف اسعدی)

☆☆☆

روح عالم / یوسف طاہر قریشی

روح عالم یوسف طاہر قریشی کی غیر منقوٹ نعتوں کی بے مثل کتاب ہے۔ قدرت کلام کی ایک ایسی مثال جس کی مثال دشوار اور جس کی نقل محال ہے۔ اس قسم کی کاوش سے حالانکہ لکھنے والا اپنی صلاحیتوں کے اظہار اور اپنے کمال فن کی نمائش کرتا ہے مگر فن بہر صورت فن ہے۔ خود پر شدید قسم کی پابندی لگا کر فن بردتاکار دشوار سہی مگر ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جو خود کو اس قسم کے شائقوں میں کس کر طبیعت کی جولانی اور قلم کی روانی کا کمال دکھاتے ہیں۔ طاہر قریشی کی یہ کوشش اس اعتبار سے کامیاب کہی جاسکتی ہے کہ ان کے بیشتر اشعار صاف، رواں اور معیاری ہیں۔ مسئلے کی دشواری کے اعتبار سے کچھ بھرتی کا کلام بھی سامنے آتا ہے مگر وہ اس اعتبار سے گوارا کیا جاسکتا ہے بلکہ سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے کہ اس کا تعلق مدحت سرکار ﷺ سے ہے اس لئے لفظ وہاں کی کوتاہیوں سے قطع نظر اسے صرف اچھائی کہا جاسکتا ہے اور اچھائی کہنا چاہئے۔

ناشر : نعت اکادمی۔ فیصل آباد۔

(حنیف اسعدی)

☆☆☆

گلبن۔ نعت نمبر

احمد آباد ہندوستان سے شائع ہونے والا دو ماہی "گلبن" اپنی اشاعت کے بائیسویں سال کے شمارہ نمبر ۲ یعنی جنوری تا اپریل ۱۹۹۹ء میں مختلف جگہوں سے نعت نمبر کے روپ میں جلوہ افروز ہوا ہے۔ ثریا ہاشمی کی زیر ادارت شائع ہونے والا یہ دو ماہی رسالہ مستقل اہم ادبی خدمات میں مصروف ہے۔ زیر نظر

۲۵۰

رسالہ اپنے ادارتی نوٹ کے مطابق چار حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ نثر ہے جس میں ہلکے مزہ پوری ظہیر غازی پوری، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگالوی اور ظفر ہاشمی (جید پور) کے مختلف مضامین ہیں جو منصوبہ بندی کی تحت کم اور قلم برداشتہ زیادہ محسوس ہوتے ہیں۔

دوسرے حصے میں اردو شاعری کی تاریخ سے چند نعتیں شامل اشاعت ہیں۔ یہ مختلف ادارت سے نمونہ ملی ہوئی نعتیں ہیں جنہیں بھول مدیر قلمی طور پر انتخاب نہ سمجھا جائے۔ ان نعتوں میں مکاؤ بھی محمد قلی قطب شاہ اور ملا نصر قلی سے لیکر امیر مینائی، محسن کاوردی سے ہوتے ہوئے اظہر نہیں اور ظہور نظر تک کل ۲۳ نعتیں ہیں۔

تیسرے حصے میں عمری شعراء کی بھول مدیر غیر مطبوعہ نعتیں ہیں جن کی کل تعداد ایک سو پانچ (۱۰۵) ہے۔ جس میں (۷۱) شعراء کا تعلق ہندوستان سے ہے۔ (۳۲) شعراء کا تعلق پاکستان سے ہے جبکہ ایک شاعر انگلستان سے یعنی ساحر شیوی اور دوسرے جرمنی سے ہیں حیدر قریشی۔ آخری یعنی چوتھے حصے کی تخصیص سوائے فرست کے اور کہیں نہیں ہے جس سے کل پندرہ نعتیں ہیں جن کے آٹھ شعراء کا تعلق ہندوستان سے، چھ کا تعلق پاکستان سے ہے اور ایک شاعرہ رشیدہ عیال کا تعلق نوجر سی امریکہ سے ہے۔ عمری نعتوں کے ان حصوں میں بے شمار نام ایسے ہیں جو نا آشنا سے ہیں اور وہ حضرات نعتوں میں بھی نا آشنا ہی نظر آتے ہیں جبکہ بہت سے اہم شعراء کی شمولیت کی کمی اس نعت نمبر میں نمایاں طور پر محسوس ہوتی ہے۔

عمری شعراء کے ان حصوں میں ہر نعت کے اوپر شاعر کا نام اور بیشتر شعراء کی پیدائش اور پتہ بھی درج کیا گیا ہے۔ جو ایک کارآمد کوشش ہے بہر حال احمد آباد (انڈیا) سے اردو زبان میں اس نعت نمبر کی اشاعت قابل مبارکباد کام ہے اور سید ظفر ہاشمی اور ثریا ہاشمی اس کے لئے واقعی دلی مبارکباد قبول فرمائیں۔

(منصور ملتانی)

☆☆☆

کاسہ ہلال / ہلال جعفری

ہلال جعفری نعت کے حوالے سے خاصی شہرت رکھتے ہیں۔ اب تک زیر نظر کتاب کے علاوہ "جان رحمت"، "معراج مصطفیٰ"، "طلوع سحر" اور "ہلال حرم" کے نام سے چار مجموعے ہائے نعت سے اردو کو سرفراز کر چکے ہیں۔ یہ مجموعہ بنام "کاسہ ہلال" نعتیہ قطعات پر مشتمل ہے جس میں ۳۴ حمدیہ قطعات ایک نعتیہ آزاد نظم، ۱۹۳ نعتیہ قطعات کے علاوہ ۱۱ قطعات منقبت برائے حضرت علیؑ گیارہ ہی قطعات منقبت حضرت حسینؑ اور دو قطعات حضرت فاطمہؑ کی شان میں تحریر کئے گئے ہیں۔ یوں یہ گلدستہ نعت کل ۲۲۲

۲۵۱

قطعات پر مشتمل ہے۔

ہلال جعفری نعت کے قارئین کے لئے خاصا معروف اور جانا پہچانا نام ہے۔ نصف صدی سے نعت گوئی اور منقبت نویسی ہی ہلال جعفری کا مقصد اعلیٰ رہا ہے۔ چونکہ کاتب تقدیر نے انہیں غموں سے زیادہ آشار کھائے اس لئے قدرتی طور پر لہجے میں سوز، سوچوں میں کرب اور دیدہ نم کی کار فرمائی نعتوں میں جبکہ موجود ہے۔ مضامین اور انداز بیان کے اعتبار سے ہم ہلال جعفری کے نعتیہ قطعات کو بھرپور روایتی رنگ میں ڈوبے ہوئے قطعات کہہ سکتے ہیں۔ البتہ حضرت حسانؓ کے لئے صفحہ نمبر ۷۸ پر موجود قطعے میں مقدّر کا سکندر کی تمثیل کچھ غیر مناسب محسوس ہوئی۔

ہلال صاحب نے اس مجموعے میں ۱۵ قطعات ایسے بھی شامل کئے ہیں جن کی ردیف ساقی ہے۔ ان قطعات میں جو نعتیہ حصے میں شامل ہیں ایک جگہ ساقی سے اللہ تعالیٰ مراد لیا گیا ہے جبکہ ایک قطعہ غزلیہ انداز میں ہے اسے کسی طرح نعت سے منسلک نہیں کیا جاسکتا جبکہ باقی ۱۳ قطعات میں ساقی حضور پاک ﷺ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

مجموعہ کی ابتدا میں شاعر کی طرف سے ”حرف گفتنی“ قابل غور ہے۔ خاص طور پر نعتوں کے حوالے سے کچھ اموات کا ذکر بہت اہمیت کا حامل ہے اس کے بعد ڈاکٹر عاصی کرنالی اور ڈاکٹر اسد ادیب کی تقریظات شاعر کا خوبصورت تعارف ہیں۔ آخر میں ایاز صدیقی کا قطعہ تعریف اور شاعر کا حرف معذرت کتاب کے لازمی اجزاء کی صورت سامنے آتے ہیں۔ مجموعی طور پر ۱۹۹۸ء اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس میں قطعات نعت کے حوالے سے کئی کتابیں شائع ہوئیں جن میں راجا رشید محمود کی ”قطعات نعت“ راقم الحروف کی ”مُرُسل و مُرْسَل“ اور زیر نظر کتاب کا سہ ہلال نمایاں ہیں اور کاسہ ہلال کو ایک لحاظ سے برتری حاصل ہے کہ شاعر کی تحریر کے مطابق اسے ۱۹۹۲ء میں منظر عام پر آتا تھا لیکن حالات کی ناسازگاری کے سبب تاخیر ہو گئی۔

کتاب بزم شعر و ادب اسلام آباد نے خوبصورت انداز سے شائع کی ہے اور اس کی قیمت سو روپے بھی شناسمت کے اعتبار سے مناسب ہے۔
(منصور ملتانی)

☆☆☆

www.facebook.com/Naat.Research.Centre
www.sabih-rehmani.com/books

خطوط

پروفیسر جگن ناتھ آزاد (نئی دہلی۔ بھارت)

”نعت رنگ“ کی جو جلدیں مجھے موصول ہوئیں ہیں انہیں تو میں انسا نیکلو پیڈیا کہہ سکتا ہوں۔ سر دست تو نعت رنگ کے لیے اپنی ایک غیر مطبوعہ نظم ”محفل نعت میں ایک رات“ آپ کو بھیج رہا ہوں۔ آپ مناسب سمجھیں تو اسے کسی شمارے میں شامل فرمائیں ذرا طبیعت سنبھل جائے تو میں آپ کو اپنا اور غیر مطبوعہ نعتیہ کلام بھی بھیجوں گا۔ اگر فرصت مل گئی تو علامہ اقبال کی نعت گوئی پر ایک مضمون بھی۔

اس وقت اسلام اور اسلامیات کے تعلق سے میرے غیر مطبوعہ کلام کا مجموعہ زیر کلمت ہے اس میں حمدیہ کلام بھی ہے نعتیہ بھی اور منقبت بھی۔ اسلامیات کے تعلق سے دوسری نظمیں بھی مثلاً دہلی کی جامع مسجد اور بھارت اور بھارت کے مسلمان وغیرہ اس میں سے نعتیہ کلام نکال کر آپ کو بھیجوں گا۔

نعت رنگ نمبر ۶ میں علامہ اقبال کی نظم ذوق و شوق کا ذکر دیکھا میں بھی اسے نعت ہی کہتا ہوں حمد نہیں کہتا۔ پروفیسر عبدالغنی کے ساتھ اس موضوع پر دو ایک بار گفتگو بھی ہو چکی ہے لیکن وہ بیحد ہیں اور مصر بھی کہ یہ نعت نہیں حمد ہے۔ اس بارے میں اپنی رائے (یا ناقص رائے) تفصیل سے لکھ کر بھیجوں گا۔

مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (کراچی)

نعت رنگ کے چھٹے شمارے کی اشاعت میں شاید کچھ تاخیر ہوئی لاہور سے محترم بزرگوار اقبال احمد صاحب فاروقی نے اپنے مکتوب میں مجھے تحریر فرمایا کہ آپ سے دریافت کر دوں اور انہیں آپ کے جواب سے آگاہ کر دوں، یوں یہ واضح ہو گیا کہ اہل محبت آپ کے ”نعت رنگ“ کا انتظار کرنے لگے ہیں۔ یہ آپ کی محبتوں اور محنتوں کی کامیابی ہے۔ اللہ کریم جل شانہ آپ کے صدق و اخلاص میں مدد فرمائے اور ہر تصنیف و ریاست سے چائے رکھے۔ آمین

ان دنوں یہ فقیر اپنے والد گرامی حضرت مجدد مسلک اہل سنت عاشق رسولؐ محبت صلحہ و آمل بول، خطیب اعظم مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ رحمۃ الہی کے پندرہویں سالانہ عرس مبارک کے انتظامات میں مشغول ہے۔ اس لئے آپ کا نعت رنگ تمام تر نہیں دیکھ سکا اور آپ نے خود اس مرتبہ شمارہ بھیج دیا بھی نہیں۔ اخبار میں اس کی اشاعت کی خبر دیکھی، آپ نے رد و شکر بھیجا تو خیال ہوا کہ پانچ شمارے مفت ملے، پچھتا شمارہ مجھے خریدنا چاہئے چنانچہ فضلی سز سے حاصل کر لیا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ بھیجنا چاہتے ہوں تاہم مجھے کچھ رقم دے کر آپ کی یہ کاوش حاصل کرنا گراں نہیں گذرے۔ سرورق عمدہ ہے۔ پہلی نثری تحریر جناب سید ابو الخیر کشنی کی ہے جس کا عنوان ”نعت کے موضوعات“ ہے۔ پہلا جملہ ص ۱۳ پر اس تحریر میں جو کشنی

صاحب کے ایک خیال کی تعویذ کا باعث ہوا اچھی فکر کی بنیاد میں معادن ہے۔ جملہ یوں ہے کہ ”جب کوئی شعر اپنے موضوع اور مخاطب سے بڑا ہو تو اس کا مصداق سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام بن جاتے ہیں“ دوسرا جملہ ص ۱۴ پر ہے ”کوئی لفظ ان (ﷺ) کی ذات و صفات کا بابر اٹھانے کے قابل معلوم نہیں ہوتا۔“ ص ۱۵ پر حرم کو شاید کلمت کی غلطی سے ”حرام“ لکھ دیا گیا (مسلم شریف کی روایت کے حوالے سے) مثبت اور ادب والی سوچ کے حوالے سے اسی صنف پر یہ جملہ بھی شمار کیا کہ ”انہوں نے گرمی کی شدت کا علاقہ مدینے کی کھجوروں کی شیرینی سے قائم کیا ہے“ ص ۱۷ پر جبل احد کا تذکرہ ہے۔ مجھے یاد آیا کہ مکہ مکرمہ میں فاروق احمد چشتی صاحب سے پہلی مرتبہ ملاقات ہوئی، آٹھ نو برس پہلے کی بات ہے، وہ ان دنوں بیکنجز الجزیہ میں تھے۔ سنا ہے کہ اب ملتان میں نیشنل بینک سے وابستہ ہیں۔ جبل احد کے حوالے سے ان کی بات اچھی لگی تھی اس لئے تذکرہ کر رہا ہوں۔ رحمت للعالمین آقا ﷺ نے جبل احد پر قدم رنجہ فرمایا اسے اپنی محبت کی سند عطا فرمائی تو یہ جبل احد سینہ تانے اور بازو پھیلائے کھڑا ہے کہ دجال کو میں اپنے محبوب کریم ﷺ کے شہر میں داخل نہیں ہونے دوں گا۔ محبت والے یوں بھی سوچتے ہیں۔ ص ۱۸ پر حدیث قدسی ان الفاظ میں ہے ”لولاک لما خلقت الربوبیہ“۔ یہ حدیث قدسی مجھے یاد ہے، یوں ہے ”لولاک لما اظہرت الربوبیہ“ تفسیر عزیزی (فتح العزیز) میں میں نے یہ حدیث قدسی پڑھی تھی۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کریم کی صفات ہرگز مخلوق نہیں۔ رب ہونا اس کی صفت ہے اس لئے کشفی صاحب کا یہ جملہ صحیح نہیں کہ ”آپ کی خاطر یہ ربوبیت پیدا کی گئی“ (ص ۱۸) یہ جملہ یوں صحیح ہو گا کہ آپ کی خاطر ربوبیت ظاہر ہوئی۔ ص ۱۹ پر کشفی صاحب لکھتے ہیں ”الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محل استعمال سے بدل جاتے ہیں“ اور اسی صنف پر انہوں نے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی ہوئی نعت شریف کے ایک شعر کا پہلا مصرع لکھا ”میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہوا مالک کے حبیب“ اس حوالے سے کشفی صاحب لکھتے ہیں ”جب مالک کا لفظ لغوی طور پر استعمال کیا جائے جیسے اس مصرع میں (ہے) تو بات اپنی حدود سے نکل جائے گی، شاعر اس غلو سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اسے آقائے جان و دل کی حقیقی عظمتوں کا دھیان رہے اور ان عظمتوں کا علم قرآن پاک و احادیث ختم الرسل (ﷺ) سے ہوتا ہے“ کشفی صاحب نے خود فرمایا کہ الفاظ کے معانی اپنے ماحول اور محل استعمال سے بدل جاتے ہیں اور پھر اس مصرع میں اپنی ہی رائے فراموش کرتے ہوئے اعتراض فرمایا اگر لفظ ”مالک“ بمعنی اسی معنی میں اور حقیقی مراد لیا جائے جیسا کہ اللہ کریم کے لئے لیا جاتا ہے تو بلاشبہ اعتراض درست ہو گا مگر کون ہے جو اللہ کریم کے برابر یا اس کے مثال کسی کو گردانتا ہے؟ اسی صفحہ ۱۹ پر پہلی سطر میں کشفی صاحب فرماتے ہیں ”رسول اللہ ﷺ مالک کے حبیب ہیں مگر مالک نہیں ہے (ہیں) حکم اور امر صرف اللہ کا ہے اور اللہ کے لئے ہے۔“ کشفی صاحب کے پیش نظر شاید یہ قرآنی آیت ہوگی ان الھم اللہ۔ کشفی صاحب ذرا ماضی کے اس دور پر نظر فرمائیں جب خوارج بھی آیت حضرت سیدنا علی کریم اللہ

وجہ کے روبرو پڑھتے تھے تو مولائے عم گسار حیدر کرار فرماتے ”مگر حق ارید ہما باطل“ جو بات کہہ رہے ہو وہ حق سچ ہے مگر اس سے جو ثابت کرنا چاہ رہے ہو وہ باطل ہے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ہر کمال ذاتی، حقیقی، لامتناہی اور غیر فانی یعنی ناقابل فنا ہے اور مخلوق کا ہر کمال اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا (عطائی) ہے حقیقی نہیں، لامتناہی نہیں۔ حکم اور امر، حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور قرآن کریم ہی کے مطابق یہ مخلوق کو بھی عطا ہوا۔ آیات قرآنی شاہد ہیں۔ آتیناہ حکما و علما۔ (القصاص) فوہب لی ربی حکما (الشعراء) رب ہب لی حکما والحقنی بالصالحین (الشعراء)۔ ولوطا آتینہ حکما و علما۔ (الانبیاء) ولا بلغ اشدہ آتینہ حکما و علما (یوسف)۔ وکلا اتینا حکما و علما (الانبیاء) فلا وربک لایومنون حتی یحکموک فیما شجر بینہم (النساء) واذ حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (النساء) وتدلوا بہا الی الحکام (بقرہ) الیس اللہ باحکم الحکمین (التین) تلك عشرة کالہ۔ اور امر کے حوالے سے اگر ان الامر کلہ للہ۔ بل للہ الامر جمیعا قرآن میں ہے تو یامرون بالمعروف تامرون بالمعروف و امر بالعرف و امر بالمعروف اتامرون الناس اولی الامر اذا قضی اللہ و رسوله امر و امرہم شوری بینہم و یسرلی امری و سلیمان الریح عاصفة تجری بامرہ کے الفاظ بھی قرآن میں ہیں۔

ان آیات سے نتیجہ واضح ہے۔ مزید ملاحظہ ہو قرآن کریم میں ہے۔ تبارک الذی بیدہ الملك۔ ولم یکن له شریک فی الملك۔ اور یہ بھی آیات قرآن ہیں توتی الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء۔ الم ترا الی الذی حاج ابراہیم فی ربہ ان آتاه اللہ الملك۔ مزید ملاحظہ ہو ارشاد باری تعالیٰ ہے ”ان العزۃ للہ جمیعا۔ اور یہ بھی فرمودہ قرآن ہے و تعزمن تشاء و تذلل من تشاء۔ ولله العزۃ و الرسولہ للمؤمنین و لكن المنافقین لایعلمون۔ لفظ خالق پر ملاحظہ ہو قرآن کریم میں ہے هل من خالق غیر اللہ؟ اور یہ بھی قرآن کریم میں ہے فتبارک اللہ احسن الخالقین۔ انی اخلق لکم من الطین کھیئة الطیر۔ واذ تخلق من الطین کھیئة الطیر۔ مزید ملاحظہ ہو۔ الذی یحی و یمیت اور یہ بھی ہے و احی الموتی باذن اللہ۔ و من احیایا فکانما احیا الناس جمیعا۔

ان آیات قرآنی سے نسبت حقیقی اور نسبت مجازی واضح ہے۔ کشفی صاحب ہی کا فرمانا ہے کہ قرآن پاک اور احادیث نبوی سے علم ہوتا ہے اس کے باوجود انہوں نے نبی کریم ﷺ کی شان میں اس ہستی کے کئے ہوئے شعر پر اعتراض کیا جس کے کلام بلاغت نظام پر قرآن وحدیث پڑھنے پڑھانے والے کسی اللہ و جید عالم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمہ کا پورا شعر ملاحظہ ہو۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب

یعنی محبوب و محبت میں نہیں میرا تیرا

جیسا کہ ص ۱۳ پر ہے کہ کشفی صاحب نے یہ تحریر بگلت میں لکھی وہ اگلے دن زیارت و عمرہ کے لئے روانہ ہونے والے تھے ہو سکتا ہے انہوں نے توجہ نہ فرمائی ہو تاہم میں نے اس لیے یہ مختصر وضاحت تحریر کر دی تاکہ نعت رنگ کے قارئین اور ناقدین ملاحظہ فرمائیں۔ اپنی یادداشت کے حوالے سے مختصر لکھ رہا ہوں اگر خط کی جائے کتاب یا مقالے کے طور پر لکھتا تو احادیث ہی نہیں بلکہ اہل سنت و جماعت سے اختلاف رکھنے والے مکاتب فکر کے علماء کی تحریروں سے بھی اپنے موقف کی تائید پیش کرتا اور مزید تحقیق بھی۔ ص ۲۰ پر کشفی صاحب نے سیدنا جبریل امین علیہ السلام کے بارے میں فرمایا ”ذربانی تو حضرت جبریل کا کام نہیں تھا۔۔۔ تفصیل سے دامن چاتے ہوئے یہی عرض کروں گا کہ حضرت جبریل بہتر سلوک کے مستحق ہیں کہ یہ ایمان کا تقاضا ہے۔“ کشفی صاحب سے عرض ہے کہ جس ہستی کی برکت سے حضرت جبریل امین روح القدس روح الامین اور رسول فرشتے ہوئے بلکہ جس کی برکت سے انہیں وجود ملا اس آقا کی بارگاہ کی ذربانی کا اعزاز سیدنا جبریل امین کی تحقیر یا استخفاف نہیں البتہ شاعروں نے یا لکھنے والوں نے نامناسب لہجے میں کہیں حضرت جبریل امین علیہ السلام کا ذکر کیا ہو تو اس کی تائید نہیں کی جاسکتی۔ ص ۲۱ پر کشفی صاحب نے ان شاعروں کو صحیح تنبیہ کی ہے جو خود کو حسان اور کعب قرار دیتے ہیں۔ کوئی غیر صحابی ہرگز کسی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ فاضل بریلوی نے خود کو ”مگ حسان عرب“ فرما کر یہی واضح کیا ہے تاہم کشفی صاحب نے ”یومیری سعدی اور جامی و قدسی اور اقبال و ظفر علی خاں“ کے نام تو لکھے (حالانکہ جناب ظفر علی خاں کے متعدد اشعار و اقوال متنازع و معترضہ ہیں) مگر ان ہستیوں کے نام سے اجتناب کیا جو نعت گوئی کے (غیر متنازع) امام شمار ہوتے ہیں۔ کسی صحیح برگیرہ شخصیت کی عظمت اور صلاحیت و مرتبت کا اقرار و اعتراف خود قدر دان کے قدر و قامت اور سعادت کا اظہار سمجھا جاتا ہے۔ میں آج تک نہیں سمجھ سکا کہ وہ لوگ جو مسلمہ اصول و قواعد کے مطابق نادمہ قرار پاتے ہیں اور ان کی تحریروں موجود ہیں کہ شان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ گستاخانہ اور لہانت آمیز شمار ہوئی ہیں اس کے بعد ان لوگوں کی مدح و تریف یا تعظیم کیوں روا بھی جاتی ہے؟ کیا حقائق سے چشم پوشی کرنا اور حقائق کو جھٹلانا سود مند ہو سکتا ہے؟ کیا اس طرح حقائق بدل سکتے ہیں؟ جب یہ طے ہے کہ مخلوق میں رسول کریم ﷺ سا کوئی نہیں وہ ہر طرح افضل و اعلیٰ ہیں اور ان کی بارگاہ کے آداب خود ان کے خالق کریم جل شانہ نے تعلیم فرمائے ہیں اور ان کی تعظیم ہر مسلمان پر لازمی ہے پھر کیا گنجائش ہو سکتی ہے کہ ان کے کسی طرح گستاخ و بے ادب سے کوئی رعایت سوچی جائے خواہ وہ کوئی ہو؟ اس موضوع پر اپنی کتاب ”سفید سیاہ“ میں خاصی تفصیل پیش کر چکا ہوں۔ نعت رنگ کو میں متنازع تحریروں کا مرقع نہیں دیکھنا چاہتا و نہ گنجائش ہوتی ہے۔ آپ سے یہی گزارش ہے کہ اسے خالص علمی و ادبی

مرقع رکھنے اور ان تنقیدی مباحث کو بھی روا نہ دیکھتے جو دل آزاری اور ایمانی غیرت کو لکھنے کا باعث ہوں۔ آزادی فکر و خیال کا وہ مفہوم جو مغربی مفکروں نے تحارف کر دیا ہے وہ عقل سلیم اور مدعا مومن کے ایمان کے لیے قابل قبول نہیں۔ اگر کوئی محض اپنی جیاد پر اپنے علم و فہم کو جت سمجھتا ہے اور اپنی بات اور رائے کو ہر طرح و قیغ سمجھتا ہے تو اہل ایمان بھی حقائق کے مطابق اپنے نظریات کے منافی و متضاد قول و فعل کو کسی خاطر میں نہ لانے کا پورا حق رکھتے ہیں اور اس باطل کے رد میں حق جانب ہیں۔ پورے وثوق سے دعویٰ بات کسی لکھی جانی چاہئے جو درست اور قطعی دلائل سے ثابت ہو۔ میرا ذاتی مشاہدہ ہے کہ کثرت تحریریں تعصب سے خالی نہیں ہوتیں مگر کسی سے وہ تعصب جو الحب للہ وللرسول والبغض للہ وللرسول کی جیاد پر ہو۔ روماننا سمجھا جاتا ہے جو محض سچائی اور حقائق کی جیاد پر ہو وہ گوارا ہوتا ہے۔ ہم اپنے نبی کریم ﷺ کے بارے میں خود ساختہ عقیدے نہیں رکھتے نہ ہی رکھ سکتے ہیں، انہیں ”بعد از خدا اور رگ توئی قصہ مختصر“ کہنے سے پہلے یہ کہنا پڑتا ہے کہ ”لا تمکن الیاء کما کان حقہ“ ان کے بارے میں آزادی فکر نہیں پابندی فکر ضروری ہے اور پابندی بھی قرآن و احادیث کے مطابق ضروری ہے اور قرآن و احادیث کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے یا شرح و تفسیر کرتے ہوئے محض اپنی رائے سے کام نہیں لیا جاسکتا۔

ص ۱۶ نعت رنگ شماره ۶ پر جناب سید ابو الخیر کشفی کی تحریر میں ہے کہ ”مدینہ سے اپنے تعلق کا ذکر کرتے ہوئے اردو نعت گو نے یہ بات بھی اپنے اوپر واجب کر لی ہے کہ مدینہ کا تقابل جنت سے کیا جائے اور جنت کا ذکر تحقیر سے کیا جائے اور حشر سے پہلے اور حشر کے بعد جنت کی جگہ مدینہ میں قیام پر زور دیا جائے۔ ان اللہ کے بندوں سے پوچھئے کہ جب جنتیوں کے سردار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں ہوں گے تو مدینہ ہمارے لیے کیا ہوگا۔ جنت کا یہ استخفاف قرآن ناشائسی بلکہ اسلامی تعلیمات سے دوری کا نتیجہ اور سستی جذباتیت ہے۔“

کشفی صاحب نے ”سستی جذباتیت“ کے الفاظ استعمال فرمائے جو ”بھگتی“ لگے۔ جو شعراء تقابل کرتے ہیں ان کی بات نہیں کرتا۔ عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ صرف اردو شعراء ہی نہیں عربی اور فارسی کے شعراء نے بھی مدینہ منورہ کو دیار حبیب کی وجہ سے بہت عقیدت سے منظر کیا ہے۔ ہمیں مکہ مکرمہ بھی پیارا ہے کہ و انت حل بهذا البلد (القرآن) فرما کر اللہ کریم نے نسبت محبوب ہی کی وجہ سے اس کی قسم یاد فرمائی اور ہمارے محبوب کریم ﷺ کو بھی مکہ مکرمہ محبوب تھا جہاں تک بات ہے جنت اور مدینہ منورہ کی تو ہاں پور بھارت کے جناب عبدالباقی اشرفی نے کپ ناؤن جنوبی افریقہ میں یہ شعر سنایا تھا اچھا لگا۔

مدینہ جس نے دیکھا ہے وہ جب جائے گا جنت میں
کے گا یہ جگہ دیکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے

جنت کی فضیلت میں شبہ نہیں اور اس کا استخفاف درست نہیں اس بارے میں اہل علم کوئی اور رائے نہیں رکھتے مگر اس میں بھی شبہ نہیں کہ اس سر زمین پر مدینہ طیبہ اہل ایمان کے لیے جنت ہے جیسا کہ فارسی مشہور شعر ہے۔ اگر فردوس مدوئے زمین است ہمیں است۔

داوی کشمیر کو جنت نظیر کہتے ہوئے اگر یہ شعر اس کے لئے ہے تو یہاں کشفی صاحب ہی کا بیان کیا ہو وہ جملہ دہراؤں کا کہ ”جب کوئی شعر اپنے موضوع اور مخاطب سے بڑا ہو تو۔۔۔“ کشفی صاحب نے فضائل مدینہ کے موضوع پر کتب دیکھی ہوں گی اور یہ دعا بھی کتب احادیث کے حوالے سے دیکھی ہوگی اللهم حبب الینا المدینة کجنا مکة او اشد حبا۔ اس لئے محبت مدینہ کے حوالے سے جذباتیت کو سستی (کھٹایا کتر) کناد درست نہیں البتہ جنت کا استخفاف روا نہیں۔ حدیث شریف میں شہید کے حوالے سے ذکر ہے کہ وہ جنت میں اس مزے اور لذت کے نہ ہونے پر جو اسے راہ خدا میں سر کھاتے ’جان دیتے ہوئے دنیا میں ملی تھی دنیا میں واپس جانے کی خواہش بیان کرے گا۔ اسے جنت کا استخفاف نہیں سمجھا جاسکتا‘ اسی طرح ایک مومن عاشق رسول ﷺ کو دنیا میں جو راحت مدینہ منورہ میں میسر ہے اس کے باعث وہ (ان دیکھی جنت کی جائے نظر آتی جنت نگاہ) ’مدینہ منورہ سے محبت ظاہر کرتا ہے تو اسے سستی جذباتیت نہ کہا جائے بلکہ اسے اجتناب سے برائے میں یہ سمجھایا جائے کہ مدینہ منورہ کی محبت دراصل رسول کریم ﷺ کی وجہ سے ہے اور محشر میں رسول کریم ﷺ مدینہ منورہ کے اہل ایمان کے ساتھ جنت ہی میں ہوں گے اور آقا کا مدینہ طیبہ جنت میں شامل ہو گا۔ یوں بات بھی ہو جائے گی اور سمجھ بھی آجائے گی اور نامناسب الفاظ و لہجے کی گنجائش نہیں رہے گی۔

اسی طرح کشفی صاحب ص ۷۷ پر کملی کا تذکرہ کرتے ہوئے نعت گو شاعر کو سمجھا رہے ہیں کہ منزل و مدثر کے الفاظ کو ان کی وسعت اور معنویت کے ساتھ دیکھو مگر خود یہ الفاظ بھی لکھتے ہیں کہ یہ (کملی) مدثر اور منزل کے مرتبہ عالی کی ہندی شکل ہے۔۔۔ وہ چادر جو جی کے بارگراں کو سہل بنانے کے لئے تھی اس کو بھگتسی کارنگ دے کر یہ عاشقانہ روپ دیا گیا ہے۔“ آگے مزید لکھتے ہیں ”معاذ اللہ یہ چادر رسالت کو صوفی کی کلیم یا سادھو کی کملی سمجھتے ہیں۔“ کشفی صاحب کو ایسے الفاظ استعمال کرتے ہوئے جانے کیوں یہ خیال نہیں آیا کہ صوفی اور سادھو میں مناسبت بیان کرنا اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی مبارک کملی کا بیان اس تناظر میں یوں کرنا بھی تو ادب و تعظیم کے منافی ہے۔ انہیں دوسروں کو ادب سکھاتے ہوئے خود بھی ادب ٹھونڈ رکھنا چاہئے۔ وہ اپنے اسی درشت لہجے میں گنبد خضر اکاذر بھی کر گئے۔ کشفی صاحب صرف وہی معانی و مفہیم ہی کیوں معتبر جانتے ہیں جو ان کے علم و مطالعہ میں ہیں؟ ”اکرام ما نسب بہ“ کے تحت انہیں رسول کریم ﷺ سے نسبت رکھنے والی ہر شے کے بیان میں احتیاط کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ انہوں نے اس بارے میں علمائے اسلام کے ارشادات ملاحظہ نہیں فرمائے اور شاید وہ خود کو ان پابندیوں سے مستثنیٰ خیال

فرماتے ہیں جو دوسروں کے لیے ضروری کر دانتے ہیں۔

ص ۶۸ پر جناب رشید دارنی نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ”بے ہوشی“ کے الفاظ ترجمہ میں بیان فرمائے ’ص ۶۷ پر ”مرض میں مبتلا ہوئے“ کے الفاظ تحریر کیے۔ ص ۷۰ پر فرمایا کہ ”آپ ﷺ کو پسینہ بہت زیادہ آتا تھا۔“ ان الفاظ پر وہ توجہ فرمائیں کیا یہ درست ہیں؟ اسی طرح ہونے چاہئیں یا۔۔۔؟

اپنی تحریر کے با مقصد تحریر کے آخر میں وہ فرماتے ہیں ”اگرچہ اس مقالے پر اعتراضات کا بھی احتمال ہے لیکن اس بندہ ناتواں نے اللہ تبارک و تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے پوری حق کوئی اور غلو ص نیت کے ساتھ حقائق کا جرات مندانہ اظہار کیا ہے۔“

مجھے بہت خوشی ہے کہ نعت شریف کے حوالے سے عمدہ اصلاحی تنقید ہو رہی ہے اور مقصد بھی خوب ہے کہ شرعی تقاضے پورے ہوں۔ ادب کے منافی کچھ نہ ہو غلطی و کوتاہی کو مان کر اس کا اعادہ نہ کیا جائے اور جو کچھ غلط ہو گیا اس سے توبہ کی جائے۔ مگر محترم دارنی صاحب ان لوگوں کے نام القاب و آداب سے کیوں لیتے ہیں جو اپنی تحریروں کے حوالے سے گستاخی کا سنگین جرم کر چکے یا گستاخوں کی حماقت کا جرم کر رہے ہیں یا گستاخوں کے لیے شعری احکام صرف اس لیے نہیں مان رہے کہ شخصی و گروہی مفاد و لحاظ اہم ہے؟ دارنی صاحب نے تمہیحات کے حوالے سے بہت سے اشعار نقل فرمائے اور جوا اعتراض کیے لیکن آیات و احادیث کے ترسے نقل کرتے ہوئے انہوں نے اس جیاد کو ترجیح نہیں دی جو اشعار نقل کرتے ہوئے انکے پیش نظر رہی۔ ص ۵۵ پر انہوں نے وحی اور انہام کا بیان کرتے ہوئے اس آیت ”ان الشیاطین لیوحون الی اولیائہم“

(الانعام) کا تذکرہ نہیں فرمایا۔ جناب جمال پانی پتی کا مضمون بعنوان ”نعت گوئی کا تصور انسان“ ص ۲۲ سے ص ۳۶ تک نعت رنگ کے شماره ۶ میں ہے۔ اس میں ”روایتی اسلام مذہب کے دم چھلے کٹھ ملاؤں‘ ملائے مکتبی یا چلنے پھرتے علامہ دہر“ کے الفاظ و تراکیب محل نظر ہیں۔ ان کی تحریر میں بہت عمدہ باتیں بھی نظر آئیں اور ایسی بھی دیکھیں کہ تعجب ہو اور ملال بھی۔ اس حوالے سے ضرور لکھتا مگر مجھے پہلے ہی یہ احساس ہو رہا ہے کہ میرا یہ مکتوب خاصا طویل ہو گیا ہے۔ صورت و حقیقت کی بحث بہت ہو چکی ”انا احمد بلائیم“ کے حوالے سے صرف اتنی عرض ہے کہ اگر یہ قول حضرت خواجہ رضی الدین محمد الباقی المعروف حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی سے سند اور صحت کے ساتھ ثابت ہے تو بھی وہ معنی نہیں ہو سکتے جو صاحب مضمون نے ذات اور حقیقت کے حوالے سے نقل فرمائے ہیں۔ اس کی تاویل اگر کی جائے گی تو لفظ ”احد“ کی جیاد پر ہوگی۔ حضور اکرم ﷺ مخلوق ہیں اور مخلوق میں احد ہیں یعنی بے مثل و بے مثال ’یکتا و یگانہ۔ وہ خود فرماتے ہیں ”اکیم مٹی“ کون ہے تم میں میری طرح؟ دوسرے مقام پر فرمایا ”لست مثلکم“ میں تمہاری طرح تم جیسا نہیں ہوں۔ سمجھنے کے لیے یہ مثال پٹی دی تے بعنوان ”بے مثل بجز“ نعم القرآن پر وگرام میں

برسوں پہلے میان کرچکا ہوں کہ چائے پانی اور پتی سے بنتی ہے۔ پانی کی مقدار زیادہ اور پتی کی مقدار کم ہوتی ہے مگر پانی میں تھوڑی سی پتی ملا دیں تو سب سے پہلے نام بدل جاتا ہے پھر رنگ، ذائقہ، منک، اثر، حیثیت وغیرہ وغیرہ۔ تھوڑی سی پتی ملا دی تو اب اسے پانی نہیں کہتے، چائے کہتے ہیں۔ بلا تشبیہ۔ جس بخر میں اللہ تعالیٰ نے نبوت رکھی۔ اسے اب بخر نہیں رسول اللہ کہیں گے۔ جمال صاحب نے بعض جملے بہت خوب ارشاد فرمائے۔ یہ آیت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ وما من دابة في الارض ولا طائر يطير بجناحيه الا امم امثالكم (الانعام ۳۸) اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہے مگر تم جیسی امتیں۔ مثلیت کا دعویٰ کرنے والے یہ آیت بھی پیش نظر رکھیں، یہ تو نہیں ہو سکتا کہ افتخار منون ببعض الكتاب و تکفرون ببعض۔ پورا قرآن ماننا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے جانوروں اور پرندوں کو انسانوں جیسی امتیں فرمایا۔ جو کوئی رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن کی آیت پڑھ کر بھروسے کے مثل یا خود کو بخر مان کر اپنی مثال کہنے پر مصر ہے وہ خود کسی کی مثل ہے یہ نہ بھولے۔ رسول کریم ﷺ کی بخریت کا کون انکار کرتا ہے؟ مگر یاد رہے کہ وہ بے مثل بخر ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ جانور ہماری طرح ہیں تو ہم حضور اکرم ﷺ کی طرح کیسے ہو سکتے ہیں؟ قرآن ہی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا مثل فورہ کمشکوۃ فیہا مصباح۔ اس آیت کے الفاظ کو بیان بنا کر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ کا نور چراغ کی طرح ہے اسی لئے قرآن کریم کے خود سے معنی کرنا یا تفسیر بارائے کرنا سخت منع ہے اور ایسے کے لیے سخت وعید ہے۔ آج قرآن کا محض عام لغت کی بنیاد پر ہر کسی کے لیے ترجمہ کی راہ کھولنا ایسا سانچہ ہے جس کے نتائج نہایت سنگین ہیں اور تسخیر و تضحیک اور توہین تکبات پہنچ گئی ہے۔ نعت رنگ کی صرف تین تحریروں پر ایک ہی نشست میں میں اتنا لکھ گیا ہوں مجھ سے کوئی سو ہو یا کوئی بات غلط لکھ گیا ہوں تو اللہ کریم سے طالب غنود مغفرت ہوں۔ نعت رنگ کے آخر میں خطوط ہیں۔ پانچواں خط میرا ہے جس میں املا و عبارت کی غلطیاں کمپوزنگ میں ہو گئی ہیں۔ وہ کا لفظ اور لکھا گیا، جھبکے کا لفظ جھبکتے لکھا گیا۔ ص ۳۲۲ کی سطر ۲۲ پر جملہ صحیح یوں ہوگا "اور اہل علم پر زبان اعتراض دراز کرنا درست نہیں۔" ص ۳۲۳ پر اصنامی کو "اصنامی" کمپوز کر دیا گیا اور جہاں جہاں یہ لفظ آیا وہاں "سی" کو "نی" کمپوز کر دیا گیا ہے۔ صحیح کے لیے تذکرہ کر دیا ہے۔

جناب احمد صغیر صدیقی نے میری اسی مذکورہ تحریر میں وہ آیت ملاحظہ نہیں فرمائیں جو میں نے درج کر دی تھی۔ اگر مزید تفصیل درکار ہو تو انشاء اللہ پیش کر دوں گا۔ ان سے عرض ہے کہ صحیح مبادلہ سے مراد جائز مبادلہ ہے۔ جناب سہیل احمد صدیقی نے اپنے مکتوب میں میری بابت تحریر فرمایا کہ انہیں مجھ سے اس قدر مکمل جواب کی توقع نہیں تھی۔ انہوں نے توجہ نہیں فرمائی۔ میں نے جواب نہیں لکھا تھا کسی تحریر کے حوالے سے اشارہ کرتے ہوئے مختصر وضاحت کی تھی۔ انہوں نے میرے الفاظ پر توجہ نہیں

فرمائی۔ میں نے "خدا" کہنے لکھنے کو غلط یا ناجائز نہیں کہا۔ علاوہ ازیں وہ اسماء حسنیٰ ملاحظہ فرمائیں اور بتائیں کیا "خدا" اللہ تعالیٰ کا نام ہے؟ لفظ "خدا" کے استعمال پر وہ ثواب نہیں ہو سکتا جو "اللہ" (تعالیٰ) کہنے پر ہوگا۔ ص ۳۳۸ پر "ہمام خداوند عشا مندہ دہ مریاں" لکھنے کے بعد سہیل صاحب نے تو سین یعنی بیکٹ میں خود لکھا ہے "بسم اللہ (ترجمہ)" ان سے یہی عرض ہے کہ "خدا" کے لفظ کو اللہ کا نام نہیں بلکہ کسی نام کا ترجمہ یا قاری میں اللہ تعالیٰ کے لیے پکارا جانے والا لفظ کہیں گے تاہم اپنے مکتوب کے آخر میں وہ الجواب کے تحت تفصیل ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ امید ہے انہیں مجھ سے شکایت نہیں رہی ہوگی۔

اپنے مکتوب کے آخر میں عرض کروں کہ یہ فقیر نہایت گناہ گار ہے اور اپنی ہر تحریر و تقریر میں اپنی تمام کوتاہیوں، غلطیوں کے لیے اللہ کریم سے طالب غنود مغفرت رہتا ہے۔ وہ دوست جو میری کسی تحریر و تقریر میں کوئی غلطی دکھائی دیکھیں مجھے ضرور آگاہ فرمائیں۔ فی الواقع غلطی پر یہ فقیر توبہ و استغفار اختیار کرے گا۔ غلطی کو غلطی نہ ماننے کی غلطی انشاء اللہ نہیں کرے گا۔

"یہ فقیر اپنا خط مکمل کر چکا تھا، نعت رنگ کی مزید سرسری ورق گردانی کرتے ہوئے جناب عزیز احسن کی تحریر "اردو نعت میں آفاقی قدروں کی تلاش" میں ص ۱۰۰ پر کچھ جملے نظروں میں آئے گئے تو یہ اضافہ ضروری ہو گیا، وہ لکھتے ہیں "لفظوں پر اشتقاق کے علاوہ خیال کی اصلاح کا بھی حضور نبی کریم علیہ السلام نے ہمیشہ خیال رکھا۔ بخاری شریف کی روایت ہے کہ ایک جگہ کچھ لڑکیاں دف جا کر بدر کے کچھ شہداء کی شجاعت بیان کر رہی تھیں۔ ایک لڑکی نے کہا "ہم میں ایسا نبی ہے جو کل کو ہونے والی بات کی خبر دیتا ہے۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "یہ بات مت کہو اور جو تو پہلے کہتی تھی وہی کہہ۔"

عزیز احسن صاحب تین سطروں کے بعد مزید فرماتے ہیں "ان نظائر کی روشنی میں اس خیال کا تو ابطال از خود ہو جاتا ہے کہ" حضور اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے جن الفاظ و خیالات کو نسبت ہو جائے وہ تنقید و مردود سے بلبند و بالا ہو جاتے ہیں۔"

محترم صحیح رحمانی صاحب! آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ "نعت رنگ" کے ذریعہ تنقید شاعری پر تنقید کے لیے کیا آپ نے کوئی معیار، اسلوب اور شرائط وغیرہ بھی رکھی ہیں یا ہر کوئی اپنی فہم پر انحصار کر کے اپنی بات کو "قول فیصل" ٹھہرائے گا؟ جناب عزیز احسن کو بخاری شریف میں موجود مذکورہ روایت کے نہ جانے کس لفظ سے "خیال کی اصلاح" کا خیال آیا ہے؟ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکبیر فرمائی کہ وہ کل کو ہونے والی بات کی خبر نہیں دیتے؟ گیت گانے والی لڑکی کو ایک بات نہ کہنے کے لیے فرمانے کی وجہ "خیال کی اصلاح" کیسے سمجھ لی گئی؟ اپنی فہم کو خاطر میں لاتے ہوئے مقام و شان رسول (ﷺ) کا خیال کیوں نہ رہا؟ عزیز احسن صاحب بخاری شریف ہی سے یہ حدیث شریف بھی ملاحظہ فرمائیں "قام فینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاما فاخبرنا عن بدء الخلق حتی دخل اہل الجنة منازلہم و

جس انسان کے قبضہ و اختیار میں کوئی شے یا ملک ہوتی ہے اسے اس شے یا ملک کا مالک کہا جاتا ہے۔ جیسے مالک مکان، مالک جائیداد وغیرہ۔ جو شخص کسی کا ملازم یا غلام ہوتا ہے اس شخص کو مالک کہتا ہے۔ نبی اپنے شوہر کو مالک کہتی ہے۔ بادشاہ یا ملک کے والی و فرمانروا کو ملک، ملک الملوک، مالک الملک وغیرہ کہا جاتا ہے۔

فقہائے کرام میں ایک فقہ ہے۔ امام علاء الدین ابو العلیٰ سیبوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا لقب ”شاہان شہ ملک الملوک“ تھا۔ ان سے استثناء کرنے والے بھی انہیں ”شاہان شہ ملک الملوک“ لکھتے تھے اور وہ خود بھی اپنے نام سے پہلے یہ لقب لکھتے تھے۔

صحابہ کرام میں قریب ایک سو دس حضرات کے نام مالک تھے، حضرت امام مالک کا نام بھی مالک تھا اور داروغہ جنم کا نام بھی مالک ہے۔ یہ تمام حضرات صرف مالک کہہ کر بھی پکارے جاتے رہے ہوں گے اور آج بھی مالک کہہ کر پکارے جاتے ہیں تو کیا اس سے مراد اللہ تعالیٰ لے لیا جاتا ہے یا لے لیا جانا چاہئے؟

دنیا کی ہر شے زمین کا چپہ چپہ ذرہ ذرہ اور رشتہ داروں کو عزیز، عزت و جاہت والوں کو عزیز و عظیم، مہربان انسانوں کو رحیم و کریم، نرم دل والوں کو حلیم، علم والوں کو عالم، فلسفی اور طبیب وغیرہ کو حکیم، فوٹو گرافر اور آرٹسٹ وغیرہ کو مصور، ہر سننے دیکھنے والے کو سامع، مسیحا و غیرہ!

یہ سارے نام مالک، ملک، مالک الملک، حاکم، حکیم، عزیز، عظیم، عالم، رحیم، کریم، حلیم، مصور وغیرہ صرف اللہ کے نام معلوم نہیں ہو رہے ہیں بلکہ ہیں۔ یہ نام رب جلیل کے صفاتی اسماء میں ہیں۔ لیکن ان کا اطلاق غیر اللہ کے لئے ہوتا ہے اور آج تک کسی نے بھی ان پر گرفت نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے خود غیر اللہ کو مالک کہا ہے:

(۱) ”یہ تو ان کے مالک ہیں۔“ (پ ۲۳، رکوع ۳)

(۲) ”اور پکاریں گے اے مالک“ (پ ۲۵، رکوع ۱۳)

اللہ جل مجدہ جو مالک یوم الدین ہے اس نے اپنے محبوب، بندوں کو مالک شفاعت بھی کہا ہے:

(۳) ”لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنہوں نے رحمت کے پاس قرار کر رکھا ہے“

(مریم: ۸۷)

(۴) ”اور یہ جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہیں شفاعت کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں شفاعت کا اختیار انہیں ہے جو حق کی گواہی دیں اور علم رکھیں“ (الزخرف: ۸۶)

نمبر ۳ والی آیت کی تفسیر میں ہے کہ یہ حضرات عیسیٰ و عزیر علیہم السلام کے لیے ہے یعنی انہیں رب عظیم نے شفاعت کا اختیار دیا ہے اور ہمارے حضور علیہ السلام تو شافع محشر ہیں ہی۔ اس آیت کی رو سے وہب رجب اتم مالک شفاعت ہیں اس لئے کہ وہ نبیوں اور رسولوں کے سردار ہیں۔

ان دو آیات سے محبوبان الہی کا شفع ہونا ثابت ہے۔

حالانکہ یہی اللہ تعالیٰ خود اپنے لیے فرماتا ہے:

(۵) ”مالک یوم الدین“ (سورہ فاتحہ: ۳) اللہ روز جزا کا مالک ہے۔

(۶) ”لعن الملك اليوم“ آج کس کی بادشاہی ہے۔ (پ ۲۳، رکوع ۷)

اسی رب العالمین نے خود کو مالک الملک اور احکم الحاکمین بھی فرمایا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ نے بھی اللہ جل مجدہ کے لیے فرمایا ”لا ملک الا اللہ“ یعنی بادشاہ کوئی

نہیں سوا اللہ تعالیٰ کے (مسلم شریف)

اپنے دور کے علماء میں جو علم و مرتبہ میں بڑا ہوتا ہے اسے لوگ ملک العلماء بھی کہتے ہیں۔ اس

طرح تو گویا سے اللہ اور رسول سے بھی بڑھا دیا جاتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے۔

انصار کرام حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی:

”یا رسول اللہ! انت والله الا عز العزیز“ یا رسول اللہ! اللہ کی قسم حضور ہی سب سے

زیادہ عزت والے ہیں۔ (بخاری و مسلم) عزیز بھی اللہ کا نام ہے۔ انصار کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے

رسول اللہ ﷺ کو عزیز کہا لیکن حضور علیہ السلام نے اس پر ان کی کوئی گرفت نہیں فرمائی۔

حکیم بھی اللہ کا ایک نام ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ”میری امت کے حکیم ابو درداء ہیں“

(طبرانی فی الاوسط) تو کیا ایسا فرما کر حضور علیہ السلام نے محاذ اللہ حضرت ابو درداء کو اللہ کہہ دیا؟ ہرگز

نہیں۔

وفد بنی عامر نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا ”انت سیدنا“ یعنی حضور ہی سید ہیں (احمد و

ابوداؤد نے حضرت عبداللہ بن الشخیر العامری رضی اللہ عنہ سے روایت کی)

اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا ”السید اللہ“ یعنی سید تو اللہ ہی ہے۔

یہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بتانا مقصود تھا کہ حقیقی معنی میں سید یعنی سردار یا مالک

بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ لیکن حضور علیہ السلام نے یہ منع نہیں فرمایا کہ انہیں سید نہ کہا جائے ورنہ وہ خود ہرگز یہ

نہ فرماتے ”انا سید و لا ادم“ یعنی میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں۔ (مسلم و ابوداؤد)

حضور علیہ السلام نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے لیے فرمایا ”بے شک یہ میرا پوتا سید

ہے۔“ (بخاری شریف) سید کا اطلاق حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے لیے بھی ہوا اور ان دونوں

بھائیوں کی اولاد رہتی دنیا تک سید کہی جائے گی۔ اس طرح سید اب ایک خاندان، قبیلہ یا ہمدانی سے موسوم

ہو گیا۔

خلاصہ کلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کے بطن ہونے کی حیثیت سے کچھ حد تک کچھ اختیارات عطا کر رکھے ہیں اسی بناء پر ہمہ بھی مالک کہلاتا ہے ورنہ ہر شے اللہ ہی کی ہے وہی مالک حقیقی ہے۔ اسی طرح رب عظیم نے بندوں کو اپنی کچھ صفات بھی عطا کی ہیں مثلاً سننے دیکھنے اور جاننے، حکم دینے، فیصلہ کرنے وغیرہ کی لہذا ہمہ بھی بطنی حدود میں حاکم، حکم عالم، حکیم وغیرہ ہے اور سامع و سمیع و بصیر ہے لیکن اللہ اور ہمہ کے سمیع و بصیر میں فرق ہے۔ اللہ بغیر جسم اور آکے کے سنتا دیکھتا جانتا ہے اور ہمہ اسی کے عطا کردہ جسم مان، آنکھ اور عقل سے۔

جس لفظ کا جو معنی محاورات میں شائع و ذائع ہے اس عرف اور محاورہ کو افادہ مقاصد میں پورا دخل ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وامر بالعرف" (پ ۹ رکوع ۱۳) اب یہاں ان الفاظ کے عربی معانی مراد لیے جائیں گے اور انہیں استغراق معنوی ہی پر محمول کیا جائے گا نہ کہ لغوی معنی یا استغراق حقیقی پر۔ لیکن جب ان الفاظ کو لغوی معانی میں استعمال کریں گے یا لکھنے پونے میں ایسا قرینہ پیدا کر دیں گے کہ یہ استغراق حقیقی پر محمول ہو جائیں تو غیر اللہ کے لیے ان کا اطلاق کفر ہو جائے گا۔ مثلاً مالک حقیقی، حاکم حقیقی، حاکم مطلق، مالک روز جزاء، عالم الغیب والشہادہ وغیرہ۔

لہذا مالک، عالم، عزیز، حکیم وغیرہ جو الفاظ بندوں کے لیے کہے گئے ہیں وہ عربی معانی میں لئے گئے اسی طرح حضور علیہ السلام کے لئے آقائے دو جہاں، مولائے کل، سرکار دو عالم وغیرہ کا استعمال استغراق حقیقی پر محمول نہیں ہوتا۔ یہ سارے القاب رسول کریم ﷺ ہی کے لیے ہیں۔ اللہ تو بہت ہی بلند شان والا ہے۔ وہ تو کل عالم کا بھی خالق و مالک ہے اور مختار عالم یا سرکار دو عالم کا بھی خالق و مالک۔ اصل مختار و سرور و مولانا تو وہی ہے۔ اب جس طرح احمد صغیر صاحب کو حضور علیہ السلام کے یہ القاب اللہ تعالیٰ کے معلوم ہوتے ہیں لہذا اس بنا پر حضور علیہ السلام کے لیے یہ القاب نہیں لکھتیا استعمال کرنا چاہئے تو مالک، حاکم وغیرہ جن الفاظ کا ذکر ہوا وہ معلوم ہی نہیں ہوتے ہیں بلکہ اللہ ہی کے ہیں تو کیا انہیں احمد صغیر صاحب ہمہ کرادیں گے۔ یا اللہ! اس طرح تو زبان و قلم اور لغت و ادب کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔

احمد صغیر صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ "ہمارے سامنے رحمۃ اللعالمین، رسول مقبول، نبی کریم، حبیب خدا وغیرہ جیسے القاب بھی تو ہیں۔ لہذا ان کے اسی قول "رحمۃ اللعالمین" سے بھی ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام سرکار دو عالم، آقائے دو جہاں اور مالک کل ہیں۔

اللہ عزوجل نے حضور علیہ السلام کے لیے فرمایا "وما رسلنا الا رحمۃ للعالمین" اور ہم نے تجھے نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لئے۔ عالمین جمع ہے عالم کی لہذا ثابت ہوا کہ ایک سے زیادہ عالم یعنی دو عالم، دو جہاں یا کل مخلوقات الہی۔ اللہ رب العالمین ہے یعنی کل عالم یا دونوں جہان کا پروردگار لہذا اللہ عالمین کا رب ہے تو اس کے رسول عالمین کے لیے رحمت ہیں۔ عالم یا عالمین یا کل مخلوقات الہی کہتے ہیں ماسوا اللہ کو تو

حضور علیہ السلام لاجرم سب پر رحمت اور سب یعنی کل مخلوقات الہی حضور علیہ السلام کے زیر رحمت اور رحمت میں اللہ کی نعمت بھی شامل ہے اور اگر نعمت کو شامل نہ کریں تب بھی رحمت ہی کافی ہے۔ ہر حال کل مخلوقات الہی حضور علیہ السلام کی رحمت کی طالب ہے اور حضور رحمت عطا کرنے والے عطا الہی سے۔ لہذا ظاہر ہوا کہ کل مخلوقات حاجت مند اور رسول اللہ علیہ السلام مالک، مختار، آقا، سرکار، مولانا وغیرہ۔ لہذا ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہونے کی حیثیت سے عالمین یعنی دونوں عالم کے سرکار اور آقا ہیں اور کل کائنات بھی مخلوقات ہی میں ہے۔ اللہ کل سے ماوراء ہے لہذا حضور علیہ السلام مولائے کل بھی ہوئے پس حضور علیہ السلام کو سرکار دو عالم، مولائے کل اور آقائے دو جہاں کہنا درست ہے۔ جب اللہ نے ایسا بے پایاں اختیار اپنے ہی بندے رسول اعظم اور اپنے حبیب اکبر کو عطا کیا تو پھر کسی کے لیے اعتراض کا کیا محل؟ یہ اعتراض تو اللہ ہی پر ہوگا۔

اب رہی بات اللہ عزوجل کی تو وہ تو سب کے لئے رحمت، رحمۃ للعالمین کے لیے بھی رحمت اور تو رحمت ہے اور جس طرح کسی بندے کو اللہ نہیں کہہ سکتے اسی طرح رحمت بھی نہیں کہہ سکتے۔ الوہیت اور رحمانیت اسی کے لئے ہے۔ وہی معبود ہے، مالک حقیقی، اس کی شان تو انسانی عقل و فہم سے ورا ہے۔ اللہ نے اپنے بندے رسول اور حبیب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رؤف و رحیم بھی کہا "حریص علیکم بالعمومین رؤف رحیم" لیکن رحمت نہیں کہا۔

لہذا اسی "رحمۃ للعالمین" سے ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آقائے دو جہاں، مولائے کل، مختار دو عالم، سرکار دو عالم، سید الکونین والتقلین ہیں اور ان القاب سے انہیں یاد کرنا اللہ کی الوہیت یا حقیقی مہیبت پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ سرکار علیہ السلام کالان سے اللہ ہو نایا یا جانا ثابت ہوتا ہے۔ قرآن و احادیث کے بہت سے حوالوں اور دلائل سے سرکار علیہ السلام کے لیے ان القاب کا استعمال ثابت کیا جاسکتا ہے لیکن مزید بحث کی ضرورت نہیں اگر دو ہی اثر کر جائیں تو طوقان نوح لانے سے اشک کو کیا فائدہ؟

احمد صغیر صاحب مولانا صاحبان کی اسناد کے قائل نہیں ہیں حالانکہ جیسا راقم نے لہذا میں عرض کر دیا ہے کہ مولانا تو صحابہ کرام بھی تھے اور بعد کے علماء، ائمہ، صلحاء وغیرہ اور خود سب سے بڑے مولانا اور علامہ سرکار علیہ السلام اور سرکار علیہ السلام اور ان کے تابعین۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ مجتہدین، صلحاء، فقیہاء اور علماء، محدثین، مفسرین وغیرہ سے ہی دین ملا ہے اور دین کی سمجھ!

احمد صغیر صاحب لکھتے ہیں کہ بذریعہ تحقیق غلط اور درست کا فیصلہ کیا جانا چاہئے تو کیا مولاناؤں والے حوالوں یعنی قرآن و احادیث یا بزرگان دین کی تشریحات و توضیحات کے علاوہ محض لغت و ادب سے اور یہ فیصلہ صرف زبان و ادب کے محققین کریں گے یا اس طرح کے زبان و ادب کے ماہرین جو فقہ، تفسیر،

حدیث 'عقائد و کلام اور تمامی علوم دینیہ و نقلیہ کے باوصف علوم عقلہ کے بھی عالم یا اسکالر ہیں۔

محبت گرامی محترم رشید وارثی صاحب مدیر جہان رضا لاہور وغیرہ کو بھی خط لکھے ہیں۔ مولائے قدر آپ کو صحت و دعائیت کے ساتھ تادیر سلامت رکھے اور نعت کی خوب سے خوب تر خدمت لے۔ آمین

سلطان جمیل نسیم (کراچی)

نعت رنگ کے شمارے ملے۔ گزشتہ دنوں یعنی رمضان المبارک سے چند روز پہلے طبیعت کچھ اس طرح رہی کہ سارا وقت گھر میں اور پڑھنے میں گزارا۔ پھر آپ کا ٹیلی فون آیا۔

سب سے پہلے تو اپنی بات کا جواب سن لیجئے۔ حضرت قبلہ صبا کبر آبادی پر اب تک جتنے مضامین جناب ابو ظفر صہبانے تحریر فرمائے ہیں وہ ان کو کتابی صورت میں دینے کے ارادے سے نظر ثانی کر رہے ہیں۔ میں نے آپ کی فرمائش ان تک پہنچادی ہے کہ صبا صاحب کی غزل میں جو نعتیہ مضامین آگئے ہیں ان پر بھی ایک مضمون تحریر فرمادیں چاہے وہ مختصر ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے وعدہ تو کر لیا ہے اب وہ وعدہ میں آپ سے کرتا ہوں کہ جیسے ہی وہ مضمون مجھے مل گیا میں بلا تاخیر آپ تک پہنچا دوں گا۔

مولانا الطاف حسین حالی نے شاعروں، خصوصاً غزل گو شاعروں کے لیے جو چند نامہ لکھا ہے یعنی مقدمہ شعر و شاعری۔ اس میں غزل اور مضامین غزل کے بارے میں جو انداز نقد اختیار کیا گیا ہے اس معیار پر خود مولانا حالی کی غزل پوری نہیں اترتی۔ مقدمہ شعر و شاعری کی اہمیت اور قدر و قیمت اپنی جگہ لیکن جذبات و خیالات کا بہاؤ اور تخلیقی جذبہ تنقید کو خاطر میں نہیں لاتا لیکن اس کے باوجود تنقید ہی تریت کا باعث ہوتی ہے۔ ڈاکٹر ابو الخیر کشفی صاحب نے نعت کے موضوعات پر ایک بصیرت افروز مضمون تحریر فرمایا ہے۔ اور ڈاکٹر صاحب کی اس بات سے تو میں بالکل ہی متفق ہوں کہ ”دوسروں سے الگ اپنی راہ تراشنے کے شوق میں جدت کے گرداب میں بہت سے شاعر پھنس جاتے ہیں۔ یوں وہ زبان سے غفلت برتتے ہیں اور نئے موضوعات تک رسائی حاصل کرنے کی جگہ اپنے اسلوب کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔“

یہ صرف نعت گو شاعروں کا حال نہیں ہے بلکہ آج کل جو بھی قلم سنبھال کے ادب کے میدان میں اترتا ہے وہ ان ہی مذکورہ سامان حرب سے لیس ہوتا ہے۔ کسی نہ کسی طریقے سے سمجھانے کی کوشش کی جائے تو جواب ملتا ہے بات سمجھ آ رہی ہے نا۔ گویا اصل مقصد بات سمجھ آ رہی ہے۔ پھر ایسے شاعروں کو جو اپنی راہ تراشنے کے شوق میں جدت کے گرداب میں پھنس جاتے ہیں۔ زبان سے غفلت برتتے ہوں اور اپنے اسلوب کی بھول بھلیوں میں گم ہو جاتے ہوں۔ ہمارے کشفی صاحب کا مشورہ یہ ہے کہ وہ مطالعہ قرآن و حدیث اور مشاہدہ کائنات کے ذریعہ ہی رسول اکرم ﷺ کی حقیقی عظمت کی بارگاہ میں بارپا سکتے ہیں۔ بھائی ہمارا شاعر تو رسالے کا بھی وہی صفحہ پڑھتا ہے جس پر اس کا کلام بلا نعت نظام شائع ہوا ہو۔ اور جو شاعر ”پڑھے

لکھے“ ہونے کے دعویٰ دار ہیں وہ مشاہدہ کائنات اور مطالعہ قرآن و حدیث کے جائے دیگر فلسفوں کی کتاب پڑھتے ہیں۔ نعت صرف ضرور تاکتے ہیں یعنی ریڈیو، ٹی وی کے مشاعروں کے لئے۔

اردو میں جب سے شعر و ادب لکھا جا رہا ہے اسی وقت سے حمد و نعت بھی کئی جا رہی ہے لیکن برکت و تہمک کے لئے۔ اس جذبے سے بلند ہو کر جن شعرائے کرام نے نعت کو ایک منفی سخن کی حیثیت سے اپنی ایلان میں حضرات محسن کا کوروی، امیر مینائی، احمد رضا خاں بدلیوی کے نام خصوصیت سے لئے جاسکتے ہیں۔ اب رہی بات علامہ اقبال کی، انہوں نے واقعی حمد اور نعت کو ایک نیا رخ دیا ہے اور کشفی صاحب کے مطالعہ پر پوری اترتی ہے۔ یعنی اقبال کے یہاں قرآن و حدیث کا مطالعہ اور کائنات کا مشاہدہ نظر آتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑوں سے نسبت ہی بلا ہوتی ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری اسی وجہ سے بلند تر ہے کہ وہ قرآن و حدیث سے اکتساب نور کرتے ہیں۔ اب رہی مولانا الطاف حسین حالی کی نظم ”مد و جزر اسلام“ تو اس کے ادنیٰ محاسن اپنی جگہ لیکن ہر اور محترم جمال پائی پتی صاحب نے نہایت سچے سچے کی بات کہی ہے فرماتے ہیں ”انہوں نے (مولانا حالی نے) اس بات پر غور نہیں کیا کہ حضور نبی کریم ﷺ کی بے مثل بشریت اور عبدیت کاملہ کو ہم جیسے عام انسانوں کی سطح کے برابر لانے سے نعت گوئی کا حق تو رہا درکنار خود ایمان کی سلامتی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔“

ہمارے بزرگ جو کچھ لکھ گئے ہیں ہم اس سے ہدایت بھی حاصل کر سکتے ہیں اور عبرت بھی بھر طیکہ دیدہ پینار کھتے ہوں۔ آپ شاید میرے اس مشورے پر ہنس دیں لیکن میں اپنے نوجوان اور جدید شعراء کو یہ مشورہ ضرور دوں گا کہ جس طرح دنیا کا کوئی بھی فن گانے جانے سے لیکر کرکٹ، فٹبال اور شاعری تک بغیر سیکھے نہیں آتا۔ اس لیے وہ جس شعبہ سے بھی متعلق ہوں اس کے بارے میں پرانی سے پرانی اور نئی سے نئی ہر اہم بات ضرور سیکھیں اور معلوم کریں۔ خاص طور سے نئے شاعروں کو یہ چاہئے کہ وہ مطالعہ اور مشاہدے کے ساتھ ساتھ جو آئمہ فن آج موجود ہیں ان سے بھی رہنمائی حاصل کریں۔ اس لیے کہ شاعری میں مشکل ترین صنف نعت ہے۔ ذرا ڈرگائے اور گئے۔

پاکستان میں ۱۹۵۰ء کے بعد نعت گوئی کا طعن عام ہوا۔ ریڈیو اور ٹی وی پر نعتیہ مشاعروں کی کثرت دیکھ کر بڑے بڑوں کو راتوں رات مشہور ہو جانے کا راستہ نظر آیا۔ پھر اردو کے ادبی رسائل نے بھی شعراء قدیم کے دوادین کی طرح اپنے وقیع رسائل کی ابتداء حمد و نعت سے کرنے کی بنیاد رکھی۔ یوں رفتہ رفتہ نعت ادب کا حصہ بنتی چلی گئی۔ گزشتہ بیس سال میں جتنے نعتیہ مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ بیس برس پہلے شاید اتنی نعتیں بھی شائع نہیں ہوئی ہوں گی۔ نعت گوئی کے سلسلے میں ٹھوس علمی اور ادبی کام کی طرف صاحبان علم کو متوجہ کرنا۔ پھر ان کے کام کو سامنے لانا، یہ بڑا وقت طلب کام تھا۔ جو آپ نہایت عمدگی سے انجام دے رہے ہیں۔ ایک زمانے میں ”بجز شاعر مرثیہ گو“ کا مفروضہ قائم کر لیا گیا تھا اسی طرح نعت اور

نعت خوانی کو بھی محفل میااد کی ضرورت سمجھا جانے لگا تھا۔

اب آپ جیسے باہت لوگوں کی وجہ سے نعت محافل میااد سے نکل کر علم و ادب کی انجمن میں آن بیٹھی ہے۔ نعت پر گنا چنا تحقیقی کام تو سامنے آیا ہے لیکن آپ نے "نعت رنگ" کے ذریعہ تنقید کو بھی نعتیہ ادب سے منسلک کرنے کی سعی مبارک کی ہے۔ "نعت رنگ" مستقبل میں تحقیقی کام کرنے والوں کے بہت کام آئے گا۔

حضرات جدید پر حمید نسیم مرحوم کا تجزیہ بھرپور ہے اور قاری کو نظم کے بہت سے مستور معنی کی بھی جھلک دکھاتا ہے۔ افسوس حمید نسیم مرحوم نے لکھنے پڑھنے کی طرف اپنی عمر کے آخری حصہ میں توجہ دی (جوانی، موسیقی اور ضیاء جالبند حصری کی دوستی میں گزار دی) بہر حال لکھنے پڑھنے کی ابتدا انہوں نے کلام پاک کی تفسیر سے کی۔ اگر وہ اپنی شاعری کی کتابیں شائع کرانے کی طرف توجہ دینے کی بجائے ساتھ ساتھ تنقیدی مطالعہ کی اور کتابیں بھی دے جاتے (سوانح عمری اور اقبال کے علاوہ ان کے دو تنقیدی مجموعے شائع ہو سکے ہیں) یا پھر موسیقی کے بارے میں اپنے علم کے مطابق کوئی کتاب چھوڑ جاتے تو اور نیک نامی حصے میں آتی۔ ویسے حمید نسیم مرحوم نہایت نفیس طبع اور خلیق سیرت آدمی تھے۔ اللہ مغفرت فرمائے۔ آمین

"قصیدہ مدح خیر المرسلین کی ایک نادر تقسیم" از ڈاکٹر محمد یونس حسنی۔ ایک تاریخی حیثیت کی چیز ہے۔ حضرت محسن کا کوری کا یہ قصیدہ اب مشکل ہی سے دستیاب ہوتا ہے۔ اب تقسیم کے ساتھ قصیدہ پڑھنے اور نعت رنگ کے ذریعہ بہت سے ضرورت مندوں کے پاس پہنچ جائے گا۔

عزیز احسن صاحب خوب لکھ رہے ہیں۔ ان سے ایک بار سرسری ملاقات ہوئی تھی۔ اب ان کی جب بھی کوئی تحریر پڑھتا ہوں دوسری بار ملنے کا اشتیاق اور سوا ہوتا ہے۔

میرا خط خاصا طویل ہو گیا مگر مشورہ سمجھئے یا شکایت میں لکھے بغیر رہ نہیں سکتا کہ نثر کے لیے جو خط (فونٹ) آپ نے منتخب کیا ہے وہ مناسب ہے لیکن اسی خط میں جب آپ ایک ہی صفحہ پر تین یا چار نعتیں شائع کرتے ہیں وہ بھلی نہیں لگتی ہیں ان کے لئے ذرا جلی فونٹ ہونا چاہئے۔

اب آخر میں ایک بات اور، محمد صادق قصوری صاحب کے مضمون "سلسلہ بھائیہ کے نعت گو شعراء" میں حضرت ڈاکٹر مغیث الدین فریدی صاحب کا ذکر خیر آیا ہے۔ میں صرف اتنی وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ مغیث صاحب شاعری میں حضرت صبا کبر آبادی کے شاگرد ہیں جس کا اظہار انہوں نے اپنے مجموعہ "کفر تمنا" کے انتساب میں بھی کیا ہے۔

اللہ آپ کو خوش رکھے اور بہت عطا فرمائے کہ آپ "نعت رنگ" اسی آب و تاب کے ساتھ شائع کر کے ثواب کماتے اور دعائیں لیتے رہیں۔

رشید اختر خاں (بھارت)

گذشتہ سال سمرٹھ (پنجاب) سے ایک صاحب آئے تھے غالباً نومبر ۱۹۷۷ء میں ان کی داہنسی ہوئی۔ اپنی داہنسی میں انہیں کراچی ہو کر جانا تھا چنانچہ ان کے معرفت کئی عزیزوں اور دوستوں کے ہم خطوط کے پیکٹ بھجوائے انہوں نے اپنی معذوری بتاتے ہوئے اتنا ضرور کہا تھا سارے لوگوں کو خطوط پہنچانا تو ممکن نہیں لیکن کسی ایک سنٹرل پوائنٹ پر ضرور پہنچا دوں گا جہاں سے سب کو خطوط مل جائیں گے۔ میں نے غنیمت سمجھا کہ ڈاک سے بیشتر خطوط ضائع ہو جاتے ہیں آدمی معقول تھے گرچہ ان کا تعلق شعر و ادب سے نہیں تھا۔ آپ کے نام جو لفظ تھا اس میں مختلف چیزیں تھیں جن کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

(۱) نعت رنگ پر اپنے تاثراتی مضامین کا تراشہ جو یہاں کے ہندی اخبار میں یہ زبان ہندی شائع ہوئے
(۲) آپ کے نعتیہ اشعار جو ہندی رسم الخط میں منتقل کر کے عید میااد النبی ﷺ کے موقع پر یہاں ہندی اخبار میں شائع کرائے تھے۔

(۳) اپنا مضمون "اردو کی نعتیہ شاعری پر ہندی اثرات" کی زیر عکس کاپی وہ مضمون آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہو چکا ہے۔

(۴) ایک دوسرا مضمون "عمد حاضر کی اردو نعتیہ شاعری" زیر ترتیب کتاب سے ایک اقتباس دے کر اشاعت نعت رنگ

(۵) نعت رنگ کے لئے کرشن موہن کی ایک عمدہ نعت۔

آپ کی طرف سے مکمل خاموشی کی وجہ سے میں بالکل مایوس ہو گیا یقیناً یہ ساری چیزیں آپ تک نہ پہنچ سکیں۔ مجھے اس نقصان کا بے حد افسوس ہے۔ اور وہ سب کچھ دوبارہ جمع و ترتیب کے بعد بھیجا طویل عمل ہے پھر بھی آپ سے رابطہ کے بعد کوشش کروں گا انشاء اللہ۔

میں آپ کے لئے اجنبی ضرور ہوں لیکن ایک خاص تعلق و نسبت کی بناء پر آپ میرے بڑے قریب ہیں اور یہ عقیدہ تمندی میری لئے باعث فخر و سعادت ہے۔ اس حقیر کو اردو کی نعتیہ شاعری سے خصوصی دلچسپی تو ہے لیکن نعت کے اشعار کہنے کی صلاحیت و سعادت سے محروم ہوں۔ مدح و مداح رسول ﷺ پر کچھ تحقیقی و تنقیدی کام کر کے ایک وسیلہ ضرور بنانا چاہتا ہوں کہ دربار رسالت ﷺ میں ان خوش نصیب نعت گو شعراء کے ساتھ پچھلی قطار میں شامل ہونے کی سعادت مجھے بھی نصیب ہو جائے۔ عمد حاضر کی اردو نعتیہ شاعری پر ایک طویل و وسیط تنقیدی کام کر رہا ہوں (یہ کام ۱۹۸۸ء میں جدید اردو نعت ایک مطالعہ کے عنوان سے شروع ہوا لیکن کتابت و طباعت کے دشوار گزار مرحلے اور بعض ناگزیر حالات کی بناء پر ناقص مسودہ محفوظ رکھ دینا پڑا) اب اسی مسودہ کو از سر نو نظر ثانی و اضافہ کی صورت میں پیش کرنے کی کوشش جاری ہے اور کاوش تو یہ ہے کہ اس طرح کے سابقہ کاموں سے کچھ منفرد انداز کی چیز ہو۔ خاص طور سے عمدہ بہ عمدہ اردو نعت گوئی کے تاریخی و تخلیقی سفر میں زمان و مکان کی تبدیلی عصری میلانات اردو

عزیز احسن ادیبوں شاعروں اور نقادوں کے اس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس نے متانت، سنجیدگی، دیدہ وری اور فکری و فنی آگہی کی روشنی میں نعتِ رسول کے ذخیرے، تاریخ اور جدید امکانات کا جائزہ لیا اور فکر و فن کے نئے تقاضوں کے تناظر میں نعت گوئی کا بحیثیت صنف محاکمہ کیا ہے۔ ان کا یہ مجموعہ مضامین نعت کے فکری اور فنی مطالعہ کرنے والوں کے لیے ایک علمی اور فنی دستاویز ہے۔

(ڈاکٹر اسلم فرنی)

اردو نعت اور جدید اسالیب

مصنف: عزیز احسن

صفحات: 184 قیمت: 120 روپے

☆☆☆

معروف محقق و نقاد ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کا تحقیقی مقالہ

اردو میں حمد و مناجات

جلد شائع ہو رہا ہے

www.facebook.com/Naat.Research.Centre

☆ ناشر ☆

فضلی سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ: اردو بازار، کراچی

فون: 2629720-5 فیکس: 2633887

E-mail: fazlee@cyber.net.pk

شاعری کے بدلتے مزاج و رجحان اور نئے تجربات و وسعت فکر کی ہمہ گیری کے ساتھ آج کی نعتیہ شاعری اس دور میں داخل ہوئی کہ اسے عمد نعت قرار دیا جانے لگا ہے۔ مجوزہ کتاب میں ایسے اسباب و عوامل کے ساتھ تخلیقات کے حوالہ سے ایک اہم حث شامل ہے۔ موضوع کے تنوع اور وسعت کے لحاظ سے کام پھیلتا جا رہا ہے اور اسے سینٹا مشکل ہو رہا ہے۔ درفتنا لک ذکر کہ۔ دعائیکہ یہ اہم کام سرانجام پائے کہ اس خاکسار کی دین و دنیا دونوں سنور جائے۔ اس کے علاوہ موضوع نعت پر کچھ دوسرے عنوان سے بھی کام ہو چکا کچھ تبصرے و مضامین کی شکل میں بھی اور کچھ تحقیقی بھی سید الطائفہ تحقیق نعت سیدی رفیع الدین اشفاق صاحب مدظلہ العالی کی ہدایت پر عمد حاضر کے اہم نعت گو جناب حفیظ تائب صاحب کے تیسرے مجموعہ نعت ”وہی یسین وہی طہ“ پر ایک تبصرہ تیار ہو چکا ہے ناپ ہونے کی دیر ہے۔ رمضان کے بعد یہاں اردو بک ریویو کے ساتھ آپ لوگوں کو بھی ایک کاپی بھیج رہا ہوں انشاء اللہ

میرے ساتھ مشکل یہ ہے کہ نہ تو میں کسی علمی انجمن سے وابستہ ہوں اور نہ ہی کسی تعلیمی ادارے سے۔ حصول معاش کے لئے مرکزی حکومت کے پروڈیٹ فنڈ ڈپارٹمنٹ میں شعبہ آڈٹ (Audit Account) سے متعلق ہوں جس کا علم و ادب سے کوئی تعلق نہیں اور دفتری مصروفیات بھی بے پناہ ہیں لیکن کچھ تو خاندانی پس منظر اور کچھ قلندر صفت حضرات کی محبت صالح نے دل کی تاریکیوں میں ایک قندیل تو سنور کر دی ہے لیکن اس کی لوا تہی مدہم ہے کہ دنیاوی حرص و ہوس کی تیز آمد ہی اسے گل نہ کر دے۔ عمر رائیگاں کے پیشتر حصے پونہی نکل گئے زاد راہ کے لئے اب تک کچھ نہ ہو سکا۔ آپ جیسے لوگوں کے جذبہ عشق صادق کی سرشاری اور اس میں ڈوبی ہوئی تخلیقات نیز دوسرے کاموں کے عزم و حوصلہ کو دیکھ کر رشک آتا ہے اور بے اختیار دل سے دعائیں نکلتی ہیں۔

ہمارے مسائل کے پیش نظر اپنے قیمتی مشوروں اور کتابوں سے میری رہنمائی اور تعاون فرمائیں اور دعاؤں میں یاد رکھیں کہ اس گنہگار کی کاوشیں بھی باآورد ہوں۔ آمین

”نعت رنگ“ کے ۴۴ شمارے کسی طرح دستیاب ہوئے اس کے بعد کے شمارے دیکھنے کی تمنا دل میں ہے۔ دراصل یہاں اس طرح کی کتابیں قیتا بھی دستیاب نہیں آپ کا خوبصورت اور شاندار گلدستہ نعت دیکھنے کی دل میں تڑپ ہے انقلاب اخبار (ممبئی) میں تبصرہ پڑھا ہے۔

بہار نعت (مرتب جناب حفیظ تائب) کے انداز پر ہندوستانی شعراء کی نعتوں کا ایک انتخاب بھی زیر ترتیب ہے تاکہ مختلف رسائل میں بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے تاکہ آئندہ اس موضوع پر کام کرنے والوں کو سولت ہو۔

جناب نور احمد میر غنی صاحب کو ہمارا سلام پہنچادیں ان کی دوسری کتاب کے لئے کچھ چیزیں ہندی نکلے، آسانی سے فراہم کر دوں گا۔